انا خاتم النبیین لا نبی بعدی ۔ الحدیث
عقیدہ ختم نبوت پر علمائے اسلام کی تحقیقی کتب و رسائل کا انسائیکلوپیڈیا
عقیدۃ ختم النبوۃ
جلد ششم
الناشر
الادارۃ لتحفظ العقائد الاسلامیۃ
کراتشی پاکستان

قصیدہ بُردہ شریف

از: شیخ العرب والعجم امام محمد شرف الدین بوصیری مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

اے میرے مالک و مولیٰ درود و سلامتی نازل فرما ہمیشہ ہمیشہ تیرے پیارے حبیب پر جو تمام مخلوق میں افضل ترین ہیں۔

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سردار اور ملجاء ہیں دنیا و آخرت کے اور جن و انس کے اور عرب و عجم دونوں جماعتوں کے۔

فَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّفِیْ خُلُقٍ
وَلَمْ یُدَانُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّلَا کَرَمِ

آپ ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر حسن و اخلاق میں فوقیت پائی اور وہ سب آپ کے مراتب علم و کرم کے قریب بھی نہ پہنچ پائے۔

وَکُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں ملتمس ہیں آپ کے دریائے کرم سے ایک چلو یا باران رحمت سے ایک قطرے کے۔

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسْلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

تمام معجزات جو انبیاء علیہم السلام لائے وہ دراصل حضور ﷺ کے نور ہی سے انہیں حاصل ہوئے۔

وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسْلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ

تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ ﷺ کو (مسجد اقصیٰ میں) مقدم فرمایا مخدوم کو خادموں پر مقدم کرنے کی مثل۔

بُشْرٰى لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مُنْهَدِمِ

اے مسلمانو! بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ ﷻ کی مہربانی سے ہمارے لئے ایسا ستون عظیم ہے جو کبھی گرنے والا نہیں۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یارسول اللہ ﷺ آپ کی بخششوں میں سے ایک بخشش دنیا و آخرت ہیں اور علم لوح و قلم آپ ﷺ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهٗ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

اور جسے آقائے دوجہاں ﷺ کی مدد حاصل ہو اسے اگر جنگل میں شیر بھی ملیں تو خاموشی سے سر جھکا لیں۔

لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسْلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

جب اللہ ﷻ نے اپنی طاعت کی طرف بلانے والے محبوب کو اکرم الرسل فرمایا تو ہم بھی سب امتوں سے اشرف قرار پائے۔

سلامِ رضا

از: امام اہلسنت مجدد دین وملت حضرت علامہ مولانا مفتی قاری حافظ
امام احمد رضا محقق محدث قادری برکاتی حنفی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

مہرِ چرخِ نبوت پہ روشن درود
گلِ باغِ رسالت پہ لاکھوں سلام

شبِ اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود
نوشۂ بزمِ جنت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر
نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

حجرِ اسود و کعبۂ جان و دل
یعنی مہرِ نبوت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام

فتحِ بابِ نبوت پہ بے حد درود
ختمِ دورِ رسالت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اظہار تشکر

ادارہ ان تمام علمائے اہلسنّت،
اہل علم حضرات اور تنظیموں کا
تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے
جنہوں نے اب تک عقیدہ ختم نبوت کے
موضوع پر مواد کی تلاش اور جمع کرنے میں
ادارے کے ساتھ مخلصانہ تعاون کیا
اور باقی مواد کی تلاش میں مشغول عمل ہیں
ادارے کو ان کی مزید علمی شفقتوں کا
انتظار رہے گا۔

الادارۃ لتحفیظ العقائد الاسلامیۃ

نام کتاب: عقیدۃ ختم النبوۃ

ترتیب و تحقیق: حضرت علامہ مفتی محمد امین قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

جلد: ششم

سن اشاعت: (اول) 2007ء / 1427ھ (دوئم) 2012ء / 1433ھ

قیمت: -/330

14 جلدوں میں مطبوعہ کتب کی فہرست اور مکتبوں کے ایڈریس کتاب کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: "عقیدہ ختم نبوت" کے سلسلے میں حتی الامکان سنین کے اعتبار سے کتابوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مگر طباعت کے تقاضوں کے پیش نظر بعض کتب میں اس ترتیب کو برقرار نہیں رکھا جا سکا ہے۔ (ادارہ)

ناشر: الادارۃ لتحفیظ العقائد الاسلامیۃ

آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی

www.aqaideislam.org

www.khatmenabuwat.com

فہرست

اِفادۃ الاِفہام

(حصّہ دوم)

(سنِ تصنیف: 1907ء / 1325ھ)

تصنیفِ لطیف

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ
مولانا حافظ محمد انوار اللہ چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن وبانی جامعہ نظامیہ
(حیدرآباد دکن)

فہرست مضامین

اِفَادَۃُ الاِفْہَام (حصہ دوم)

فہرست مضامین اِفَادَۃُ الاِفہَام (حصہ دوم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اس لحاظ سے کہ خود معجزے نہیں دکھلا سکتے عقلی معجزے اختراع کئے جس کی وجہ سے ان کو حقیقی معجزات کی توہین کی ضرورت ہوئی اور ان معجزات کو ایک قسم کا سحر اور انبیاء کو ساحر قرار دیا اور خدائے تعالیٰ نے جو اپنے کلام قدیم میں ان کی تعریفیں کیں اور فضائل بیان کئے اس کی کچھ پروانہ کی۔ اسی طرح احادیث بھی چونکہ ان کے دعوؤں کو ثابت نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے مثل اور فرق باطلہ کے انہوں نے احادیث کو بھی ساقط الاعتبار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ چنانچہ ' ازالۃ الاوہام' صفحہ ۵۳۰ میں ایک طولانی تقریر کے بعد لکھتے ہیں: ''کیوں جائز نہیں کہ انہوں (راویوں) نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو''۔ ہم یہاں تھوڑا سا حال احادیث کے اہتمام کا بیان کرتے ہیں جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ علماء رحمہم اللہ نے کس قدر جان فشانیاں کر کے سرمایہ حدیث ہمارے لئے فراہم اور محفوظ کر رکھا ہے اور وہ کس قدر قابل اعتبار ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تبلیغ احکام سے فارغ ہو کر عالم جاودانی کو جب تشریف لے گئے اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے۔ اہل اسلام پر صحابہ کی حالت پوشیدہ نہیں کہ اشاعت دین میں کیسے ساعی تھے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ اس راہ میں جان دینا ان کے نزدیک پوری کامیابی اور سعادت ابدی تھی جو ان کے کارناموں سے اظہر من الشمس ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ہمارا دین وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے ارشادات فرمائے ہیں اور اس حیثیت سے کہ یہ دین ناسخ ادیان ہے سوائے قرآن و احادیث کے ان کو نہ کسی کتاب سے تعلق تھا، نہ کسی علم سے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مقتضائے طبیعت انسانی ہے کہ جس قوم میں کوئی بزرگ جلیل القدر

ہواس کی ادنیٰ ادنیٰ بات اس قوم میں شہرت پاتی ہے۔ اسی وجہ سے سلاطین وامرائے نامدار کی ہر بات تمام ملک میں مشہور ہو جاتی ہے۔

جب عموماً یہ حال ہو تو سردار کونین ﷺ کے اقوال وافعال وحرکات وسکنات کو ان عشاق جان باز نے اسلامی دنیا میں کیا کچھ شہرت نہ دی ہوگی۔ پھر جب حاضرین کو بار بار حکم **ولیبلغ الشاھد الغائب** ہوا کرتا تھا یعنی جو کچھ دیکھو اور سنو غائبوں کو پہنچا دیا کرو، اس حکم صریح نے تو ان حضرات پر اشاعت کو فرض ہی کر دیا۔ پھر اس زمانے میں سوائے قرآن و حدیث کوئی علم ہی نہ تھا اور علم کے فضائل میں جو احادیث بکثرت وارد ہیں پوشیدہ نہیں، جن سے ثابت ہے کہ وہ تمام عبادات بلکہ جہاد سے بھی افضل ہے۔ تو قیاس کیا جائے کہ وہ حضرات جو تحصیل کمالات اخروی پر جان دیتے تھے تعلیم و تعلم قرآن و حدیث پر کس قدر حریص اور اس میں ساعی ہوں گے۔ الغرض متعدد قرائن قویہ سے ثابت ہے کہ اس زمانے میں احادیث نبویہ مثل قرآن متداول تھیں اور تقریباً پوری قوم ان کی حفاظت میں مصروف اور سرگرم تھی اور جہاں جہاں اسلام اپنی روز افزوں ترقیوں سے قدم بڑھاتا اور پہنچتا گیا اس کے ساتھ ساتھ علم بھی پہلو بہ پہلو ترقی کرتا رہا اور نزدیک اور دور والے اس سحاب جان بخش سے یکساں سیراب تھے۔ تقریباً ایک صدی تک ان اکابرین کے سینے اس گنجینۂ بے بہا کے صندوق بنے رہے۔ جب تابعین کا زمانہ صحابہ کے انوار و فیوض سے خالی ہو گیا تو یہ رائے قرار پائی کہ ان علوم نبویہ کی حفاظت کا طریقہ اب یہی ہے کہ قید کتابت میں لائے جائیں۔ چنانچہ اس وقت سے کتابیں تصنیف ہونے لگیں یہ زمانہ وہ تھا کہ غیر اقوام کے لوگ اسلام میں بہت کچھ داخل ہو چکے تھے اور مذاہب باطلہ کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اور جس طرح خود غرض بے دینوں کی عادت ہے بہت سے شریر النفس اس تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی داؤ چل جائے تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ کر کے مقتدا بن بیٹھیں۔ چنانچہ بہت

سے حمقاء ان کے دام میں پھنس گئے جس کا حال تواریخ سے ظاہر ہے۔ اس لئے علماء نے یہ التزام واہتمام کیا کہ جب تک پورے طور سے راویوں کی دیانت وتقویٰ ثابت نہ ہو ان سے روایت نہ لی جائے اور اگر لاعلمی سے کوئی روایت بھی لی جائے تو جب کوئی بے دین ثابت ہو جائے تو اس کی کل روایتیں ساقط الاعتبار کر دی جائیں اور تحقیق کی یہ کیفیت کہ جب کوئی دو شخص ہم مشرب ملتے تو جرح وتعدیل ہی میں بحث رہتی اور اپنے اپنے تجربوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ایک دوسرے کو خبر دے دیتے جس سے ایک بڑا فن رجال کا مدون ہوا جس میں ہر راوی کی جرح وتعدیل سے متعلق چشم دید واقعات مذکور ہیں۔ غرض کہ اس تحقیق وتنقیح سے گو بعض صحیح روایتیں جو اس قسم کے لوگوں سے مروی تھیں، متروک ہو گئیں۔ لیکن بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنائی ہوئی روایتوں کی قلعی کھل گئی اور ساقط الاعتبار کر دی گئیں اور یہی طریقہ علماء میں جاری رہا اگر چہ ایسے لوگوں کی روایتیں متروک کر دی جاتیں تھیں مگر بعض روایات جو راوی کے غیر متدین ہونے پر دلیل تھیں وہ زباں زد تھیں مثلاً "**تدریب الراوی**" میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محمد ابن سعید شامی نے یہ روایت کی **عن حمید عن انس** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ**. چونکہ اس شخص کو نبوت کا دعویٰ کرنا منظور تھا اس لئے اس نے اس حدیث میں **الا ان یشاء اللہ** بڑھا دیا اور اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا مگر اس زمانے میں ایسی زیادتیاں اور داؤ پیچ کب چل سکتے تھے آخر وہ سولی چڑھایا گیا اور اس کی روایتیں موضوعات میں شامل کی گئیں۔ اسی طرح وہ روایات جو قبل تحقیق کتابوں میں درج ہو چکی تھیں وہ باقی رہ گئی تھیں، ایسی احادیث کے لئے محدثین رحمہم اللہ نے خاص خاص کتابیں تصنیف کیں اور سب موضوعات کو ان میں داخل کر دیا۔ چنانچہ یہ بھی ایک فن جداگانہ مدون ہو گیا۔ فن اصول حدیث کے دیکھنے سے یہ بات مبرہن اور منکشف ہو جاتی ہے کہ اکابر محدثین رحمہم اللہ نے کیسی

کیسی جان فشانیاں اور موشگافیاں کر کے آخری زمانے والوں کے لئے ان کے دین کا سرمایہ محفوظ رکھا ہے۔ ان کی محنت کا اندازہ اس روایت سے ہوسکتا ہے جو شرح الاشباہ النظائر صفحہ ۳۹۷ میں منقول ہے۔ ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری الرجل لایصیر محدثا کاملا الاان یکتب اربعاً مع اربع کاربع مع اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لا ربع وهذه الرباعیات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هانت علیه اربع وابتلی باربع فاذا صبر اکرمه اللّٰه تعالٰی فی الدنیا باربع واثابه فی الأخرة باربع اما الاولی فاخبار الرسول ﷺ وشرائعه و اخبار الصحابة و مقادیرهم والتابعین واحوالهم وسائر العلماء وتواریخهم مع اربع اسماء رجالهم وکناهم وامکنتهم وازمنتهم کاربع التحمید مع الخطب والدعا مع التوسل والتسمیة مع السورة والتکبیر مع الصلٰوة مع اربع المسندات والمرسلات والموقوفات والمقطوعات فی اربع فی صغره فی ادراکه فی شبابه فی کهولته عنداربع عند شغله عند فراغه عند فقره عند غناه باربع بالجبال بالبحار بالبراری بالبلدان علی اربع علی الحجارة علی الاخزاف علی الجلود علی الاکتاف الی الوقت الذی یمکن نقلها الی الاوراق عن اربع عمن هو فوقه ودونه ومثله وعن کتابة ابیه اذا علم انه خطه لاربع لوجه اللّٰه ورضاه وللعمل به ان وافق کتاب اللّٰه تعالٰی ولنشرها بین طالبیها ولا حیاء ذکره بعد موته ثم لاتتم له هذه الاشیاء الا باربع من کسب العبد وهو معرفة الکتابة واللغة والصرف والنحو مع اربع من عطاء اللّٰه تعالٰی الصحة والقدرة والحرص والحفظ فاذا تمت له هذه الاشیاء هانت علیه اربع

الاهل والولد والمال والوطن وابتلى باربع بشماتة الاعداء ملامة الاصدقاء وطعن الجهال وحسد العلماء فاذا صبر اكرم الله تعالٰى فى الدنيا باربع بعز القناعة وهيبة النفس ولذة العلم وحيوٰة الابد واثابه فى الأخرة باربع بالشفاعة لمن اراد من اخوانه وبظل العرش حيث لا ظل الا ظله والشرب من الكوثر وجوار النبيين فى اعلى عليين فان لم يطق احتمال هذه المشاق فعليه بالفقه الذى يمكنه تعلمه الخ۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آدمی کامل محدث نہیں ہوسکتا جب تک کہ امور ذیل پر پورے طور سے واقف اور ماہر نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کے اخبار اور جو احکام حضرت نے مقرر فرمائے ہیں اور نیز صحابہ کے اخبار وحالات اور تابعین اور جمیع علماء کے احوال اور تواریخ اور ہر ایک کا نام اور کنیت اور وطن اور زمانہ اور احادیث کی اقسام کہ کونسی حدیث مسند ہے اور کونسی مرسل اور مقطوع اور موقوف وغیرہ ہے اس کے سوا رسم الخط اور صرف ونحو اور لغت کا بھی ماہر ہو اور عمر بھر خالصا لوجہ اللہ اسی کام میں لگا رہے۔

فن رجال کے واقفین پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جتنے اکابر محدثین تھے وہ سب ان صفات کے ساتھ متصف تھے اور یہ سب باتیں ان کو ازبر تھیں۔ اگر چہ بظاہر یہ امر کسی قدر مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے یہ استبعاد رفع ہوسکتا ہے۔ آخر قوت حافظہ کے مدارج ہیں بعض حافظے ایسے بھی ہوسکتے ہیں کہ جو چیز انہوں نے دیکھی یا سنی وہ کنقش الحجر ہوگئی جیسے عکسی تصاویر میں ہوتا ہے اور اس کے نظائر من وجہ اس زمانے میں بھی موجود ہیں مثلاً بعض وکلاء کو کل قانونی کتابیں ایسی ازبر ہوتی ہیں کہ جو مضمون پوچھئے اس کی دفعہ وغیرہ بتلا کر صدہا نظائر اور فیصلوں کے پورے پورے مضامین پیش کردیتے ہیں۔ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ حق تعالٰی کو اس دین کی حفاظت منظور ہے جو قولہ تعالٰی ﴿ وانا له

لحافظون ﴾ سے ظاہر ہے اس لئے ایسے افراد منتخب روزگار پیدا کر کے ان سے یہ کام لیا ان حضرات نے وہ وہ موشگافیاں کیں کہ فن حدیث ایک سو فنون پر مشتمل ہو گیا جس کی تصریح امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "**تدریب الراوی**" میں کی ہے اور ان حضرات نے بفضلہ تعالیٰ ان میں اعلیٰ درجے کی ترقی کر کے ان سب کو کمال پر پہنچا دیا۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیا ان حضرات کے روبرو کسی کے داؤ پیچ اسلام میں چل سکتے تھے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کی بنائی ہوئی حدیث ان کی غامض نظروں سے چھپ کر صحت کے پیرائے میں آ سکتی تھی؟ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارے یہاں کی ضعیف حدیث دوسری ملتوں کی قوی اور صحیح روایتوں سے بدرجہا قوی ہوگی۔

اول ما آخر ہر منتہی　　　آخر ما جیب تمنا تہی

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہوگی سو یہ ظاہراً درست ہے کیونکہ امکان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ جس چیز کا نہ کبھی وجود ہوا ہو، نہ ہوگا وہ بھی اس میں داخل ہے مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان حضرات نے نہ عمداً خطاء کی ہو، نہ سہواً۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ خطاء کا امکان پیش کر کے وہ اکابر دین نشانہ ملامت بنائے جائیں۔ قرائن مذکورۂ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ ہزارہا اکابرین اور متدین علماء نے جب فن حدیث کا اس قدر اہتمام کیا ہے تو صرف ایک خفیف سا احتمال اس قابل نہیں کہ اس کے مقابل پیش ہو سکے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اکابر محدثین جنہوں نے نہ سلاطین و امراء کی صحبت اختیار کی جس سے یہ احتمال ہو کہ ان کی خاطر سے کوئی حدیث بنائی ہو اور نہ اشاعت علوم پر ماہوار یا کسی قسم کا چندہ مقرر کیا جس سے یہ خیال ہو کہ کثرت احادیث کی ضرورت سے کچھ حدیثیں بنائی ہوں ان حضرات نے تو اشاعت علوم میں جان دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ چنانچہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا حال مشہور و معروف ہے کہ حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کے فضائل کی حدیثیں شائع کرنے کی غرض سے شام تشریف لے گئے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سخت منقصت ہوا کرتی تھی اور جان کی کچھ پرواہ نہ کی چنانچہ اسی جرم میں شہید کئے گئے۔ ایسے حضرات کی روایات میں تو اقسام کے احتمال پیدا کئے جائیں اور مرزا صاحب عیسویت اور وحی کی وجہ سے لاکھوں روپے حاصل کریں ان کی خبروں میں احتمال بھی قائم نہ کیا جائے، عجیب بات ہے۔ اگر عقل سے تھوڑا بھی کام لیا جائے تو معاملہ بالعکس ثابت ہو جائے گا۔ فن اصول حدیث وفقہ میں یہ بحث نہایت مبسوط ہے کہ احادیث صحیحہ قابل تصدیق اور واجب العمل ہیں۔ انہیں احادیث پر اکثر مسائل فقہ کا دارومدار ہے اگر وہ بے اعتبار قرار دیئے جائیں تو تمام مذاہب حقہ درہم و برہم ہو جائیں گے اور بے دینوں کو آیات قرآنیہ میں تصرف کا موقع ہاتھ آ جائے گا چنانچہ ملاحدہ نے یہی کام کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو چیز تواتر سے ثابت ہو اس کا علم یقینی اور ضروری ہوتا ہے اور احادیث غیر متواتر کا علم ظنی ہے مگر شریعت نے اس ظن غالب کو اعتبار کر لیا ہے۔ دیکھ لیجئے دو گواہوں کی خبر سے جملہ حقوق ثابت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دو گواہوں کی گواہی سے مسلمان کا قتل قصاص میں مباح ہو جاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ دو شخصوں کی خبر کسی طرح متواتر نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے صرف ظن غالب ہو جاتا ہے باوجود اس کے شریعت نے اس کا اعتبار کر لیا ہے۔ اسی طرح ثبوت نسب صرف باپ کے اقرار پر ہو جاتا ہے اگر اس کے لئے تواتر شرط ہوتو یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے آباء و اجداد کی میراث اور جائداد کا مالک بنے۔ پھر باپ جو لڑکے کے نسب کا اقرار کرتا ہے اس کا مدار صرف ظن غالب پر ہے جو اپنی زوجہ کے بیان اور قرائن خارجیہ مثل عفت وغیرہ کے لحاظ سے اس کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کر کے کسی غیور شخص کے نسب میں ناشائستہ احتمال پیش کئے جائیں تو کیا ان احتمالوں کو وہ قابل تسلیم سمجھے گا یا کسی اور طریقے سے پیش آئیگا جو دشنام کے جواب میں اختیار کیا جاتا

ہے۔ اسی طرح جہاں قبلہ مشتبہ ہو جائے تو ظن غالب پر عمل لازم ہو جاتا ہے گو وہ خلاف واقع ہو اور اسی طرف نماز صحیح بھی ہو جاتی ہے اگر چہ سمت قبلہ کی خلاف پڑھی ہو۔ غرضکہ جو چیز ظن غالب سے ثابت ہوتی ہے شرعاً عرفاً عقلاً قابل تصدیق سمجھی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جو احتمال ضعیف پیش کر کے احادیث کو بے اعتبار بنانا چاہتے ہیں اہل اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ بات گویا فطرتی ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدا اور پیشوا کی باتیں جو ان کے اسلاف نے ان تک پہنچائی ہیں ان کو قابل قبول اور ان کے مخالفین کتنے ہی احتمال پیدا کریں ان کو لغو سمجھتی ہے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کی کوئی بات نہ نصاریٰ میں فروغ پائی، نہ آریہ وغیرہ میں۔ باوجودیکہ ''براہین احمدیہ'' میں انہوں نے اقسام کے احتمال ان کے مذاہب میں پیدا کر دیے۔ پھر مسلمانوں پر یہ آفت کیوں آ گئی کہ جس نے جیسا کہہ دیا اسی کی چل گئی اور ایسے شخص کے مقابلے میں کل اسلاف جن میں فقہاء محدثین اور اولیاء اللہ شریک ہیں سب جھوٹے سمجھے جائیں۔ مرزا صاحب ''ازالۃ الاوہام'' میں لکھتے ہیں کہ ''اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں **والظن لا یغنی من الحق شیئًا**۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کفار کی شان میں ہے۔ ان کی عادت تھی کہ جب قیامت وغیرہ امور حقہ کا ذکر سنتے تو اس کے خلاف میں اٹکل کی باتیں بناتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **واذا قیل ان وعد اللّٰہ حق والساعۃ لاریب فیھا قلتم ما ندری ما الساعۃ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین** یعنی جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا ظن ہے یقین نہیں ہے اور ارشاد ہے **ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون** یعنی صرف وہ گمان پر چلتے ہیں اور وہ صرف اٹکل باتیں بناتے ہیں۔ اسی طرح اس آیہ شریفہ میں بھی ارشاد ہے **وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا**۔ یعنی اکثر کفار صرف گمان پر چلتے ہیں اور گمان حق کے مقابلے میں

کام نہیں آتا۔ الحاصل جس گمان کی توہین ہو رہی ہے وہ وہی گمان ہے جو آیات واحادیث کے خلاف عقل دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کے مرتکب مرزا صاحب ہو رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے جہاں کوئی حدیث وہ اپنے مقصود کے مخالف پاتے ہیں اٹکل کی باتیں بنانے لگتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راوی نے عمداً یا خطاءً جھوٹ کہہ دیا ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں وغیرہ۔ اب اہل انصاف غور کریں کہ آیہ شریفہ ہمارے لئے مفید ہے یا ان کے لئے۔ اگر راویوں میں احتمالات پیدا کر کے احادیث بے اعتبار قرار دی جائیں تو دین کی کوئی بات ثابت نہ ہو سکے گی۔ دیکھ لیجئے نماز سے زیادہ کوئی حکم ضروری نہیں ہے پھر نہ پانچ وقت کی نماز قرآن سے صراحتاً ثابت ہوتی ہے، نہ اس کے ادا کرنے کا طریقہ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بعض لوگ خصوصاً مرزا صاحب خواہ مخواہ احادیث کو مخالف قرآن قرار دیکر ان کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں یہ ان کی کم فہمی ہے اس لئے کہ اکابر علماء نے جب کسی حدیث کو صحیح مان لیا اگر وہ فی الواقع مخالف قرآن ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ ان کو قرآن کا علم نہ تھا۔ پھر ایسے لوگ جو قرآن ہی کو نہ جانیں وہ اکابر دین اور مقتدا کیونکر ہو سکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر مخالف قرآن معلوم ہو وہ ہمارے فہم کا قصور ہے، در حقیقت مخالفت ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے مجتہدین کی دین میں ضرورت ہوئی جن کا کام یہ تھا کہ قرآن و حدیث کو تطبیق دے کر قول فیصل اور دونوں کا ماحصل بیان کر دیں اس کی تصدیق اس سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ آدمی جو فن پڑھتا ہے ہر سبق میں اقسام کے تعارض وتخالف اس کے ذہن میں آتے ہیں مگر استاد کامل ان سب کا جواب دیکر تسکین کر دیتا ہے۔ اسی طرح مجتہدین کا بھی حال سمجھنا چاہیے۔

مرزا صاحب نے احادیث کی توہین تو بہت کچھ کی لیکن لطف خاص یہ ہے کہ خود ہی ''ازالۃ الاوہام'' میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اب سمجھنا چاہیے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف

اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقہ عبادات وغیرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہم نے لیا ہے انتہی۔ ابھی احادیث کو ''**ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً**'' کے تحت میں داخل کر کے غیر معتد بہ بنا دیا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ جو حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہے وہ لاشی محض ہے اس تقریر میں احادیث کی وقعت جو بیان فرماتے ہیں وہ بھی ایک حکمت عملی ہے وجہ اس کی یہ ہوئی کہ نیچروں نے مرزا صاحب کی مسیحائی کی بنیاد ہی کو زیر وزبر کر دیا۔

ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

چنانچہ ''ازالۃ الاوہام'' میں لکھتے ہیں کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت **قال اللہ** اور **قال الرسول** کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ اس عاجز کے اس دعوے کی تحقیر کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جائے انتہی۔ چونکہ مرزا صاحب کو عیسویت سے خاص قسم کی دلچسپی ہے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ثبوت کا دارومدار احادیث کے ثبوت پر ہی تھا اس لئے انہیں احادیث کی توثیق کی ضرورت ہوئی، ورنہ ان کو اس سے کیا تعلق؟ دیکھ لیجئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر جب کوئی حدیث نہ ملی تو انجیل موجودہ کو پیش کر دیا کہ اس سے ان کا سولی چڑھایا جانا ثابت ہے پھر اس کی توثیق میں کہہ دیا کہ بخاری سے ثابت ہے کہ انجیل میں کوئی تحریف لفظی نہیں ہوئی جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ حق تعالیٰ بتصریح **وما قتلوہ** فرما رہا ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا۔ اب غور کیا جائے کہ جیسے مرزا صاحب اپنے لئے مضر حدیثوں کو رد کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہوگی اسی طرح نیچری بھی اسی احتمال سے اپنی خواہش پوری کریں گے۔ کیا وجہ کہ مرزا صاحب تو اس

احتمال سے نفع اٹھائیں اور نیچری اس سے روکے جائیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کی اس قدر توثیق کی کہ حد تواتر کو پہنچا دیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجے کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کرلیا ہے، تواتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے انتہی۔ دوسرے مقام میں ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔ صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں۔ بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارے میں اپنی شہادت ادا کر گئے ورنہ ایک یا دو آدمی کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے انتہی۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ جسم خاکی کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ایک دو صحابہ کے قول سے ثابت ہے، جس کو اجماع نہیں کہہ سکتے اور اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ کل صحابہ نے مسیح ابن مریم کے آنے پر اتفاق کیا ہے اور وہ اعلیٰ درجے کے تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ چونکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کل صحابہ کا اس مسئلہ میں اتفاق تھا اور مرزا صاحب اس کو قبول نہیں کرتے تو ان کو چاہیے کہ کوئی ایسی روایت پیش کردیں کہ اس مسئلے میں صحابہ کے دو فرقے ہو گئے تھے دو صحابی جسم کے ساتھ اترنے کے قائل تھے اور باقی کل صحابہ نے بغیر جسم کے روحانی طور پر اترنے کی تصریح کی ہے اور اگر کل نہیں تو جیسا کہ فرماتے ہیں تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیں اور جب تک یہ اختلاف ثابت نہ کیا جائے انہیں صحابہ کی تصریح پر اجماع سکوتی کل صحابہ کا واجب التسلیم ہوگا۔ اگر اہل انصاف غور کریں تو یہی قول فیصل ہو سکتا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ وہ ہرگز کسی صحابی کا یہ قول پیش نہیں کر سکتے کہ مسیح روحانی طور پر اتریں گے۔

مرزا صاحب نے جو ابھی فرمایا ہے کہ ایک حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ معلوم نہیں اس میں بخاری کی تخصیص کیوں نہیں کی وہ تو اس حدیث کو قابل اعتبار

نہیں سمجھتے جو بخاری میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں: یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے شرقی کنارے میں منارہ کے پاس اترے گا۔ انتھی۔ اور لکھتے ہیں یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے۔ جسکو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد اسمٰعیل بخاری نے چھوڑ دیا انتہی۔ ان دونوں تقریروں سے ظاہر ہے کہ جو حدیث بخاری میں نہیں ہوتی ان کے نزدیک وہ حدیث ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو ضعیف جو قابل اعتبار نہیں کیونکہ جو حدیث رئیس المحدثین کو نہ ملی ہو وہ دوسرے کسی محدث کو کہاں سے مل گئی اور اگر وہ حدیث ہو بھی تو اس کو ضعیف سمجھ کر انہوں نے اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اب مرزا صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ ضرورۃ الامام میں آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کو شناخت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی ہوتی ہے۔ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں اور وہ صحیح حدیث یہ ہے **عن معاویۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ** (کذا فی مسند امام احمد والترمذی وابن خزیمۃ وابن حبان) اور نیز ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں: یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی رسول محدث مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیے گئے وہ گو ولی ہوں یا ابدال امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔ میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ وہ امام الزمان میں ہوں انتہی۔ حدیث موصوف تو بخاری میں نہیں ہے پھر وہ صحیح کیسے ہوگئی۔ اگر یہ روایت ہمارے طرف سے پیش ہوتی تو مرزا صاحب ضرور فرماتے کہ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو شخص بغیر امام کے مرے وہ مردار موت مرا اس لئے ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ مرتے وقت امام کو لے مرے اور ظاہر ہے کہ قتل

عمد شرعاً ناجائز ہے۔ اس سبب سے یہ حدیث موضوع ہے اور بڑی دلیل اس کے موضوع ہونے پر یہ ہے کہ اس کا مضمون یہاں تک نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہ ملی اور اگر ملی ہو تو ضعیف سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اب انصاف کیا جائے کہ ایسی حدیث کو خود اپنے استدلال میں کیوں پیش فرماتے ہیں اور اگر قابل استدلال سمجھتے ہیں تو مسلم کی دمشق والی حدیث نے کیا قصور کیا حالانکہ مسلم کی روایتیں بنسبت مسند وغیرہ کے وثوق میں زیادہ ہیں علاوہ اس کے کل احادیث کو ان الظن **لا یغنی من الحق شیئًا** میں داخل کر کے بے اعتبار کر دیا تھا پھر ایسی حدیث سے آپ کا استدلال کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔ پھر استدلال بھی کیسا کہ جو آپ کو امام زمان نہ مانے وہ کافر جہنمی ہے کیونکہ شقاوت جامعہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب دیکھئے جو سزا اس حدیث کے نہ ماننے پر تجویز کر رہے ہیں وہ اس قدر سخت ہے جو کامل قرآن کے نہ ماننے والے کی ہونی چاہیے۔ حالانکہ وہ حدیث انہیں اصول پر قابل اعتماد نہیں۔ پھر اگر اس حدیث میں اُن کا نام مصرح ہوتا تو جب بھی ایک بات تھی گو اُس وقت بھی مناظر کی گنجائش تھی کہ اس نام کے بہت لوگ موجود ہیں اور آئندہ بھی ہو سکتے ہیں جب سرے سے اس میں ان کا ذکر ہی نہیں تو اب تو احتمال کو بھی گنجائش نہ رہی باوجود اس کے اپنے منکر کی سزا دوزخ جو ٹھہرا رہے ہیں کیسی بیجا کی ہے بخلاف اس کے بخاری اور مسلم کی حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتصریح فرما دیا ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ بن مریم آخری زمانے میں آسمان سے دمشق میں اتریں گے اور یہ مجموعہ صفات سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی پر صادق نہیں آتا باوجود اس کے مرزا صاحب یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ بن مریم نبی اللہ رکھ دیا ہے۔ الحاصل مرزا صاحب جب دیکھتے ہیں کہ کوئی حدیث اپنے دعوے کو مضر ہے تو کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بخاری میں نہیں ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ صحیح بھی

ہوتو اس سے ظن ثابت ہوگا اور اس کا اعتبار نہیں کیا اور جب ان کو استدلال منظور ہوتا ہے تو بخاری و مسلم میں نہ بھی ہوتو وہ حدیث صحیح بھی ہو جاتی ہے اور خود اس کا مصداق بھی بن جاتے ہیں اور نہ ماننے والے کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی متدین شخص اس قسم کی کارسازیاں اور ناجائز تصرفات احادیث نبویہ میں کر سکتا ہے۔ کیا ایسے قوی قوی قرائن دیکھنے کے بعد بھی عقل کو کسی قسم کی جنبش نہ ہوگی؟ آخر عقل بے کار نہیں پیدا کی گئی۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں "اسلام اگرچہ خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا اور رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو بیکار اور معطل ٹھہرانا نہیں چاہتا انتہی۔ جب خدا اور رسول کے مقابلے میں عقل بیکار نہیں ہوتی تو اس عقل پر افسوس ہے کہ اس قسم کی کارسازیاں دیکھ کر بھی ساکت اور بے حس و حرکت رہے اور کوئی حکم نہ لگائے۔ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ ممکن ہے کہ حدیثوں کے راویوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو یہ ان راویوں کی نسبت فرماتے ہیں جن پر اکابر محدثین وفقہاء نے اعتماد کیا ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے تحقیق کر کے فن رجال میں ان کی توثیق کی ہے اور خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ "سلف خلف کیلئے بطور وکیل کے ہیں اور ان کی شہادت آنے والی ذریت کو ماننی پڑتی ہے انتہی۔" باوجود یہ کہ سلف نے ان راویوں کی توثیق کی ہے مگر اقسام کے احتمالات پیدا کر کے ان کو نہیں مانتے اب ان کی روایتوں کو دیکھئے۔ ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں۔ "کریم بخش روایت کرتے ہیں کہ گلاب شاہ مجذوب نے تیس برس کے پہلے مجھ کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانے میں آ کر قرآن کی غلطیاں نکالے گا"۔ پھر کریم بخش کی تعدیل بہت سے گواہوں سے کی گئی جن میں خیراتی بوٹا، کنہیا لال، مراری لال، روشن لال، کنیشا مل وغیرہ ہیں اور ان کی گواہی یہ کہ کریم بخش کا کوئی جھوٹ بھی ثابت نہیں ہوا۔ دیکھئے قطع نظر گواہوں کی حیثیت کے ان کی گواہیوں سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ

کریم بخش سچا آدمی تھا اس لئے کہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ کبھی جھوٹ اس کا ثابت نہ ہوا اعلیٰ درجے کے جھوٹے کی نسبت بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جھوٹ کبھی ثابت نہ ہو سکا یعنی کمال درجے کا چالاک اور بے باک ہے کہ باوجودیکہ عمر بھر جھوٹ کہا مگر اس کو ثابت ہونے نہ دیا اسی وجہ سے کتب رجال میں توثیق کے محل میں یہ لکھتے ہیں کہ **فلان صدوق عدل لیس بکاذب** وغیرہ جس سے جھوٹا نہ ہونا بتصریح معلوم ہوتا ہے۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ راوی منفرد ہے کوئی اس کا متابع نہیں اور روایت کی یہ کیفیت کہ ایک شخص مجذوب کا کلام جس کو خود خبر نہیں کہ بڑھ میں کیا کہہ رہا ہوں پھر اس حدیث کا مضمون کیسا کہ عیسیٰ قرآن میں غلطیاں نکالے گا عجیب قسم کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے محدثین کے یہاں سلسلۃ الذہب مشہور ہے معلوم نہیں کہ اس سلسلے کو اگر وہ دیکھیں تو کیا کہیں گے۔

اس روایت کے بعد ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ مکاشفہ مذکورہ بالا کے مؤید ایک رؤیائے صالحہ ذیل میں بیان کی جاتی ہے جس کو ایک بزرگ محمد نام خاص مکے کے رہنے والے عربی مکی نے دیکھا ہے کہ میں مشرق کی طرف کیا دیکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر آیا پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ **ان شاء اللہ** عیسیٰ علیہ السلام میری زندگی میں اتر آئیگا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا انتہی۔ یہ بزرگ علم سے بے بہرہ تھے عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھتے ہی سچ مچ عیسیٰ سمجھ لیا اور یہ خیال جما لیا کہ عیسیٰ اپنی زندگی میں اترے گا۔ یہ تو مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ "صدہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیز نظر آتی ہے اور دراصل اس سے مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے انتہی۔" حضرت یوسف علیہ السلام کو جو تعبیر کا علم دیا گیا تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے وہ تعبیر نہیں ہوتی۔ چنانچہ بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا کہ دبلی گائیوں نے موٹی گائیوں کو کھا لیا اس کی تعبیر قحط سالی دی گئی جس سے ظاہر ہے کہ سنین قحط گایوں کی شکل

میں دکھلائے گئے تھے جن میں نہ صورتاً مماثلت ہے نہ اسماً۔ اسی طرح تعبیر کی معتبر کتابوں میں مصرح ہے کہ جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھے وہ دور و دراز کا سفر کرے گا یا طبیب بنے گا یا اطاعت کی اس کو توفیق ہوگی۔ تعجب نہیں کہ اس خواب کے بعد مکی صاحب نے مرزا صاحب کی زیارت کے شوق میں ہندوستان کے سفر دور دراز کی مشقت گوارہ کی ہو۔ جس سے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی ہوگی۔ غرض کہ اس خواب کی تعبیر کو نہ عیسیٰ سے تعلق ہے نہ مثیل عیسیٰ سے۔ اگر یورپ کا سفر بھی انہوں نے کیا ہو تو جب بھی تعبیر پوری ہوگئی۔ بہر اول تو وہ خواب اور وہ بھی ایک مجہول اور جاہل شخص کا جس کو تعبیر کا علم نہیں۔ پھر تعبیر اس کی حسب تصریح، کتب فن ایسی کہ جس کو مرزا صاحب کے مقصود سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر وہ وثوق کہ اپنے عیسیٰ موعود ہونے پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہزار ہا کتب تفسیر و حدیث سے جو ثابت ہے وہ تو بالائے طاق رکھا رہے اور ایسی روایتوں کی بنیاد پر مرزا صاحب کا نیا کارخانہ قائم ہو جائے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی بجز اس کے کہ آخری زمانے کا مقتضیٰ کہا جائے۔

اور ازالۃ الاوہام ۷۰۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد یعقوب صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مرحوم سے میں نے سنا ہے کہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائینگے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت کون کون موجود تھے مگر میاں عبد اللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرے کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے انتہیٰ۔ اس روایت کے راوی فقط یعقوب صاحب ہیں اور جس طرح کریم بخش کی توثیق کی گئی تھی ان کی نہیں کی گئی اور روایت جو غزنوی صاحب سے ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس غیب کی خبر کسی نے دی تھی یا مرزا صاحب کی جودت طبع کو دیکھ کر اپنا قیاس انہوں

نے ظاہر کیا تھا۔ پھر عظیم الشان کام کی تعیین بھی نہیں اور نہ لغت یا عرف میں اس کے معنی عیسویت کے ہیں۔ غور کرنے کی جگہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عیسیٰ علیہ السلام کی تعیین ان متعدد الفاظ سے فرمارہے ہیں کہ وہ کسی دوسرے پر ہرگز صادق نہیں آسکتے یعنی عیسیٰ ابن مریم روح اللہ مسیح آسمان سے اتریں گے وہ تو قابل اعتبار نہ ہو اور غزنوی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ مرزا صاحب ایک عظیم الشان کام کے مامور ہوں گے۔ عیسیٰ موعود ہونے کے لئے کافی ہو جائے کس قدر جراءت و بیباکی کی بات ہے۔ جس کے دل میں نبی کریم ﷺ کی معمولی عظمت بھی ہو اس سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اب اہل انصاف سے ہم پوچھتے ہیں کہ جتنا وثوق واعتماد مرزا صاحب کو الٰہی بخش اور یعقوب صاحب اور بوٹا اور کنہیا لال اور روشن لال اور کنیشا مل پر ہے کیا مسلمانوں کو امام مسلم ونسائی وغیرہ محدثین اور ان کے اساتذہ پر اتنا بھی نہ ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب تو ان لوگوں کی روایت اپنے استدلال میں پیش کریں اور ان کی امت اس کو مان لیں اور اہل اسلام اکابر محدثین کی روایتیں پیش کریں اور وہ قابل وثوق نہ سمجھی جائیں۔ ہمیں مرزائیوں سے شکایت نہیں ان کو ضرور ہے کہ اپنے مقتدا کی بات مان لیں کیونکہ ہر فرقے والے کا یہی فرض منصبی ہے۔ اگر شکایت ہے تو مسلمانوں سے ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی بات نہ مان کر مرزا صاحب کی طرف مائل ہوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ لاکھ سے زیادہ مسلمان مرزائی ہو گئے اور برابر ہوئے جاتے ہیں جس سے ان کو یہ لازم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ہم خیال ہو کر احادیث کو قابل اعتبار نہ سمجھیں۔ مسلمانوں کو نصاریٰ وغیرہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اپنے دین کی روایتوں پر وہ کس قدر وثوق رکھتے ہیں کہ کسی کی تشکیک وجرح کا ان پر اثر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں بہت کچھ لکھا مگر کسی نے اس کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور بہت سے مسلمان ازالۃ الاوہام کو دیکھ کر اپنے اعتقادوں

سے پھر گئے۔ اگر پہلے ہی سے وہ لوگ برائے نام مسلمان تھے جن پر مرزا صاحب کا افسوں کارگر ہوگیا تو ہمیں ان میں بھی کلام نہیں ایسے لوگوں کا دین اسلام سے خارج ہو جانا ہی اچھا ہے۔ ہمارا روئے سخن ان حضرات کی طرف ہے جو لاعلمی سے مرزائی دین اختیار کر لئے ہیں ان کو چاہیے کہ ان امور پر اطلاع ہونے کے بعد توبہ کر کے تجدید اسلام کریں۔ **وما علینا الا البلاغ**۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۶ میں لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ اور چوہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں انتہیٰ۔ ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے احادیث میں رخنہ اندازی کی کیسی کیسی تدبیریں نکالیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ راویوں نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کے پہنچانے میں خطا کی ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں **والظن لا یغنی من الحق شیئاً**۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ جو حدیث بخاری میں نہ ہو وہ ضعیف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

بخاری شریف میں کئی قسم کی حدیثیں مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے افعال واقوال، صحابہ کے اقوال وافعال اور تابعین وغیرہم کے افعال واقوال۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال کی حدیثیں بحذف مکررات اگر اس میں دیکھی جائیں تو دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہونگی۔ حالانکہ محدثین کی تصریح اور عقل کی رو سے اگر دیکھا جائے تو تئیس (۲۳) سال کی مدت نبوت میں لاکھوں باتیں آپ ﷺ نے کی ہونگی جو کل حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب نے سوائے ان دو تین ہزار حدیثوں کے جو بخاری میں ہیں سب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ پھر بخاری کی حدیثوں میں بھی یہ احتمال کہ راویوں نے خطا کی ہوگی اور معراج کی حدیثیں باوجودیکہ بخاری میں موجود ہیں عقلی احتمالات سے سب کو رد کر دیا اور تمام حدیثوں میں یہ

کلام کہ اگر وہ صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہونگی **و الظن لایغنی من الحق شیئًا**۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے احادیث میں کیسے کیسے رخنے ڈال دیئے اور ان کے مخالفین کو بھی دیکھ لیجئے کہ ان کا کیا دعویٰ ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ معجزات، معراج، علامات قیامت، جسمانی حشر، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ مباحث مختلف فیہ میں جس قدر احادیث وارد ہیں وہ قابل تسلیم ہیں اور مرزا صاحب کسی کو نہیں مانتے۔ اب غور کیا جائے کہ اگر وہ چوہوں کا الہام صحیح ہے تو مرزا صاحب چوہوں کی طرح حدیثوں کو کتر رہے ہیں یا اہل سنت؟ مرزا صاحب کو الہاموں کا تو دعویٰ ہے مگر معنی نہیں سمجھتے۔

مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اس سے زیادہ تفسیروں کے وہ دشمن ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام ص ۷۲۶ میں لکھتے ہیں۔ ”کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے اور ان کے دلی اور دماغی قویٰ پر بہت بُرا اثر ان سے پڑا ہے اس زمانے میں بلاشبہ کتاب الٰہی کیلئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں، نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روش کے مزاحم ہو رہی ہیں“۔

مرزا صاحب تفسیروں پر نہایت خفا ہیں اور ان کے پہلے سر سید صاحب بھی بہت خفا تھے چنانچہ ”تہذیب الاخلاق“ وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان صاحبوں کی کوئی خصوصیت نہیں جتنے مذاہب باطلہ کے فرقے ہیں سب کا یہی حال رہا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ تفاسیر میں کل احادیث و اقوال صحابہ جو ہر آیت سے متعلق ہیں ان میں پیش نظر ہو جاتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو نئی بات تراشنے کا موقع نہیں ملتا اور اگر مل بھی گیا تو کوئی ایماندار اس کو نہیں مانتا اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہر آیت قرآنی میں جو حق تعالیٰ کی اصل مراد ہے اس کو

حضرت نبی کریم ﷺ ہی جانتے تھے اس لئے کہ قرآن حضرت ﷺ پر ہی نازل ہوا ہے اور چونکہ صحابہ ہمیشہ حاضر خدمت رہتے تھے ان کو ہر آیت کے اترنے کا موقع اور شان نزول وغیرہ کے اسباب وقرائن معلوم رہتے تھے جس سے مضمون ومقصود آیت کا خود سمجھ میں آ جاتا اور جب حضرت ﷺ پڑھ کر سناتے تو جو غوامض معلوم نہ ہوتے پوچھ لیتے تھے یا خود حضرت ﷺ بیان فرمادیتے پھر حضرت ﷺ کی مجلس مبارک میں بلکہ اس زمانے میں سوائے خدا کی باتوں کے کسی چیز کا ذکر ہی نہ تھا خواہ کوئی دنیوی کام ہو یا دینی، وقائع گزشتہ ہوں یا آئندہ۔ سب کی تعلیم حق تعالیٰ اپنے کلام پاک سے فرمادیتا اگر کوئی اعتقاد یا عمل کسی کا خلاف مرضی الٰہی ہوتا تو فوراً وحی اتر آتی۔ چنانچہ صحابہ کہتے ہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف رکھتے تھے ہم اپنی بی بیوں سے مباشرت کرنے سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسی بے موقع کوئی بات صادر نہ ہو جس کے باب میں وحی اتر آئے اور قیامت تک مسلمانوں میں اس کا ذکر ہوتا رہے۔ الغرض علاوہ فہم قرآن کے ان کے حرکات سکنات اعمال، اخلاق، اعتقادات، نیات کل مطابق قرآن شریف کے ہو گئے تھے اور فیضان صحبت نبوی اور روزمرہ کی مزاولت اور ممارست کی وجہ سے ان کو مضامین قرآنیہ کا ملکہ ہو گیا تھا اور ان کے سینے نور وحی سے منور تھے ان کے دلوں میں قرآن ایسا سرایت کئے ہوئے تھا جیسے روح جسد میں۔ الحاصل مختلف اسباب اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ اصل معانی قرآن کا علم صحابہ کو بخوبی حاصل تھا اور چونکہ تفسیر بالرائے کو وہ کفر سمجھتے تھے اس وجہ سے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ جن آیات کی تفسیریں صحابہ سے مروی ہیں وہی حق تعالیٰ کی مراد ہیں اس کے خلاف کوئی ہندی پنجابی وغیرہ قرآن کی تفسیر کرے تو وہ خدائے تعالیٰ کی ہرگز مراد نہیں۔ پھر صحابہ کا کمال علم اور جوش طبیعت اور ترغیب ابلاغ اور ترہیب کتمان علم وغیرہ اسباب کا مقتضا یہی تھا کہ اسلامی دنیا آفتاب علم سے مثل نصف النہار روشن ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جہاں تک

اسلام کی روشنی پھیلتی گئی اس کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی روشنی بھی پھیلتی جاتی تھی۔ تابعین صحابہ کے علوم سے مالا مال تھے اور ان کے علوم سے تبع تابعین، وعلیٰ ہذا القیاس۔ انہیں حضرات نے ان تمام علوم کو اپنی مفید تصانیف میں درج کر دیا جن کی بدولت آج ہم آخری زمانے والے بھی اپنے نبی ﷺ کی صحبت معنوی سے محروم نہیں۔

ان حضرات کے جس قول کو دیکھئے ہزاروں تفاسیر وغیرہ کتب دینیہ میں موجود ہے مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی قول کسی آیت سے متعلق دیکھا جائے تو ہزاروں کتابوں میں بعینہ وہ قول یا اس کا مضمون مل سکتا ہے اسی طرح صحابہ کرام کے کل اقوال اور احادیث ہزاروں کتابوں میں ملتی ہیں جس سے بتواتر ان کا ثبوت ظاہر ہے۔ گو ابتداء میں یہ تواتر نہ تھا مگر جب متدین اور معتمد علیہ اشخاص نے اپنی کتابوں میں ان احادیث و آثار کو ذکر کیا تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ ان کو اس کے ثبوت کا یقین ضرور تھا پھر جب ہزاروں معتمد علیہ علماء کا یقین ان روایات کے ثبوت پر ہم تک پہنچا تو ہمیں ان کے ثبوت میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں جب تک یقینی طور پر ان کا غلط ہونا یا من جمیع الوجوہ نصوص قطعیہ کا معارض ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا مناظرہ مسئلہ عرض الحدیث علی القرآن میں جو ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کسی معتبر عالم کا کتاب میں لکھ دینا مرزا صاحب اعتماد کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام ص ۸۷۲ میں لکھتے ہیں کہ "صاحب تلویح" نے لکھا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث علی القرآن بخاری میں موجود ہے اب اس کے مقابلے میں یہ عذر پیش کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں سراسر ناسمجھی کا خیال ہے جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے تو صاحب تلویح کی شہادت بالکل نکمی نہیں ہو سکتی۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے اگر صاحب

تلویح کا ذب ہوتا تو اسی زمانے کے علماء کی زبان سے اس کی تشنیع کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اس کی روایت صحیح تھی انتہی ملخصاً۔ مقصود یہ کہ وہ حدیث گو اب بخاری میں نہ پائی جائے۔ مگر جب صاحب تلویح نے صحیح بخاری سے نقل کی ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ بخاری میں ضرور ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک جماعت کثیرہ ایسے علماء کی جن کے سلسلہ تلامذہ میں صاحب تلویح جیسے ہزاروں افراد منسلک ہیں۔ احادیث و آثار کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو ان کی اس شہادت کے مقابلے میں اگر کوئی دعویٰ نفی کرے تو کیونکر وہ قابل قبول ہوگا۔ اگر ان کی بات غلط ہوتی تو اسی زمانے کے علماء ان کی تشنیع کرتے اور جبکہ کسی نے ان پر تشنیع نہیں کی تو اب مرزا صاحب کا ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۵ے میں یہ لکھنا کہ لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ خود انہی کے قول پر ہرگز قابل سماعت نہیں ہوسکتا۔ الغرض ہر آیت کی تفسیر احادیث و آثار سے جب ہمیں بہ تواتر پہنچے اور یقین ہو گیا کہ وہی معنی حق تعالیٰ کی مراد ہیں تو ایمان داروں کا ایمان اس بات کو کیونکر گوارا کرے گا کہ کسی کے دل سے گھڑے ہوئے معنی کو مان کر عذاب اخروی کا مستحق بنے کیونکہ جو معنی خلاف ان تفاسیر کے ہیں وہ قرآن کے معنی ہی نہیں۔ اس معنی کو مان کر قرآن کے اصلی معنی پر ایمان نہ لانا قرآن کے ایک حصے کو چھوڑ دینا ہے جس کی نسبت سخت وعید وارد ہے **کما قال تعالیٰ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**

ترجمہ: کیا تم ایمان لاتے ہو تھوڑی کتاب پر اور منکر ہوتے ہو تھوڑی کتاب سے پھر جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اس کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں اس کی رسوائی ہو اور اس کو قیامت کے روز سخت سے سخت عذاب میں پہنچایا جائے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔ اب دیکھئے کہ

پورے قرآن پر ایمان لانے کی بجز اس کے اور کونسی صورت ہے کہ ہر آیت کے جو معنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے مروی ہیں اس پر ایمان لائیں اور یہ بات بغیر کتب تفاسیر کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں کتب تفاسیر کی مسلمانوں میں کس قدر وقعت ہونی چاہیے اور حضرات مفسرین کے کس قدر شکر گزار ہونا چاہیے کہ قرآن کے اصلی معنی کی حفاظت کر کے مسلمانوں کو کیسی کیسی بلاؤں سے نجات دی، بے ایمانی سے بچالیا، خودغرضوں کے داؤ پیچ سے امن میں رہنے کے لئے ایک مضبوط حصار کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے معنی میں کوئی شبہ ڈالے تو حدیث سے اس کو صاف کرا لو کیونکہ اصحاب حدیث جو مفسرین قرآن ہیں ان کو خوب جانتے ہیں چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں دارمی سے یہ روایت نقل کی ہے **اخرج الدارمی عن عمر بن الخطاب قال انه سیاتیکم ناس یجادلونکم بشبهات القران فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب الله**۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑا کریں گے سو ان کو حدیثوں سے الزام دو۔ اس لئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں انتہی۔ مفسرین نے یہی کام کیا کہ ہر آیت سے متعلق جو احادیث و آثار صحابہ ہیں سب کو ایک جگہ جمع کر دیا تا کہ اہل شبہات کو الزام دینے کا سامان اور سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے جس سے مرزا صاحب سخت ناراض ہیں۔ دراصل یہ حق تعالیٰ کا فضل اور اس وعدے کا ایفا ہے جو اپنی کتاب مجید کی ہر طرح حفاظت کا ذمہ لیا ہے، **کما قال تعالٰی اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ** یعنی ہم نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اب دیکھئے کہ اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو وہ معنی جو حق تعالیٰ کی مراد ہیں کیونکر محفوظ رہتے اور ہزاروں بے دین اور دجال جن کے نکلنے کی خبریں آنحضرت ﷺ نے بار بار دی ہیں جو شبہات پیدا کر کے اپنے دل سے نئے نئے

معنی گھڑ لیتے ان سے بچنے کی کیا صورت ہوتی اور کونسی تدبیر قرآن کے اصلی معنی سمجھنے کی تھی جس کی نسبت ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی قرآن ہم نے عربی میں اتارا تاکہ تم سمجھو۔ غرض مفسرین من جانب اللہ اس کام پر مامور ہوئے کہ قرآن کے نظم و معنی کی پوری پوری حفاظت کریں اور باطل اس میں کسی طرف سے آنے نہ پائے جیسا کہ ارشاد ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ یعنی قرآن میں نہ روبرو سے باطل آسکتا ہے، نہ پیچھے سے۔ اگر تفاسیر نہ ہوتیں تو علاوہ دوسرے ملاحدہ کے خیالات کے جو سینکڑوں اب تک گزرے ہیں مسمریزم وغیرہ خرافات بھی قرآن میں داخل ہوجاتے ہر چند لوگ بہت چاہتے ہیں کہ قرآن میں تغیر و تبدل کردیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: يُرِيدُونَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ یعنی چاہتے ہیں وہ کہ قرآن کو بدل دیں۔ مگر کسی سے کیا ہوسکتا ہے تفاسیر نے اس سے سب کو روک دیا اور جب تک حق تعالیٰ کو منظور ہے ایسا ہی روکتی رہیں گی۔ اہل انصاف غور کریں کہ جو لوگ تفسیریں اپنے دل سے گھڑ کے پیش کرتے ہیں کیا ان کی نسبت یہ حسن ظن ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصود تو علانیہ یہی ہے کہ کلام الٰہی کو بدل کر ان کو بے ایمان بنادیں۔ اس دعویٰ کی توضیح اس سے بخوبی ہوسکتی ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ یعنی مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر کوئی اس کے یہ معنی سمجھے گا کہ میتة اور دم اور لحم خنزیر چند آدمیوں کے نام تھے ان کی حرمت کا حکم اس آیت میں ہے اور یہ کہے کہ مردار اور خون اور گوشت خنزیر سے اس کو کوئی تعلق نہیں یہ سب چیزیں حلال ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اس اعتقاد والے کو یہ سمجھے گا کہ اس کا ایمان اس آیت پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا شخص بے ایمان کس وجہ سے سمجھا جائیگا۔ اسی وجہ سے گو وہ قسم کھا کر کہے کہ میں اس آیت کو کلام الٰہی سمجھتا ہوں کہ اس نے

مخالفت ایسے معنی کی کی جو احادیث اور اقوال صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ورنہ ان الفاظ کے معانی قرآن میں کہیں نہیں جن کی مخالفت کا الزام اس پر لگایا جائے غرض یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جو معانی قرآن کی تفاسیر میں مذکور ہیں وہی ایمان لانے کے قابل ہیں اور جو معنی اس کے خلاف میں کوئی اپنی طرف سے تراش لے اس کو قبول کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ابو منصور نے اپنی جماعت کو سمجھا دیا تھا کہ **میتۃ** وغیرہ کسی کے نام تھے انہیں کی حرمت تھی مردار اور خنزیر کے گوشت سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں وہ سب چیزیں حلال ہیں اور فرقہ منصوریہ کا یہی اعتقاد ہے۔ مسلمانو! اگر تم کو خدا اور رسول کی مراد پر ایمان لانا ہے تو اپنے اسلاف کی تفسیروں کو اپنا مقتدیٰ بنا رکھو ورنہ ابو منصور کی طرح جس کا جو جی چاہے گا کہہ کر گمراہ کر دیگا اور تم کچھ نہ سمجھ سکو گے کہ ہم کون سی راہ پر چل رہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ جو شخص چند آیتوں میں کسی غرض ذاتی کی وجہ سے تصرف کر کے ان کے معنی بدل ڈالے اور دوسری آیتوں کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان میں تصرف نہ کرے تو وہ اتفاقی سمجھا جائے گا کیونکہ چند آیتوں کے معنی بدل دینا اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اس کی طبیعت میں بے باکی اور جراءت ہے جب کبھی کسی آیت میں تصرف کرنے کی ضرورت ہوگی تو فوراً تصرف کرے گا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ عدم تصرف بھی تصرف ہی کے حکم میں ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ چند منافق باوجود حکم کے آنحضرت ﷺ کی ہمراہی میں نہ نکلے ان کی نسبت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ آئندہ ہمراہی کی درخواست بھی کریں تو فرما دیجئے کہ تم لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے۔ **کما قال تعالیٰ: فان رجعک اللّٰہ الی طائفۃ منھم فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا** وجہ اس کی یہی ہے کہ جب ایک بار ان کی بے باکی معلوم ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے ان کا عدم امتثال ثابت ہو گیا اب وہ کتنا ہی

کہیں کہ ہم ہمراہ رکاب چلنے کو حاضر ہیں ہرگز اعتبار کے لائق نہیں ہو سکتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا حالانکہ نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کے قائل اور عامل تھے مگر ان کا کچھ اعتبار نہ کیا اور صاف ان کے ارتداد کا حکم دے دیا۔

مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت کی غرض سے کئی ایک آیتوں کے معنی بدل دیئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی ان شآء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ تو اب ان کی وہ تفسیر کیونکر قابل اعتبار ہو سکتی ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں کہ بلاشبہ کتاب الٰہی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے اور لکھتے ہیں کہ کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو خراب کیا ہے۔ اس نئی تفسیر میں احادیث واقوال صحابہ وغیرہم سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اگر یہ پرانی چیزیں بھی اس میں مذکور ہوں تو جدت پسند طبائع اس کو قبول نہ کریں گے اور پھر وہ نئی ہی کیا ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ وہ تفسیر صرف ان کی رائے سے ہوگی جس کی ممانعت ہے اور مرزا صاحب بھی تفسیر بالرائے کو کفر بتاتے ہیں اور اگر تھوڑے احادیث واقوال لکھے جائیں اور تھوڑے نہ لکھے جائیں تو وہ ترجیح بلا مرجح ہوگی پھر مرجح یہ ہوگا کہ مرزا صاحب اپنی اغراض کو پوری کرنے کے لئے جن احادیث واقوال کو مناسب سمجھیں گے ذکر کریں گے اور جن کو مخالف سمجھیں گے ان کو عقل کے خلاف قرار دے کر رد کر دینگے اور آیت کو تاویل کر کے اپنی طرف کھینچ لیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام الٰہی مرزا صاحب کی غرض کے پیچھے پیچھے رہے (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔ یہ نئی تفسیر جو اکثر احادیث وآثار کے خلاف میں ہوگی مسلمانوں کے کس کام آسکتی ہے اس کا تو منشا یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کی تفسیر کی ہے وہ غلط ہے اس لئے اس نئی تفسیر کی ضرورت ہوئی پھر کیا مسلمان لوگ یہ مان لیں گے کہ اپنے نبی کی بات غلط ہے

اور اگر مان لیں گے تو کیا پھر یہ دعویٰ بھی کریں گے کہ ہم امت محمدیہ میں ہیں۔ میری رائے میں کوئی مسلمان کتنا ہی گناہگار رہو تا بھی ضعیف الاعتقاد نہ ہوگا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ احادیث و آثار کو ساقط الاعتبار کر کے صرف قرآن پر اپنے دعاوی کا مدار رکھتے ہیں اور اس کے معنی جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں بدل دیا کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلاَمَ اللّٰهِ** یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں اور جب قرآن ہی بدل دیا جائے اور احادیث متروک ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ دین ہی بدل دیا گیا کیونکہ دین وہی ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا تھا ایسے لوگوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَفَغَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ** یعنی کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں وہ۔ اور دوسرے دین کی خواہش کرنے والوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے قولہ تعالیٰ: **وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلاَمِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَo كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْآ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِى الْقَوْمَ الظَّالِمِيْنَ o اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَo خَالِدِيْنَ فِيْهَا لاَ يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلاَ هُمْ يُنْظَرُوْنَ** ترجمہ: جو کوئی سوائے اسلام کے اور دین چاہے سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ لوگ آخرت میں نقصان پائیں گے۔ کیونکر ہدایت کریگا اللہ ایسے لوگوں کو جو منکر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دی کہ رسول سچا ہے اور پہنچ چکیں ان کو نشانیاں اور اللہ ہدایت نہیں کرتا بے انصاف لوگوں کو ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔ پڑے رہیں گے اس میں ہلکا نہ ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی انتہی۔ اس آیہ شریفہ میں سزائیں خاص ان لوگوں کی ہیں جو مسلمان کہلا کر دوسرا دین اختیار کرتے ہیں

رسول اللہ ﷺ کے برحق ہونے کی بھی گواہی دیتے ہیں یہ بات برابر ان لوگوں پر صادق آتی ہے کہ قرآن کے معنی اپنی طرف سے بنا کر نیا دین نکالتے ہیں۔ الحاصل ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ کتب تفاسیر کو چھوڑنے میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے صرف **الدین النصیحۃ** کے لحاظ سے یہ کہنے کی ضرورت ہوئی۔ **وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔**

پہلا حملہ حدیث وتفسیر ہی پر تھا جتنے ملاحدہ گذرے ہیں سب کا حملہ تفاسیر پر ہوا۔ ہر ایک مسئلہ ان کتابوں میں مختلف روایات سے وارد ہونے کی وجہ سے ایسا مصرح اور مفصل ہو جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بات بنانے کا موقع نہیں مل سکتا بخلاف اس کے ان کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک ہونے لگے تو ہر ایک کو تاویلات کی خوب گنجائش مل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نمازوں کی تعیین اور تعداد رکعات وغیرہ میں کمی وزیادتی کی گنجائش ان لوگوں کو مل گئی تھی۔ اگر احادیث وتفاسیر پر ان کے اتباع کا اعتماد ہوتا تو اس کا موقع ہی نہ ملتا۔

حق تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا ہے گو مفصل ہے مگر پھر بھی سب میں ایک قسم کا اجمال ہے جس کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور کل امور قرآن شریف میں بالتفصیل بیان کئے جاتے تو **مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ** یعنی جو کچھ رسول تم کو دیں اس کو لو، فرمانے کی ضرورت ہی نہ رہتی اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں روایت کی ہے **واخرج ابن ابی حاتم من طریق مالک ابن انس عن ربیعۃ قال ان اللہ تبارک و تعالٰی انزل الکتاب وترک فیہ موضعا للسنۃ** یعنی حق تعالیٰ نے قرآن تو نازل فرمایا مگر حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ حدیث و تفسیر سے مخالفت کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کو ان کے معنی سے ہٹا کر دوسرے معنی پر منطبق کر دیں اس کا نام الحاد ہے۔ کیونکہ معنی الحاد کے لغت میں مائل

ہونے اور مائل کرنے اور حق سے عدول کرنے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں مصرح ہے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں روایت کی ہے **اخرج ابن ابی حاتم عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قولہ تعالٰی ان الذین یلحدون فی ایاتنا قال ھو ان یوضع الکلام علی غیر موضع۔** یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما **ان الذین یلحدون** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ الحاد کے معنی یہ ہیں کہ کلام کے اصلی معنی کو چھوڑ کر دوسرے معنی لئے جائیں اور نیز درمنثور میں ہے: **واخرج احمد** رحمۃ اللہ علیہ **فی الزھد عن عمر بن الخطاب** رضی اللہ عنہ **قال ان ھذا القرآن کلام اللّٰہ فضعوہ علی مواضعہ ولا تتبعوا فیہ اھواء کم** یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے اس کو اس کے مواضع اور معانی پر رہنے دو اور اپنی خواہشوں کو اس میں دخل مت دو انتہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے معنی لینے میں اصلی معنی کی تکذیب ہو جاتی ہے چنانچہ درمنثور میں ہے: **واخرج عبدالرزاق وعبد بن حمید عن قتادۃ** رضی اللہ عنہ **قال الالحاد التکذیب.** اب دیکھئے کہ حق تعالٰی عیسٰی علیہ السلام کی شان میں فرماتا ہے: **یحی الموتٰی باذن اللّٰہ** لغت میں احیاء کے معنی زندہ کرنے کے ہیں اور احادیث وآثار سے بھی وہی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ مسمریزم سے قریب الموت بیماروں کو حرکت دیتے تھے صرف یہ ایک ہی نہیں ہر جگہ وہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان تمام روایات وآیات سے ثابت ہے کہ ایسے معنی آیہ شریفہ کے قرار دینا الحاد اور تکذیب قرآن ہے جس کی نسبت حق تعالٰی فرماتا ہے۔ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ** ترجمہ: جو الحاد کرتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے کیا جو ڈالا جائیگا دوزخ میں بہتر ہے یا وہ جو آئیگا امن سے قیامت کے دن۔ یعنی الحاد کرنے والے خدائے تعالٰی سے چھپ نہیں سکتے وہ قیامت کے روز دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

ہم صرف بلحاظ خیر خواہی کے آیات و احادیث کو پیش کر رہے ہیں۔ اس پر بھی اگر توجہ نہ فرمائیں تو مجبوری ہے۔ **وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ**۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيَاتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ** ترجمہ: اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس کو آیات اس کے رب کی یاد دلائی جائیں تو ان سے منہ پھیر لیتا ہے ہم گنہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں۔ الحاصل آیات قرآنیہ کے نئے معنی تراشنا ایک قسم کی تحریف وتبدیل ہے جس کی نسبت سخت وعیدیں وارد ہیں اور اس تحریف کی حفاظت صرف کتب تفسیر سے متعلق ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب بھی براہین احمدیہ ص ۲۱۰ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیم کا محرف ومبدل ہونا اس لئے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ ہے لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں ہزار ہا اس کی تفسیریں ہیں۔

مرزا صاحب کے تدین وانصاف سے توقع ہے کہ ہرگز اعراض نہ فرمائیں گے۔

اہل بصیرت پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ آیات قرآنی میں الحاد کرتے ہیں ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ جھگڑا کر کے اپنے تراشے ہوئے معنی کو ثابت کریں اور معنی حقیقی کو باطل کر دیں یہ کس قدر دیانت کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ** ترجمہ: اور مجادلہ کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تاکہ ناچیز کر دیں حق کو پھر میں نے پکڑ لیا ان کو تو میرا عذاب کیسا تھا۔ اور درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے: **عن ابی هريرة** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول الله** صلی اللہ علیہ وسلم **ا ن جدالا فی القران کفر** یعنی قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ حق تعالیٰ اس بلا سے سب مسلمانوں کو بچائے اور پورے قرآن پر ایمان نصیب کرے۔

اب مرزا صاحب کے دلائل سنیے جو اپنی رسالت عیسویت پر قائم کرتے ہیں۔ یہ امر کسی مسلمان پر پوشیدہ نہیں کہ رسالت اور نبوت کا درجہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تمام

مدارج سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور جن بندگان خاص کو حق تعالیٰ نے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا ہے ان کو اپنے فضل و کرم سے گناہوں سے محفوظ رکھ کر خلق میں ایسا نیک نام اور نیک رویہ رکھا کہ کوئی ان کو دیکھنے کے بعد کسی قسم کے رذائل کا الزام ان پر نہ لگا سکا جو لوگوں کی نگاہ میں ان کو ذلیل و خفیف کرنے والے ہوں مثلاً یہ کسی نبی کی نسبت الزام نہیں لگایا گیا کہ دغاباز، جھوٹا، بدمعاش، مال مردم خوار وغیرہ ہے۔ یوں تو جتنے رذائل اور بدنما افعال ہیں سب سے انبیاء معصوم اور محفوظ تھے لیکن زیادہ تر اہتمام اس کا رہا کہ مال مردم خور ہونے کا الزام نہ آنے پائے کیونکہ یہ ایسی بری صفت ہے کہ بالطبع آدمی کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور ایسے آدمی کو کوئی اپنے پاس آنے نہیں دیتا اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ پر اور آپ کے اہل بیت پر صدقہ اور زکوٰۃ پہلے ہی حرام فرما دیا اس کے بعد عام حکم ہو گیا کہ ہر مسلمان جس کے پاس تھوڑا بھی مال ہو وہ صدقہ اور ضرورت سے کسی قدر زائد ہو تو وہ زکوٰۃ دیا کرے۔ ایسی حالت میں حضرت ﷺ کو لوگوں کا مال عمومی مصالح کے لئے لینے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہا اسی وجہ سے خود بنفس نفیس صدقے مانگ لیتے اور فقرا اہل اسلام و یتامیٰ وغیرہ کے مصالح میں تقسیم فرما دیتے اور کسی کو اس وہم کا موقع ہی نہ ملتا کہ وہ رقم حضرت ﷺ اپنے ذاتی اغراض میں صرف کرنے کے لئے وصول فرماتے ہوں گے اور حالت ظاہری بھی اسی کو ثابت کرتی تھی کہ حضرت ﷺ کو اس مال سے کوئی ذاتی تعلق نہیں کیونکہ فقر و فاقہ کی یہ کیفیت رہا کرتی تھی کہ دو دو مہینے چولہا نہیں سلگتا تھا صرف چھوہاروں کے چند دانوں پر اوقات بسری ہوتی اور صدقات وغیرہ کا جس قدر مال آتا فقراء وغیرہ میں صرف ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وفات شریف کے وقت کسی قسم کا مال و اسباب و مکان عالیشان ورثہ کے لئے نہیں چھوڑا۔ ان تمام مشاہدات کے بعد کیا ممکن ہے کہ کسی قسم کی بدگمانی ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ اگر مرزا صاحب کو نبوت اور رسالت خدا کی طرف سے ملتی تو خدائے تعالیٰ

ان کو بھی بدنما الزاموں سے محفوظ رکھتا مگر ایسا نہ ہوا جیسا کہ ان کی کاروائیوں سے ظاہر ہے۔

مولوی الٰہی بخش صاحب جو مرزا صاحب کے قدیم دوست اور سالہا سال ان کے رفیق رہے جن کو مرزا صاحب نے متقی اور پرہیزگار فرمایا ہے وہ اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں مرزا صاحب کا حال لکھتے ہیں کہ وہ کیوڑا بید مشک کی سی وزنی گاگریں [1] مسافت دور دراز سے بصرف زر کثیر منگوا کر استعمال فرماتے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں لگی رہتی ہیں اور برف ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ مرغی، انڈا، مشک، پلاؤ، زردہ، پشمینہ، قالین، لحاف وغیرہ میں مستغرق اور منہمک ہیں اور بادشاہوں کی طرح جائداد وزیور، باغات، محل، مکانات، مقبرے، منار گھنٹہ گھر (کلاک ٹاور) اور منار روشنی (لائٹ ٹاور) وغیرہ غریبوں کے مال سے ہزارہا روپیہ خرچ کر کے اپنی تفریح اور یادگار بناتے ہیں۔ صرف ایک یادگاری منارۃ المسیح جس میں گھڑی جنگل میں وقت بتانے کو اور لالٹین روشنی جانے کو لگائی جائیگی تعمیر کرنے کے واسطے دس ہزار روپے چندے کے لئے اشتہارات شائع کئے گئے یہ ترفہ اور فارغ البالی اور عیش وعشرت عموماً امراء کو بھی نصیب نہیں یہ سب عقلی نبوت کا طفیل ہے جس کا حال ہم نے ابتدائے کتاب میں لکھا ہے۔ جب عقلی معجزات مرزا صاحب صدہا تراشتے ہیں تو غور کیا جائے کہ خاص مال فراہم کرنے کی تدابیر کس قدر سوجھتی ہوں گی۔

عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب تصویریں اپنی اور اپنے اہل بیت کی اور خاص جماعت کی اقسام اقسام کی اترواتے ہیں اور اخباروں میں ان کی اشاعت اور خریداری کی ترغیب وتحریص ہوا کرتی ہے۔ جس سے لاکھوں کی آمدنی متصور ہے۔ اس کے سوا ماہواری چندے اقسام کے مقرر ہیں جن کا کچھ حال اوپر معلوم ہوا۔ اسکے سوا صاحب

---

[1] گاگر اسم مونث: لوہے یا تانبے کا نیڑا جس میں پانی گرم کرتے ہیں۔ پانی کا گھڑا۔ ۱۲ محمد وزیر۔

عصائے موسیٰ نے اپنی ذاتی معلومات جو اس میں لکھے ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲۶ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب غور فرمائیں کہ **وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ** میں جو روپیہ سراج منیر کا چودہ سو روپے کی لاگت والی براہین کی قیمت میں آیا اس کو دوسری جگہ اپنی خانگی ونفسانی حاجات میں خرچ کرنا داخل ہے یا نہ۔ رسالہ سراج المنیر کے چندہ دینے والے و براہین کے خریدار کئی تو مر گئے اور بہت باقی بھی ہیں جو حسب وعدہ ہائے مرزا صاحب ہر دو کتب کے منتظر وامیدوار ہیں۔ نیز وہ روپیہ جو مرزا صاحب کے حساب میں آپ کو کہہ کر بایں غرض جمع کیا گیا تھا کہ جب رسالہ موعودہ برائے مسٹر الگزو انڈر روب امریکہ والا تیار ہوگا تو اس روپیہ سے ترجمہ کرایا جائے گا۔ سو وہ رسالہ تو وعدہ وعید میں نابود ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ روپیہ بھی خورد برد ہوا۔ پھر جو روپیہ مسجد کے واسطے جمع ہوا وہ کہاں گیا۔ براہین کی نسبت شاید یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دیدیا ہے۔ اس لئے بری الذمہ ہو گئے لیکن اس میں یہ غرض ہے کہ اولاً تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہ تھی۔ ثانیاً وہ اشتہار سب روپیہ دہندگان کے پاس کہاں بھیجا گیا ہے۔ فقط اپنے مریدین میں ہی اس کی اشاعت کافی سمجھی گئی تھی۔ ثالثاً اس اشتہار میں بھی ایسا فن حکمت و چالاکی کی کہ بیچارے مظلوم شرم ولحاظ خلق سے مطالبہ روپے کی جراءت نہ کریں اور اگر کریں بھی تو مرزا صاحب کے کسی معتبر کا سٹیفکیٹ پیش کریں۔ ایک آشنا نے مجھ سے پوچھا کہ بقیہ براہین خدا جانے کب آئے۔ میں نے جواب دیا کہ اس کی بظاہر کوئی امید نہیں کیونکہ مرزا صاحب اس کی قیمت واپس کرنے کا اشتہار دے چکے ہیں وہ بولا کہ ہم کو تو خبر ہی نہیں ہوئی بھلا اب روپیہ مل جائیگا۔ میں نے کہاہاں اگر آپ روپیہ دینے کا سرٹیفکٹ دے دیں۔ تب اس نے کہا کہ جس کی معرفت ہم نے روپیہ دے کر کتاب منگوائی ہے وہ تو مر گیا۔ فقط اسی پر دوسرے بے چارے خریداروں کا قیاس کر لینا چاہیے۔ پھر جن لوگوں نے براہین کے واسطے سینکڑوں

روپے دیئے تھے وہ اشتہاران کے پاس بھی نہیں پہنچا اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو جیسا کہ عاجز کو ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے روپیہ دہندگان کے نام روپیہ کی کتاب کھولی ہے تو اس کو قائم رکھتے اور اس کے موافق سب کو روپیہ واپس دے دیتے۔ اگر کوئی لینے سے انکار کرتا تو پھر آپ کا مال تھا۔ یا اول روپیہ دہندگان وخریداران کو حسب ضابطہ رسید بھی دی ہوتی تا کہ اس کو پیش کر کے روپیہ وصول کر سکتے۔ یہ حق العباد تھا اس کے بارے میں جس قدر سعی واہتمام ہوتا ثواب وعبادت میں داخل تھا۔ خیر یہ تو براہین کے روپیہ کا حال ہوا۔ باقی سراج المنیر ومسٹر الکزنڈر روب والے روپیہ کا کیا عذر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور بہت رقوم جو کہیں کی کہیں خرچ ہوئیں یہ سب کیوں اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ میں داخل نہیں **اذا عاھد غدر** میں جو وعدے نسبت "براہین احمدیہ" جلد اول اعلان سرورق جلد اول و دوم میں ہیں کہ ضخامت سو جزء سے زیادہ ہوگی، قیمت اول پانچ پھر دس پھر پچیس۔ اور اقرار کہ اس کی طبع میں آئندہ کبھی توقف نہیں ہوگا۔ جلد سوم کے سرورق پر فرمایا کہ اب کتاب تین سو جزء تک پہنچ گئی ہے اور اخیر صفحے پر اس کی قیمت ایک سو روپیہ قرار دے کر فرمایا کہ اگر اس کے عوض اعلےٰ تا ادنیٰ روپیہ بھی مسلمان پیشگی نہ دیں تو کام کے انجام سے خود مانع ہونگے (اس فقرہ کی تحریر سے مرزا صاحب کے اپنے رئیس اعظم صاحب جائداد ہونے اور ہزار ہا روپیوں کے اشتہارات دینے کی حقیقت وماہیت بھی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ جو کچھ ملے پیشگی ملے)۔ جلد چہارم میں آخر کار فرمادیا کہ اب اس کا متولی ظاہر وباطن رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس انداز ہ ومقدار تک اس کو پہنچا دے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام ظاہر کئے ہیں اتمام حجت کیلئے کافی ہیں زندگی کا اعتبار نہیں وغیرہ الخ۔ افسوس راستی موجب رضائے خداست پر جس کا عاجز کو الہاماً ارشاد ہوا ہے خیال کر کے یہ نہ فرمایا کہ مصالحہ اندوختہ ختم ہو چکا ہے اور جو ہم نے تین سو دلائل کا قید تحریر میں آ کر تیار ہونا

لکھا تھا غلط تھا اس لئے آئندہ تولیت سے دست بردار ہوتے ہیں اور روپیہ وصول شدہ حق العباد کی عباد اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔ پھر وعدہ رسالہ سراج منیر جس کا چودہ سو روپیہ کے صرف طبع کا اعلان ۱۳۰۲ھ سرورق ''شحنۂ حق'' پر ہوا تھا جس کے لئے کئی مقامات سے خاطر خواہ چندہ آ گیا تھا اور جس کی نسبت خاکسار نے جب مرزا صاحب انبالہ میں تشریف رکھتے تھے بذریعہ خط وعدہ خلافی کی شکایت کی تھی تو مرزا صاحب اس پر درہم برہم ہو کر خفا ہوئے تھے یہ ۱۸۸۶ء کا ذکر ہے جب ''سرمہ چشم آریہ'' چھپا تھا اور اس کے سرورق پر اس کی قیمت ۱۳ عہ عام سے اور خاص ذی استطاعت سے جو بطور امداد دیں اس شرط و وعدے پر مقرر کی کہ سراج منیر اور براہین کے لئے اس قسم سے سرمایہ جمع ہو کر اس کے بعد رسالہ سراج منیر پھر اس کے بعد پنجم حصہ براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا۔ پھر وعدہ اجرائے رسالہ ماہواری قرآنی طاقتوں کا جلوہ گاہ آخر جون ۱۸۸۷ء کی بیس تاریخ سے ماہ بماہ نکلا کریگا۔ نیز رسالہ تجدید دین یا اشعۃ القرآن پھر ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء جس کو سات برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ نشان آسمانی کے صفحہ ۴۲ اور ۴۳ میں ضروری گزارش باہمت دوستوں کی خدمت میں امداد کے لئے کی اور اس کی سرخی ''اے مرداں بکوشید و برائے حق بجوشید'' لکھ کر فرمایا کہ پختہ ارادہ و خواہش ہے کہ اس رسالہ (نشان آسمانی و شہادۃ الملہمین) کے چھپنے کے بعد رسالہ دافع الوساوس طبع کرا کر شائع کیا جائے۔ سو ''آئینہ کمالات اسلام'' کا دوسرا نام ''دافع الوساوس'' رکھ کر مرزا صاحب اس سے بری الذمہ ہو گئے اور بعد اس کے بلا توقف رسالہ ''حیات النبی و ممات المسیح'' جو یورپ و امریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائے گا شائع اور اس کے بعد بلا توقف حصہ پنجم براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام ''ضرورت قرآن'' رکھا گیا ایک مستقل کتاب کے طور پر (یہ مطلب ہے کہ اس کی قیمت علیحدہ ہوگی براہین کی قیمت دینے والے اس پر اپنا حق قائم نہ سمجھیں) چھپنا شروع ہو لیکن اس سلسلے کے قائم رکھنے کے لئے یہ احسن انتظام

خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی مقدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو بدل وجان مدد دیں۔ پھر فرمایا اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو بوجہ املاک واموال وزیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہیے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی نہیں اور زکوٰۃ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور عنقریب ہے جو منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے۔ پس فرض ہے جو اسی راہ میں اعانت اسلام میں زکوٰۃ دی جائے۔ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں اور میری تالیفات بجز ان رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں جیسے رسالہ ''احکام القرآن''، ''اربعین فی علامات المقربین'' اور ''سراج منیر'' اور ''تفسیر کتاب عزیز''۔ لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام از بس ضروری ہے اس لئے بشرط فرصت کوشش کی جائے گی کہ یہ رسائل بھی درمیان طبع ہو کر شائع ہو جائیں۔ آئندہ ہر ایک امر اللہ جل شانہ کی اختیار میں ہے۔

کیفیت جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۲۴ پر درخواست چندہ (قابل توجہ احباب) میں کہا کہ تین قسم کی جمعیت کی ہمیں سخت ضرورت ہے جس پر ہمارے کام اشاعت حقانی معارف دین کا سارا مدار ہے۔ اول دو پریس، دوم ایک خوش خط کاپی نویس، سوم کاغذات۔ ان تینوں مصارف کے لئے (مالہ صفہ ۵۰) ماہواری کا تخمینہ لگایا گیا ہے ہر ایک دوست بہت جلد بلاتوقف اس میں شریک ہو اور چندہ ہمیشہ ماہواری تاریخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہیے۔ یہ تجویز ہوئی کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری ہو اور آئندہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں الخ۔ اب مرزا صاحب نے عذرداری ٹیکس میں (صہ مالہ) سالانہ آمدنی کا جس کے (۴۳۱ صہ) سے کچھ زیادہ ماہوار ہوئی اقبال کیا ہے اور اوسط سالانہ آمدنی جو چار ہزار قبول کی ہے اس کی ماہواری بھی (سماصہ ۳۳۳) سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس کے علاوہ

مرزا صاحب کی اپنی زمین و باغ وغیرہ کی آمدنی علیحدہ ہے۔ پریس بھی کئی موجود ہیں۔ دوسری جو کتاب نکلتی ہے اس کی قیمت بھی اس قدر بڑھ کر ہوتی ہے کہ لاگت سے تگنا چوگنا منافع ہو۔ اب فرمائیں کہ یہ سب وعدے اس وعید **اذا عاهد خلف** میں کیوں داخل نہیں ہوئے۔ اور اسی عصائے موسیٰ ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب طرح طرح کے اقرار مدار وعدے کر کے روپے قیمت کتب وقبولیت دعائے عطائے فرزند وغیرہ کے نام و اعتبار پر پیشگی حاصل کر کے اپنے قبضے وتصرف میں لے آیا اور پھر وعدہ وغیرہ کو بالائے طاق رکھ کر پیچھے مریدین سے مشتہر کرا دی کہ امام وقت وخلیفۃ اللہ کو بنیوں، بقالوں، تنگ دلوں، زر پرستوں کے حساب کتاب سے کیا کام۔ روپیہ حاصل کرنے کی یہ تدبیریں ہیں دعا کی اجرت تک لی جاتی ہے اور زکوۃ جو حق فقراء ہے وہ بھی نہیں چھوڑی جاتی اور پیرایہ کس قدر خوش منظر کہ دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی نہیں۔ اس کے سوا ان کا جھوٹ کہنا داؤ پیچ، فتنہ انگیزی، خدائے تعالیٰ کی تکذیب اور اس پر افتراء، الحاد، انبیاء علیہم السلام کی تنقیص شان اور ان کو ساحر قرار دینا اور ان پر اپنی فضیلت وغیرہ امور ”عصائے موسیٰ“ میں متعدد مقامات میں ثابت کئے گئے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں بھی آگیا ہے یہ امور ایسے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا مرتکب نہیں ہوسکتا اور اگر ہوا تو مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ اب اہل ایمان غور کریں کیا ممکن ہے کہ مرزا صاحب ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں اور تقرب الٰہی اور نبوت اور عیسویت کے ساتھ بھی متصف ہوں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو مسیلمہ کذاب سے آج تک جتنے نبوت کے مدعی گزرے ہیں (معاذ اللہ) سب پر ایمان لانے کی ضرورت ہوگی حالانکہ کوئی ایماندار اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے وہ دلائل جو اپنی نبوت اور عیسویت پر پیش کرتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی مگر سرسری طور پر اگر ذکر کر لئے جائیں تو بے موقع بھی نہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ کریم بخش نے

کہا کہ گلاب شاہ مجذوب نے کہا تھا کہ ''مسیح لدھیانے میں آ کر قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔''

محمد یعقوب نے کہا کہ عبداللہ صاحب غزنوی نے کہا کہ ''مرزا صاحب عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے۔''

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ''مسیح آسمان سے اترا۔''

پیشین گوئیاں، استجابت، فصاحت و بلاغت زبان عربی، عقلی معجزات ان دلائل کا حال اوپر معلوم ہو چکا ہے، اعادہ کی حاجت نہیں۔

اب مرزا صاحب کے وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے جو ابھی معلوم ہوئی کہ کریم بخش نے گواہی دی کہ گلاب شاہ مجذوب نے خبر دی تھی کہ ''عیسیٰ جوان ہو گیا ہے اب قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔'' (سبحان اللہ عیسیٰ اور قرآن میں غلطیاں نکالنا) اور ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۲ میں ہے: ''منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہیں یہ ہے کہ مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور بطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھا لیا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو (۱۴۰۰) برس بعد تھا جو مسیح یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایسے ہی زمانے میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کا مغز اور بطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھایا گیا ہے اور وہ اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے زمانے سے اسی زمانے کے قریب قریب گزر چکا ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیانی زمانہ تھا'' انتہی۔

موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے مابین جو مدت بتلائی جا رہی ہے اس سے غرض یہ ہے کہ موسیٰ سے چودہ سو برس کے بعد عیسیٰ علیہما السلام کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی تھی اسی طرح مثیل

موسیٰ یعنی نبی کریم ﷺ سے اب تک اسی قدر مدت گزر گئی ہے اس لئے مثیل عیسیٰ بھیجا گیا یعنی خود مرزا صاحب نے مسلم شریف کی روایت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا اس وجہ سے کہ وہ بخاری میں نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور یہ روایت جو اپنی عیسویت کے استدلال میں پیش کرتے ہیں اس کا پتا تو کسی موضوعات کی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا نام ضرور لکھتے جس سے اتنا تو معلوم ہوتا کہ یہ بات مرزا صاحب کی بتائی ہوئی نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کسی حدیث کی کتاب سے یہ روایت ثابت نہیں کر سکتے اس لئے محققین نے تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک سترہ سو سولہ (۱۷۱۶) برس گزرے تھے جیسا کہ "**تنبیہ الاذکیاء فی قصص الانبیاء**" میں علامہ طاہر بن صالح جزائری نے لکھا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مرزا صاحب میں اعلیٰ درجے کی جراءت ہے کبھی کسی قسم کا خیال ان کو مانع نہیں ہوتا کہ میں نے مخالفوں کے مقابلے میں کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں اور لوگ کیا کہیں گے۔ یہ بھی مرزا صاحب کا ایک عقلی معجزہ ہے کہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو ضرور شرم مانع ہوگی جس کو مرزا صاحب **الحیاء یمنع الرزق** کا مصداق قرار دینگے۔ جب تک مرزا صاحب اپنے اس بیان کو کسی کتاب سے مدلل نہ کریں یہی سمجھا جائے گا کہ انہوں نے اس مدت کو اپنے دل سے گھڑ لیا۔

ماحصل ان کی تقریر کا یہ ہوا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں مستقل نبی اور ہمارے نبی کریم ﷺ اور مرزا دونوں کے مثیل ہیں یعنی مرزا عیسیٰ کے مثیل اور آنحضرت ﷺ موسیٰ کے مثیل کیونکہ صاف لفظوں میں حضرت ﷺ کو موسیٰ کا مثیل کہہ رہے ہیں چونکہ مرزا مثیل ہونے کی وجہ سے اپنے کو ظلی اور تبعاً نبی کہتے ہیں اسی قیاس پر آنحضرت ﷺ بھی ان کے نزدیک ظلی نبی ہوئے۔ مگر مسلمانوں کا اعتقاد ایسا نہیں وہ بحسب احادیث صحیحہ نبی کریم ﷺ

کوسید المرسلین سمجھتے ہیں جن میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام وغیرہما سب داخل ہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آرزو اور دعائیں کرتے تھے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی امت میں داخل ہوں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں کئی روایتیں بڑی بڑی نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے صرف محلِ استدلال نقل کیا جاتا ہے۔

اخرج ابونعیم عن عبدالرحمٰن المعافری. فلما عجب موسٰی من الخیر الذی اعطاہ اللّٰہ محمدا وامتہ قال یالیتنی من امۃ احمد واخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اوحی اللّٰہ الٰی موسٰی نبی بنی اسرائیل انہ من لقینی وھو جاحد باحمد ادخلتہ النار. قال اجعلنی من امۃ ذلک النبی وفی روایۃ ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال یارب فاجعلنی من امۃ احمد. اب مرزا صاحب ہی غور فرمائیں کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہمارے پیارے نبی ﷺ کے امتی ہونے کی آرزو کرتے تھے۔ تو کسی یہودی کا قول اس کے خلاف میں کیونکر قابل توجہ ہو گا۔ اور آیہ شریفہ **وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ** (الآیۃ) سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گویا آنحضرت ﷺ کے نائب تھے پھر حضرت کو کسی نبی کا مثیل اور ظلی نبی قرار دینا کیسی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! مرزا صاحب نے تمہارے نبی افضل الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کو موسیٰ کا مثیل قرار دیا کیا اب بھی کسی اور کا مثیل بننے کا انتظار ہے کیا تمہارے اور تمہارے اسلاف کے کان ایسے نا ملائم الفاظ سننے کے آشنا تھے۔ کب تک مرزا صاحب کی ایسی باتیں سنا کرو گے توبہ کرو اگر نجات چاہتے ہو تو ان کی ایک نہ سنو اور اپنے اسلاف کا اتباع کرو۔

مسلمانوں اور یہود کی وجہ شبہ میں جو فرماتے ہیں کہ مغز اور بطن کلام الٰہی کا ان دونوں کے دلوں سے اٹھا لیا گیا ہے اس میں یہ کلام ہے کہ یہود کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا

ہے کہ اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ o جس سے ظاہر ہے کہ وہ انبیاء کی تکذیب اوران کوقتل کیا کرتے تھے اور توریت وانجیل سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کوڈھایا اورقربانی کے مقام پرخنزیر ذبح کئے بت خانے آباد کئے اسکے سوااور بہت سی ان کی خرابیاں ہیں جن کا حال ان شآء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں میں ان باتوں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ مسجدیں آباد بلکہ ہمیشہ نئی نئی بنائی جاتی ہیں۔ حج کی وہی دھوم دھام ہے کہ ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے۔ رمضان شریف میں عبادت کی وہی گرم جوشیاں ہیں۔ غرض کہ شعار اسلام بفضلہ تعالیٰ ہندوستان میں بھی قائم ہیں۔ رہا یہ کہ بعض حظوظ نفسانی میں گرفتار اور بدعتوں میں مبتلا ہیں سوان کی بھی یہ حالت ہے کہ جب قرآن وحدیث سنتے ہیں تو اپنے افعال اور تقصیر پرنادم ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ عمر بھر قرآن وحدیث سنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی کی جادو بیانی کے اثر سے ضروریات دین کے اعتقادات سے پھر جاتے ہیں سووہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ایسے لوگ تو خود نبی کے وقت میں گمراہ اور مخالف ہوجاتے تھے ان کے حسب حال یہ شعر ہے :

ع عمرہا دیدند قوم دوں ز موسیٰ معجزات
آں ہمہ شد گاؤ خورد از بانگ یک گوسالہ

غرض کہ جس طرح یہود نے توریت کوچھوڑ دیا تھا مسلمانوں نے اب تک قرآن کونہیں چھوڑا البتہ مرزا صاحب کی تعلیم سے اب اس کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ جس کا حال ان شآء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا کہ صدہا آیات قیامت اوراحیائے اموات وغیرہ ابواب میں جووارد ہیں ان کا ایمان اس تعلیم سے بعض لوگوں کے دلوں سے اٹھالیا گیا ہے۔ مثلاً جب یہ مسلّم ہو جائے کہ مرتے ہی آدمی ایک سوراخ کی راہ سے جنت میں یا دوزخ میں چلا جاتا ہے اور پھر

وہاں سے نہیں نکلتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو قیامت اور حشر اجساد کا خود ابطال ہو گیا۔

قرآن کا مغز اور بطن جو مرزا صاحب فرماتے ہیں اگر اس سے وہی مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ بفضلہ تعالیٰ کتب تفسیر وحدیث میں بتمامہ محفوظ اور موجود ہے۔ مغز اور بطن جو کچھ پوشیدہ اور ادراک سے غائب ہے سب کچھ حضرت نے فرمادیا کیونکہ حضرت کو ان امور میں بخل نہ تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ** یعنی آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں بیان کرنے میں بخیلی نہیں کیا کرتے اور اشارات قرآنیہ کو جو بزرگان دین نے مجاہدات ومکاشفات کے بعد معلوم کیا ہے وہ بھی تفاسیر اور کتب تصوف میں موجود ہیں غرض مسلمانوں کو ان کے نبی اور پیشوایان دین نے سب سے مستغنی کردیا ہے۔ کسی کی من گھڑت باتوں سے ان کو کچھ کام نہیں اور اگر مغز وبطن کچھ اور ہے جو مرزا صاحب پیش کرتے ہیں سو اس کو قرآن سے کچھ تعلق نہیں۔ الحاصل مرزا صاحب مسلمانوں کو یہودیوں کے برابر کرکے اپنی ضرورت جو بتلا رہے ہیں وہ خلاف واقع ہے بلکہ معاملہ بالعکس کہ یہود کی اکثر صفات مرزا صاحب میں موجود ہیں۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سولی چڑھائے گئے، مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہود کا عقیدہ **نحن ابناء اللّٰه** ہے مرزا صاحب بھی اپنے کو خدا کے بیٹے کے برابر کہتے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہا تھا مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں جس طرح بولس صاحب جو یہودیوں کے بادشاہ تھے عیسائیوں کو ان کے قبلے سے منحرف کردیا، مرزا صاحب بھی مسلمانوں کو ان کے قبلے سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک بہت سے نبی گزرے ہیں مثلاً یوشع،

سیموئیل، الیاس، الیسع، ارمیا، دانیال، داؤد، سلیمان اور عزیر وغیرہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام پھر سب کو چھوڑ کر ہمارے پیارے نبی ﷺ کو جو مثیل موسیٰ بنا رہے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی۔ اگر بت پرستی موقوف کرا کے توحید کی طرف بلانے میں تشبیہ ہے تو کل انبیاء اسی کام کیلئے تھے اگر نادر معجزات کے لحاظ سے ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اسی قسم کے تھے اور اگر بنی اسرائیل کی ہدایت کے خیال سے ہے تو داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے ان کی بت پرستی بالکل موقوف کرادی تھی غرض کوئی وجہ تخصیص کی معلوم نہ ہوگی سوائے اس کے کہ تیرہ سو برس کی جوڑ ملانا مقصود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی غرض ذاتی کے واسطے سید المرسلین کی کسر شان کی کچھ پرواہ نہ کی۔

اور ایک دلیل ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۶۳ میں یہ لکھتے ہیں کہ روحانی طور پر عالم میں کون وفساد وغیرہ امور ہونگے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم ہے بغیر وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو براہین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے **اردت ان استخلف فخلقت ادم**.. ہر منصف کو ماننا پڑے گا کہ وہ آدم اور ابن مریم بھی عاجز ہے کیونکہ ایسا دعویٰ اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعویٰ دس برس سے پہلے شائع ہو رہا ہے اور ''براہین احمدیہ'' میں مدت سے چھپ چکا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ یہ آدم ہے.. اور اس نزاع کے وقت سے دس برس پہلے اس عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ کہہ دیا.. اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر **انی جاعل فی الارض خلیفة** کی کھلی کھلی طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی تا کہ اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور **من شذ شذ فی النار** کی تہدید سے بچیں انتہی۔ اس تقریر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱...... براہین احمدیہ کلام الٰہی ہے جس میں حق تعالیٰ نے ان کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی ہے۔

۲...... مرزا صاحب نبی ہیں جن پر وہ کتاب نازل ہوئی۔

۳...... مرزا صاحب آدم خلیفۃ اللہ ہیں۔

۴...... جو مخالفت کرے گا وہ گویا ابلیس اور دوزخی ہے۔

۵...... دس برس پہلے الہام شائع ہونے کی وجہ سے وہ قطعی ہو گیا۔

حق تعالیٰ نے تیرہ سو برس پہلے اپنے کلام قدیم میں یہ بات شائع کر دی تھی کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا **کما قال تعالٰی مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** اب اس کے بعد کوئی دعوی نبوت کرے تو وہ مسیلمہ کذاب و اسود عنسی وغیرہما کی قطار میں داخل ہے جس کے جہنمی ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ کیونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمادیا ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سے دجال نکلیں گے جو رسول ہونے کا دعویٰ کریں گے جیسا کہ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریبا من ثلثین کلھم یزعم انه رسول اللہ.**

مرزا صاحب کو کمالات و فضائل کے ساتھ کمال درجے کی دلچسپی ہے وہ ہمیشہ تلاش میں لگے رہتے ہیں جہاں کوئی کمال پیش نظر ہو جاتا ہے بے دھڑک اس کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان تصریحات سے ظاہر ہے۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں ہر صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور ہے۔ بتلائیں کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے کس نے ایسا دعویٰ کیا

ہے جیسا کہ اس عاجز نے۔ اور لکھتے ہیں جس زمانے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں دلی اور دماغی بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور اس نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے یعنی نائب کر کے۔

اور ازالۃ الاوہام صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں حدیث میں جو وارد ہے کہ حارث جو ایک شخص ماوراء النہر کا ہوگا جو آل رسول کو تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔ نبی کریم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ حارث امام مہدی کی تائید کو جائیگا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے جیسا کہ متعدد صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے مگر مرزا صاحب کے ملہم نے ان کی خبر دی کہ یہ غلط ہے حارث امام مہدی عیسیٰ ایک ہی شخص ہے یہ ملہم خدا اور رسول کا مخالف ہے جب ہی تو ایسا الہام کیا۔

ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۱۳ میں لکھتے ہیں وہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا ہے وہ تو اب اپنے وقت پر اپنی نشانیوں کے ساتھ آ گیا ہے اور آج وعدہ پورا ہو گیا۔

اور نیز ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۴۸ میں لکھتے ہیں خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صفی اللہ کا مثیل قرار دیا پھر مثیل نوح کا پھر مثیل یوسف کا پھر مثیل داؤد کا پھر مثیل موسیٰ کا پھر مثیل ابراہیم کا قرار دیا اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر محمد مصطفیٰ ﷺ قرار دیا۔

اور اسی کے صفحہ ۶۷۳ میں لکھتے ہیں کہ آیہ شریف **مبشرا برسول یاتی من**

بعدی اسمهٗ احمد سے خود مراد ہیں۔ رسالہ عقائد مرزا میں اشتہار معیار الاخیار سے مرزا صاحب کا قول نقل کیا ہے میں مہدی ہوں اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ اور اسی میں اشتہار دافع البلاء سے ان کا قول نقل کیا ہے میں امام حسین علیہ السلام سے افضل ہوں اور اسی سے ان کا یہ بھی قول نقل کیا ہے:

ع ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور اسی سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے میں اللہ کی اولاد کے رتبے کا ہوں میرا الہام ہے کہ **انت منی بمنزلة اولادی**۔ اور الحکم مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے **انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون** یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کن کہہ دوگے تو وہ پیدا ہو جائیگی۔ اور توضیح المرام سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں اور کشتی نوح سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۵۰ میں لکھتے ہیں سچی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے۔ ضرورۃ الامام صفحہ ۱۳ میں لکھتے ہیں خدا تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ چہرے سے اتار دیتا ہے اور نہایت صفائی سے مکالمہ کرتا ہے اور دیر تک سوال و جواب ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس واسطے ہوتا ہے تا کہ ان کے الہام دوسروں پر حجت ہوں۔ رسالہ عقائد مرزا میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ طاعون ملک میں میری تکذیب کی وجہ سے خدا نے بھیجا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ میرا منکر کافر اور مردہ ہے اسکو ضرور مواخذہ ہوگا۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں ان کی تصانیف میں موجود ہیں اور اب تو آپ کرشن جی بھی ہو گئے ہیں جیسا کہ متعدد اخباروں سے ظاہر ہے۔ مرزا صاحب عیسویت وغیرہ کا جو مرکب دعویٰ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ غرر الخصائص الواضحہ صفحہ ۱۷۵ میں

علامہ وطواط رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ معتمد کی خلافت میں ایک شخص سواد کوفے میں نکلا تھا جس کو کرمیہ کہتے تھے یہ شخص پہلے نہایت زہد و عبادت کے ساتھ مشہور ہوا جب لوگ معتقد ہو گئے تو ان سے کہا کہ مسیح علیہ السلام نے آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر مجھ سے کہا کہ تو داعیہ ہے اور حجت ہے اور ناقہ ہے، روح القدس ہے، یحییٰ بن زکریا ہے۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ میں مسیح ہوں، عیسیٰ ہوں، کلمہ ہوں، مہدی ہوں، محمد ابن الحنفیہ ہوں، جبرئیل ہوں۔ جب دس ہزار آدمی اس کے تابع ہو گئے تو ان میں سے بارہ شخصوں کا انتخاب کر کے کہا کہ تم میرے حواری ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے مرزا صاحب کو اس شخص کی رائے پسند آئی اور عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ جب دس بیس دعوے کر دیئے جائیں گے تو کم سے کم ایک تو ضرور ثابت ہو جائیگا پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایک بھی کم نہیں۔ کرمیہ نے مرزا صاحب کے اس دعوے کو بھی باطل کر دیا جو فرماتے ہیں کہ سوائے میرے کسی مسلمان نے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ الغرض آپ نے اس بات کا ٹھیکہ لے لیا ہے کہ کوئی فضیلت چھوٹنے نہ پائے اور کوئی فرقہ ہندوستان میں ایسا نہ رہے جس کے وہ مقتدا اور معبود نہ بنیں مگر کسی فرقے پر ان کا افسوں نہ چلا۔ چونکہ مسلمانوں میں آج کل یہ صلاحیت بڑھی ہوئی ہے کہ ہر کسی کا افسوں ان پر اثر کر جاتا ہے چنانچہ ہزاروں نیچری وغیرہ بن گئے اور بنتے جاتے ہیں اس لئے ردِّ نصاریٰ وغیرہ کو ذریعہ بنا کر ان کی طرف توجہ کی چنانچہ کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی اور جب روپیہ چندہ وغیرہ کا بخوبی آنے لگا تو ایک رسالہ بنام فتح الاسلام لکھا جس کے نام سے ظاہر ہے کہ اسلام کو تو انہوں نے فتح کر لیا۔ اس فتح سے بڑی غرض یہ تھی کہ روپیہ حاصل ہو اس لئے اپنی رعایا پر اقسام کے ٹیکس لگائے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور مال گزاری کا دستور العمل اسی میں شائع کیا جس کا ایک فقرہ یہ ہے اسلام کے ذی مقدرت لوگو! آپ لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں اپنی ساری دل اور ساری توجہ اور ساری اخلاص سے مدد کرنی چاہیے جو شخص اپنی حیثیت کے

موافق کچھ ماہواری چندہ دینا چاہتا ہے وہ اس کوحق واجب اوردین لازم کی طرح سمجھ کرخود بخود ماہوار اپنی فکر سے ادا کرے اور ادائی میں سہل انگاری کو روانہ رکھے اور جو شخص ایک مشت دینا چاہتا ہے وہ اسی طرح امداد کرے انتہی ملخصا۔ اوراس رسالے میں بڑی تاکید یہ کی گئی کہ کوئی اس کاروائی پر بدگمانی نہ کرے اوراخبار البدر میں شائع کرادیا گیا جیسا کہ عقائد مرزا میں لکھا ہے کہ ان کے فعل پراعتراض کرنا بھی کفر ہے۔ اب کس کی مجال کہ کوئی اعتراض یابدگمانی کر سکے۔ مگر یہ احتمال تھا کہ یہ روپیہ جس قدر وصول ہوتا ہے مرزا صاحب کے تقدس اور رواداری کی وجہ سے ہے آئندہ لوگ ہاتھ روک لیں گے اور مقتضائے بشریت بھی تھا کہ اپنی اولاد کی کچھ فکر کی جائے اس لئے اس کا بندوبست یوں کیا گیا جوازالۃ الاوہام صفحہ ۱۵۵ میں الہام تحریر فرماتے ہیں خدائے تعالٰی ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پرظاہر کررکھا ہے کہ میری ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کوکئی باتوں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اترے گا انتہی۔ اوراسی میں فرماتے ہیں کہ حق تعالٰی نے فرمایا خدا تیری مجد کوزیادہ کرے گا اور تیری ذریت کو بڑھائیگا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائیگا۔ جو شخص کعبہ کی بنیاد کوایک حکمت الٰہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کواسرار ملکوتی سے حصہ ہے ایک اولی العزم پیدا ہوگا وہ حسن اوراحسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ تیری نسل ہی سے ہوگا فرزند دلبند گرامی وارجمند **مظهر الحق والعلا كان الله نزل من السماء** انتہی۔ اوردوسرے مقام ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۱۸ میں لکھتے ہیں اس مسیح کوبھی یادرکھو جواس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کولاکھ روپیہ ماہواری چندہ ملتا تھا تو ان کے فرزند دلبند کو دو لاکھ سے کم نہ ملنا چاہیے آخر باپ بیٹوں میں فرق ضرور ہے۔ مرزا صاحب کی

شان میں تو کان عیسٰی نزل من السماء تھا۔ صاحبزادے کی شان میں کان اللّٰہ نزل من السماء ہے۔ الغرض جب دیکھا کہ چند اشخاص بطور رعایا رقم مال گزاری داخل کرنے لگے ہیں اسی کا نام فتح اسلام رکھ کر یہ خیال جمایا کہ یہ سلطنت تو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے قائم ہوگئی اب ہنود کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ ان میں جا کر دعویٰ کیا کہ میں کرشن جی ہوں تعجب نہیں کہ اپنی پختہ تدابیر سے اس میں بھی کامیاب ہو جائیں مگر بظاہر کسی قدر بعید معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ ابلیس مسلمانوں کا دشمن ہے ہنود کا نہیں۔ ہمیں اس کا کچھ خیال نہیں کہ مرزا صاحب کو اس قدر روپیہ کیوں ملتا ہے اس لئے کہ آخر تدابیر کے نتائج حاصل ہوا ہی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا چنانچہ ارشاد ہے: وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ مگر کلام دوسرے حصے میں ہے جو دین سے متعلق ہے کیونکہ قابل اہتمام و غمخواری ہے تو یہی حصہ ہے جس کا اثر ابدالآباد رہنے والا ہے۔ اب ہم اہل انصاف کو توجہ دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب جو الہامات خلیفۃ اللہ وغیرہ ہونے کے بیان کرتے ہیں باوجود ایسے قوی قوی قرائن کے کیا اب بھی قابل تصدیق سمجھے جائیں اور عقل بیکار کر دی جائے۔ اگر صرف مجددیت یا محدثیت کا دعویٰ ہوتا تو بھی مضائقہ نہ تھا جب انہوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے تو اب اس حدیث شریف کو اہل اسلام مانیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ سے بھی نقل کی گئی کہ مدعی رسالت دجالوں سے ایک دجال ہے یا مرزا صاحب کے یہ تمام دعوے اس کے خلاف میں مانے جائیں ہر مسلمان کو اپنا ایمان عزیز ہے خود ہی فیصلہ کر لے۔

مرزا صاحب نے دجال کے استدراج میں یہ کلام کیا اس سے تو اس کا کن فیکون کا رتبہ ثابت ہوتا ہے اور سوچا کہ ایسا بڑا رتبہ اس کو دیا جائے اور خود محروم رہ جائیں تو ایک اعلیٰ درجے کا کمال فوت ہوئے جاتا ہے تکمیل کے لئے کرشن جی بتکلف بننے کی

ضرورت ہوئی یہ مرتبہ تو مسلمانوں میں مسلّم اور بنا بنایا ہے اس لئے دعویٰ کیا کہ مرتبہ **کن فیکون** مجھ کو حاصل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ازالۃ الاوہام ص ۲۲۸ میں یہ کیوں فرماتے اگر ہم اس دمشقی حدیث کو (جو مسلم شریف میں ہے) اس کے ظاہری معنوں پر عمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خدا ور سول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائیگی اور زمین و آسمان اس کا کہا مانیں گے اور خدائے تعالیٰ کی طرح فقط اس کے ارادے سے سب کچھ ہوتا جائیگا۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ **انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون** اسی طرح وہ بھی **کن فیکون** سے سب کچھ کر دکھائے گا انتہیٰ۔ حاصل یہ کہ حدیث مسلم شریف جس میں دجال کے استدراج سے اس کا پانی برسانا اور زمین سے سبزیاں اگانا وغیرہ امور مذکور ہیں، غلط ہے۔ اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت میں خدا کا شریک ہو جائے گا۔ غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کو جب یہ بات حاصل ہوگئی کہ بحسب الہام **انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون** صرف لفظ **کن** کہہ کر سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں تو بڑے دجال سے وہ چند امور جن کی تصریح نبی کریم ﷺ نے بحسب اطلاع باری تعالیٰ کر دی ہے ظہور میں آئیں تو کون سے کفر و شرک کی بات ہوگی۔ بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور ہے کہ تمام انبیاء دجال کے فتنے سے ہمیشہ اپنی اپنی امت کو ڈرایا کئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا فتنہ معمولی نہ ہوگا اگر اس قسم کی باتیں اس سے ظہور میں نہ آئیں تو اس سے خوف ہی کیا دنیا میں بڑے بڑے فتنے ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں کسی سے انبیاء نے اپنی امتوں کو نہیں ڈرایا اور نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بیان کا اہتمام فرمایا بخلاف فتنہ دجال کے کہ ہر نماز میں اس سے پناہ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ الغرض بلحاظ فتنہ و آزمائش امور مذکورۂ احادیث کا ظہور میں آنا مستبعد نہیں بخلاف اس کے مرزا صاحب جو یہ دعویٰ کرتے ہیں اس کی وجہ سمجھ

میں نہیں آتی بہر حال مرزا صاحب نے جس لحاظ سے حدیث مسلم شریف کا انکار کر دیا تھا اب ان کو اس الہام کے لحاظ سے بڑے دجال کی نسبت ان امور کا مان لینا ضروری ہوا کیونکہ جب وہ خود مدعی ہیں کہ کن سے سب کچھ کر دکھاتا ہوں تو بڑا دجال بحسب احادیث صحیحہ کچھ کر دکھائے تو کیا تعجب۔ اس تقریر سے وہ تمام تقریریں باطل ہو گئیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے پرندوں کو زندہ کرنے کے باب میں لکھی ہیں جن میں ایک یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۹۷ میں لکھتے ہیں وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے متشابہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کرنا کہ گویا خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادے سے اور اذن سے حضرت عیسیٰ کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ اپنی صفات خاصہ الوہیت بھی دوسروں کو دے سکتا ہے تو اس سے اس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور موحد صاحب کا یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد تو نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ طاقت خدائے تعالیٰ نے اپنے اذن اور ارادے سے ان کو دے رکھی تھی اور اپنی مرضی سے ان کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنا دیا تھا اور یہ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنا مثیل بنا دیوے قادر مطلق جو ہوا۔ یہ سراسر مشرکانہ باتیں اور کفر سے بدتر ہے انتہی۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت کے باب میں جو فرمایا ہے: **اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** وہی پورا کلام مرزا صاحب کے الہام میں ان کی شان میں کر دیا کما قال **اِنَّمَا اَمْرُکَ اِذَا اَرَدْتَّ شَيْـًٔا اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ** یعنی خدا نے ان سے کہا کہ تم جو پیدا کرنا چاہو صرف کن کہہ دو گے تو پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ پیدا کرنا خاص صفت الٰہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **ان ربک ھو الخلاق العلیم**۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت ان کو دے کر حصہ دار بنا دیا تھا بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ احیائے موتی کا معجزہ جو ان

کو دیا گیا تھا کبھی کبھی بحسب ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے: **فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْراً بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِإِذْنِي** مگر مرزا صاحب خالقیت کے حصہ دار اور اس کے مثیل بن بیٹھے ہیں۔ اب تک صرف انبیاء کے مثیل کہلاتے تھے اب خدا کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہے حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ** مرزا صاحب مضامین قرآن کو مشرکانہ خیال بتاتے ہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ وہ خدائے تعالیٰ فرمارہا ہے۔ ابلیس نے اور کیا کیا تھا۔ اس نے بھی تو یہی کیا تھا کہ غیر اللہ کے سجدے کو مشرکانہ خیال سمجھا تھا جس کی وجہ سے ملعون ابدی بنا۔ افسوس ہے کہ مرزا صاحب اوروں کو فرماتے ہیں ابلیس کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور خود اس کے ہم خیال ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آیات قرآنیہ پر ایمان لانے کو الحاد اور سخت بے ایمانی اور مشرکانہ خیال اور کفر سے بدتر کہہ دیا اور آپ (نعوذ باللہ) خدا کے شریک بن رہے ہیں اس سے بڑھ کر الحاد اور سخت بے ایمانی اور کفر سے بدتر اور کیا ہوگا۔ مجوس صرف دو خالق مانتے تھے مرزا صاحب تو دوسرے خالق ہی بن گئے۔ **(نعوذ باللہ من ذلک)**

اہل اسلام غور فرمائیں کہ کیا کوئی مسلمان ایسا دعویٰ کرسکتا ہے جو مرزا صاحب نے کیا ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے باوجودیکہ سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں کبھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ **انما انا بشر مثلکم** فرماتے رہے اس کے بعد مرزا صاحب کا یہ الہام کیونکر قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ مرزا صاحب ایک نظیر تو پیش کریں کہ کس نے نبوت کے دعوے کے ساتھ **کن فیکون** کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ کسی کا دعویٰ نہ کرنا ہی ان کے لئے دلیل ہوجاتا ہے۔ چنانچہ اپنی مجددیت کو اسی طریقے سے انہوں نے ثابت کیا۔ ازالۃ الاوہام ۱۵۴ میں فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے اب ہمارے علماء جو بظاہر اتباع حدیث کا دم بھرتے ہیں

انصاف سے بتلادیں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشا ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئیگا یعنی علوم لدنیہ وآیات سماویہ کیساتھ۔ اب بتلائیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودھویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا انتہیٰ۔ اگر شیطان کسی کے سامنے ہو کر دعویٰ کرے کہ میں تیرا خدا ہوں مجھے سجدہ کر اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ سوائے میرے کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ تو کیا اس کی یہ دلیل قابل تسلیم ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر مرزا صاحب کی تقریر سے ظاہر ہے کہ ان کو اس قسم کی دلیلوں پر وثوق ہے یہی وجہ ہے کہ جب شیطان ان کو اپنے چہرے سے کسی قدر پردہ اتار کر جھٹے سے کہہ دیتا ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی دلیل بھی ایسی ہی بتا دیتا ہے تو ان کو یقین آ جاتا ہے۔

حدیث موصوف سوائے ابوداؤد کے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں اور بقول مرزا صاحب یہ حدیث کسی کو نہ ملی۔ یا موضوع یا ضعیف سمجھ کر بخاری و مسلم وغیرہ نے اس کو ترک کر دیا۔ جب مسلم کی دمشق والی حدیث بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوئی تو اس کو تو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قبول نہیں کیا بطریق اولیٰ قابل اعتبار نہ ہوگی۔ پھر ایسی حدیث استدلال میں کیوں پیش کی جاتی ہے مرزا صاحب نے نہ اس حدیث کو نقل کیا، نہ یہ لکھا کہ وہ کون سی کتاب میں ہے بلکہ صرف یہی لکھا کہ مجدد کا آنا ضرور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہ لکھتے تو ان کے استدلال کی قلعی کھل جاتی۔ کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد خدا کی طرف سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ساتھ علوم لدنیہ اور آیات سماویہ بھی ہوا کرتی ہیں حالانکہ حدیث میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں۔ دیکھئے حدیث شریف یہ ہے: **عن ابی هریرة ﷺ قال قال رسول الله**

ﷺ ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے۔ ''وفیات الاسلاف'' میں حدیث موصوف کو نقل کر کے ہر زمانے میں جن علماء اور مؤیدین دین پر مجددیت کا گمان تھا ان کے ناموں کی فہرست لکھی اور یہ ثابت کیا کہ ہر صدی کا مجدد یقینی طور پر معین نہیں کر سکتے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مجدد ہر صدی کا ایک ہونا ضرور نہیں کیونکہ حدیث شریف میں یہ لفظ **من یجدد** وارد ہے اور لفظ **من** کا استعمال کثیر میں اکثر ہوا کرتا ہے ہر چند نام اکابر علماء کے لکھے ہیں مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ میں علوم لدنیہ خدا کے پاس سے لے کر آ رہا ہوں اور مجھے خواہ مخواہ مجدد کہو (اور ادھر ہزار ہا علماء کا ہجوم اور اصرار کہ نہ تو مجدد ہے، نہ محدث۔ اور طرفین سے رسالہ بازیوں کی لے دے ہو رہی ہے) بلکہ ان حضرات کی حالت یہ تھی کہ تائید دین متین کو مقصود بالذات سمجھ کر ہمیشہ اسی میں مصروف رہا کرتے تھے اور ایسی تعلیوں کو کراہیت کی نظر سے دیکھتے پھر ان کے کمال حقانیت اور خلوص کا وہ اثر دلوں پر پڑتا تھا کہ خود کہہ اٹھتے تھے کہ بے شک یہ مجدد ہیں۔ مرزا صاحب نے لوازم وشروط مجدد کے جو بیان کئے ہیں اگر راست ہیں تو ضرور ہے کہ ہر صدی کے مجدد کا نام اور اس کے دعوے پیش کریں اور یاد رہے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حدیث وقرآن کا مضمون جیسا جی چاہتا ہے بنا لیتے ہیں اس وجہ سے نہ وہ مجدد ہو سکتے ہیں اور نہ ہی محدث وغیرہ جو اعلیٰ مدارج ہیں۔ تجدید کے معنی یہ ہیں کہ جو دین کی قدیمی باتیں پرانی ہو گئی ہوں ان کو از سر نو رواج دیں۔ مگر مرزا صاحب جو باتیں نکالتے ہیں وہ تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ تھوڑی باتیں تو اس کتاب کی فہرست سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں۔ ایسے لوگوں کی نسبت یہ ارشاد ہے: **عن ابی ھریرۃ** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ

سیکون فی اخر امتی اناس یحدثونکم بما لاتستمعوا به انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم (رواہ مسلم) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ آخری زمانے میں میری امت کے بعض لوگ ایسی نئی باتیں کہیں گے کہ نہ تم نے سنی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ ان لوگوں سے بہت دور رہو انتہی۔ مسلمانو! کیا اسکے بعد بھی اب ان کی باتیں دل لگا کر سنو گے اور اپنے نبی ﷺ کو ناراض کرو گے۔ یہ تو حضرت نے تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے فرمایا ہے۔ کلام اس میں تھا کہ کسی نے مجددیت کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے مرزا صاحب مجدد ہیں۔ اسی طرح عیسویت کا بھی دعویٰ ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام ۶۸۳ میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں انتہی۔ غرض مسیح موعود کا نہ آنا ہی آپ کے مسیح موعود ہونے پر دلیل ہے۔ اور ایک دلیل مسیحیت پر یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۵۵ میں لکھتے ہیں: اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعوے میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی دنوں میں آسمان سے اتر آئے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعوے کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے تا کہ میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترتے دکھائی دیں۔ اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائیگی۔ کیونکہ اہل حق کی دعا مبطلین کے مقابلے پر قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقیناً سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں انتہی۔

مرزا صاحب ہم لوگوں کو نہایت تنگ کرتے ہیں بھلا اس آخری زمانے میں مستجاب الدعوات لوگ جن کی دعا فوراً قبول ہو جائے کہاں ظاہر ہوتے ہیں وہ تو بحسب آیۂ

شریف۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ اپنی فکر میں لگے رہتے ہیں ان کو بحسب اقتضائے زمانہ کسی کے گمراہ کرنے اور ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ فیصل شدہ امور میں خلاف مرضی الٰہی دعا کرنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قیامت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے آثار وعلامات جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت سے شروع ہو گئے ہیں وقتاً فوقتاً اپنے اپنے وقت پر ظہور کرتے جاتے ہیں۔ ان کا ایمان ایسا مستحکم ہے کہ کسی علامت کی تاخیر سے متزلزل نہیں ہوتا۔ ان کو یقین ہے کہ وقت مقررہ پر اس کا ظہور ضرور ہوگا۔ تعجیل کو وہ کافروں کی خصلت سمجھتے ہیں کیونکہ کفار کی عادت تھی کہ انبیاء کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ عذاب کا جو تم وعدہ دیتے ہو اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی یہی درخواست ان کی رہا کرتی تھی **کما قال تعالٰی: وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَھُمُ الْعَذَابُ** یعنی کفار عذاب کی جلدی کرتے ہیں اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو۔ اگر اس کا وقت مقرر نہ ہوتا تو عذاب ان پر آجاتا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ٥ قُلْ لَّکُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ٥** ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہو تمہارے ساتھ جس دن کا وعدہ ہے تم نہ اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے، نہ آگے بڑھ سکو گے۔ دیکھئے ہم نے جو کہا تھا کہ مرزا صاحب مدعیان نبوت وغیرہ اہل باطل کے خیالات اختراعیہ سے مدد لیا کرتے ہیں اس کی تصدیق یہاں ہوگئی کہ کفار کے خیالات سے ان کا تائید لینا ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ جس طرح کفار ہمارے پیارے نبی ﷺ کو عاجز کرنے کی غرض سے عذاب کی جلدی کیا کرتے تھے کہ اگر وہ آنیوالا ہے تو اتار لاؤ۔ اسی طرح مرزا صاحب ہم کو عاجز کر رہے ہیں کہ اگر مسیح اترنے والے ہیں تو جلد اتار لاؤ۔ چونکہ ان کو اس تقلید کی عادت ہوگئی ہے اس

لئے اس کا خیال بھی ان کو نہ آیا کہ اگر میں یہ دلیل پیش کرونگا تو قرآن پڑھنے والے کیا کہیں گے۔ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں ''میں تو موجود ہوں اگر عیسیٰ اس وقت نہ اتریں تو میرا دعویٰ ٹوٹ نہیں سکتا۔'' غور کا مقام ہے اگر کوئی ملحد خدائی کا دعویٰ کر کے یہی دلیل پیش کرے کہ اگر میں خدا نہیں تو دعا کر کے خدا کو اتار لاؤ۔ تو اس کا بھی جواب ایسا ہی مشکل ہوگا جیسا کہ مرزا صاحب کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ کیونکہ ہم میں ایسی طاقت کہاں کہ خدا کو یا مسیح علیہ السلام کو اتار سکیں۔ پھر کیا اس عجز سے اس ملحد کا دعویٰ ثابت ہو جائیگا۔ مرزا صاحب کو یہ طریقہ کفار و ملاحدہ کا اختیار کرنا زیبا نہ تھا۔ ابن حزم نے کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ ابو منصور کسف نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ تھا کہ میں کسف ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ**o ترجمہ: اگر وہ آسمان کا ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ وہ ابر جما ہوا ہے۔ اس نے استعارہ وغیرہ سے کسف یعنی آسمان کا ٹکڑا ہونے میں اپنے لئے فضیلت خاصہ ثابت کر رکھی تھی اور بہت سے لوگ اس کے بھی پیرو ہو گئے تھے۔ غرض کہ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اگر میں کسف نہیں ہوں اور میرے مخالف اگر سچے ہیں تو دعا کر کے آسمان کا ٹکڑا اتار لیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز نہیں اتار سکتے اس لئے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ہر چند مسخرے پن سے زیادہ اس دلیل کی وقعت نہیں مگر اس نے اپنے زعم میں اس کو دلیل بنا کر رکھا تھا اور اس کے اتباع اس کی تحسین بھی کرتے ہونگے۔

مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتارنے پر فیصلہ جو ٹھہرایا ہے وہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہے اس سے مقصود ان کا ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے ورنہ ایک ایسا آسان طریقہ فیصلے کا قرار دیا گیا تھا کہ وہ طرفین کے اختیار میں تھا یعنی مباہلہ جس کے لئے میاں عبدالحق صاحب مستعد ہو گئے تھے اور مرزا صاحب گریز کر گئے۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۳ میں ہے از انجملہ ایک یہ ہے کہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ اور صفحہ ۶۹۶ میں اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے: **ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون** اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا انتہی۔ ازالۃ الاوہام کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو کوئی حدیث ایسی مل جاتی ہے جس کو مفید سمجھتے ہیں تو نہایت جلی حرفوں میں نمایاں لکھتے ہیں مگر یہاں صرف یہ لکھ دیا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور ایک حدیث بھی نقل نہیں کی۔ یہ ترک عادت خالی از حکمت عملی نہیں۔ مرزا صاحب تو بخاری مسلم کی حدیثوں میں بھی تعارض پیدا کر کے ساقط الاعتبار کر دیتے ہیں مگر ہم توسیع کرتے ہیں کہ بخاری کی بھی خصوصیت نہیں صحاح ستہ سے کسی کتاب کی حدیث اس مضمون کی پیش فرمائیں مگر یاد رہے کہ وہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کہہ دینا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کس قدر جراءت کی بات ہے یہ مرزا صاحب ہی کی ہمت ہے۔ واضح رہے کہ جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں اکثر فردوس دیلمی کی ہیں جس کی نسبت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جو روایت فقط دیلمی نے فردوس میں کی ہے ضعیف سمجھی جائے۔ اس کے سوا ان

احادیث میں تعارض اس قدر ہے کہ کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی۔ احادیث یہ ہیں: **عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلق اللّٰه الدنیا علٰی سبعة اماد والامد الدهر الطویل الذی لا یحصیه الا اللّٰه فمضی من الدنیا قبل خلق ادم ستة اماد ومنذ خلق اللّٰه ادم الی ان تقوم الساعة انتم فی امد واحد** (الدیلمی) یعنی دنیا کو اللہ تعالٰی نے سات امد پر پیدا کیا اور امد ایک طویل زمانے کا نام ہے جس کا شمار سوائے خدائے تعالٰی کے کوئی نہیں کرسکتا ان میں سے آدم علیہ السلام کے پہلے چھ امد گزر چکے اور آدم علیہ السلام جب سے پیدا ہوئے قیامت تک تم لوگ ایک ہی امد میں ہو۔ **عن حذیفة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا مسیرة خمس مائة سنة** (الدیلمی) یعنی دنیا پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ **عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا کلها سبعة ایام من ایام الأخرة** (الدیلمی) یعنی پوری دنیا آخرت کے سات دن ہیں۔ **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **قال الدنیا جمعة من جمع الأخرة سبعة الاف سنة فقد مضی ستة الاف سنة ومواستة ولیاتین علیها مؤاسنة لیس علیها موحد.** (ابن جریر) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کے ہفتوں سے ایک ہفتہ ہے جس کے سات ہزار برس ہیں ان میں چھ ہزار اور کئی سو برس گزر گئے اور کئی سو برس ایسے آئینگے کہ کوئی خدائے تعالٰی کی توحید کرنے والا روئے زمین پر نہ رہیگا انتہی۔ مرزا صاحب کے استدلال میں تین چیزیں مقصود بالذات ہیں۔

۱......آدم علیہ السلام دنیا کے الف ششم کے آخر میں پیدا ہوئے۔

۲......عمر بنی آدم سات ہزار برس ہے۔

۳......الف ششم کے آخر میں خود پیدا ہوئے۔

اب ان احادیث کو ان دعاوی پر منطبق کیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث

سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام ساتویں امد میں پیدا ہوئے۔ اس سے دعویٰ اول کا بطلان پیدا ہوگیا۔ پھر امد کے معنی ہزار برس نہیں بلکہ ایک ایسی مدت طویلہ کا نام ہے جس کو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی شمار کر نہیں سکتا۔ اس حدیث سے تینوں دعووں کا ابطال ہوگیا کیونکہ ہزار یہاں کسی شمار و قطار میں نہیں۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی امور مذکورہ کا ابطال ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ اگر کل دنیا کی عمر ہماری اصطلاحی پانچ سو برس لئے جائیں تو خلاف بداہت اور خلاف مقصود ہے اور اگر پانچ سو برس آخرت کے لئے جائیں جو آیہ شریفہ: **ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** میں مذکور ہے تو اٹھارہ کروڑ سال ہوتے ہیں۔ پھر اگر بنی آدم کی عمر اس کا ساتواں حصہ لی جائے تو جیسا کہ حدیث علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے معلوم ہوتا ہے تو ڈھائی کروڑ سال سے زیادہ ہوئی اور اس حساب سے آدم علیہ السلام کی خلق ابتدائے عالم سے پندرہ کروڑ سال کے بعد ہوئی اور مرزا صاحب آدم علیہ السلام کے بعد الف ششم میں پیدا ہوئے۔ دیکھئے کہاں پندرہ کروڑ اور کہاں چھ ہزار۔ اور اگر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دیکھی جائے تو بنی آدم کی عمر ایک ہی ہزار برس کی ہوتی ہے۔ حالانکہ اب تک چھ ہزار برس گزر گئے ہیں۔ اور اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دیکھی جائے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے قیامت تک ہزار سال ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس وقت تک تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ غرض کہ کسی ضعیف حدیث سے بھی کوئی دعویٰ مرزا صاحب کا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس پر یہ فرماتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ کہتے کہ بہت سے حکماء یا پادریوں کے قول سے ثابت ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ غضب کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں فرمایا وہ بطور افتراء کہتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا: **من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار** (رواہ البخاری)۔ یعنی جو شخص جھوٹ کہہ دے کہ میں نے یہ کہا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ

ہے۔اب مرزا جب تک صحیح روایت سے حضرت ﷺ کا فرمانا ثابت نہ کردیں اس وعید سے نکل نہیں سکتے۔

اور ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۳ میں لکھتے ہیں ظلمت عامہ اور تامہ کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانیہ پر ایک فنا طاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابوالبشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے الخ۔ ماحصل یہ ہے کہ اس وقت پوری پوری ظلمت ہر ملک میں پھیل گئی ہے اور انسانی حقیقت پر فنا طاری ہوگئی ہے اس وجہ سے روحانی طور پر ابوالبشر یعنی خود پیدا ہوئے۔ یہ تو محسوس نہیں ہے کہ آفتاب کا نکلنا موقوف ہوگیا ہے اس وجہ سے ظلمت ہوگئی ہے اور تمام دنیا کے آدمی مر گئے ہیں یہاں تک کہ حقیقت انسانیہ پر فنا طاری ہوگئی ہے اس لئے ضرور ہے مرزا صاحب کی مراد ظلمت اور فنا سے کچھ اور ہوگی۔ ضروری تھا کہ اس کی تصریح فرما دیتے اور یہ بھی لکھ دیتے کہ کونسی تاریخ سے ان امور کا ظہور ہوا۔ یوں تو ۱۳۰۰ ہجری اس کی تاریخ فرمادیں گے جس کا مادہ خود ہی نے غلام احمد قادیانی بتایا ہے۔ مگر یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ بات بدلائل ثابت نہ ہو کہ اس تاریخ سے کوئی ایسا انقلاب اسلام میں پیدا ہوگیا ہے جو اس کے پہلے نہ تھا۔ اگر یہ فرمادیں کہ اپنی عیسویت کو نہ ماننا ہی دلیل ہے تو خصم اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ یہی تو بقائے حقیقت انسانیہ کی دلیل ہے کہ اس قدر احساس انسانی ان میں اب تک باقی ہے کہ جس طرح مدعیان نبوت کو ان کے اسلاف نے نہیں مانا تھا انہوں نے بھی نہیں مانا اور **اولٰئک کالانعام بل ھم اضل** کے مصداق نہ بنے۔ غرض کہ ظلمت عامہ کے پھیلنے اور حقیقت انسانیہ کے فنا ہونے کا سنہ مذکور تو نہیں ہوسکتا۔ شاید انقلاب کے لحاظ سے ۱۲۷۴ ہجری قرار دیا ہوگا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۲۲ میں لکھتے ہیں آیت **انا علی ذھاب بہ لقادرون** میں ۱۸۵۷ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو

کہ آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپید ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں اور ۱۲۷۴ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ ہوتا ہے سو در حقیقت ضعف اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئیگا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا۔ سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہوگئی کہ بجز بد چلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا۔ انہیں ایام میں انہوں نے ناجائز اور ناگوار طریقے سے سرکار انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا جو سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ بدکاری ہے۔ یہ کیسے تھے مولوی اور کیسے ان کے فتوے تھے جس میں نہ رحم تھا، نہ عقل تھی، نہ اخلاق، نہ انصاف۔ ان لوگوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا، بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے انہیں پانی تک نہ دیا۔ پس اس حکیم اور علیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائیگا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے۔ باوجود اس کے یہ مولوی اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا انتہی مختصراً۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن شریف اٹھالیا گیا اس وجہ سے کہ آثار اسلامی سلطنت ہند سے ناپید ہو گئے اور ظلمت عامہ اور تامہ پھیل گئی۔ معلوم نہیں ان ایام سے ظلمت اور اندھیر پھیلنے کا کیا سبب ہوا۔ اگر غدر کی وجہ سے تھا تو اس کے بعد تو امن و آسائش کا زمانہ آ گیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہیں جو اس گورنمنٹ

سے کینہ رکھیں اگر ہم ان کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پا رہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں نہیں پاسکتے ہرگز نہیں پاسکتے انتہی۔ باوجود اس کے ایسے زمانے کو اندھیرا کا زمانہ قرار دینا مرزا صاحب کی شان کے خلاف ہوگا اور اگر غدر کے سوا اور کوئی سبب ظلمت اور اندھیرے کا ہے تو ضرور تھا کہ گورنمنٹ سے اس ظلمت اور اندھیرے کے اٹھانے کی درخواست کرتے بغیر چارہ جوئی کے یہ شکایت نازیبا ہے۔ پھر فقط ظلمت اور اندھیرے ہی پر کفایت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں انسانی حقیقت فنا ہوگئی یعنی کسی میں آدمیت ہی نہ رہی۔ یہ دوسرا الزام ہے گورنمنٹ تو لاکھوں روپیہ بمقتضائے انسانیت تعلیم میں صرف کرے اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ انسانیت کی حقیقت فنا ہوگئی۔ یعنی کسی ایک آدمی میں آدمیت نہ رہی اگر یوں فرماتے کہ کسی مسلمان میں آدمیت نہ رہی تو دوسری گالیوں میں اس کا بھی شمار کرلیا جاتا۔ وہ تو عام طور پر کہہ رہے ہیں کہ کسی آدمی میں آدمیت نہ رہی اور ظلمت اور اندھیرا بالکل پھیل گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی تعریف وہ منافقانہ طور پر کرتے ہیں۔ اور ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد بااقبال قومیں ہوں اور گدھا ان کا یہی ریل ہو جو مشرق سے مغرب کے ملکوں میں ہزارہا کوسوں تک چلتے دیکھتے ہو انتہی۔ اب انہی سے پوچھا جائے کہ دجال کو کیا آپ ایماندار عیسائی سمجھتے ہیں یا یہودی بے ایمان۔ پھر بااقبال قوم کو جو دجال قرار دیا جس کی ریل مشرق سے مغرب کے ملکوں میں چلتی ہے اس قوم سے کون سی قوم مراد لی۔ اگر دل میں گورنمنٹ کی توہین کا خیال نہ تھا تو درپردہ بااقبال قومیں کہنے کی کیا ضرورت تھی صاف کہہ دیتے کہ دجال سے مراد روس ہے۔ جس کی ریل مشرق سے مغرب کو جاتی ہے۔ یہی تو منافقی ہے۔ حیرت ہے کہ اپنے آپ پر قیاس کر کے مسلمانوں کو منافق بنا رہے ہیں۔ اور یہ جو فرماتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا اس واسطے حق تعالیٰ نے ۱۸۵۷ء میں قرآن کو اٹھا لیا۔ فی

الواقع یہ بڑا ہی ظلم ہوا مگر یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس کے پہلے ۶۰ ہجری میں ایک سخت ظلم وستم کا واقعہ اسلام میں بھی گزر چکا ہے جس کو تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعے میں کس قدر بے رحمیاں کی گئیں اور خاندان نبوت پر کیسا ظلم ہوا کہ جس کے سننے سے آدمی روتے روتے بے تاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام صفحہ ۷۰ میں اس واقعہ کے باوقعت اور باعظمت اور دردناک ہونے کے قائل ہیں۔ اب اگر ظلم شدید کی وجہ سے قرآن کا اٹھایا جانا مسلّم ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذریت اور خاندان پر ایسا ظلم شدید ہونے کے وقت ۶۰ھ ہی میں قرآن شریف اٹھالیا گیا۔ پھر ۱۸۵۷ء میں رہا ہی کیا تھا جو اٹھایا جاتا۔ اور جو فرماتے ہیں کہ **وانا علی ذھاب بہ لقادرون** میں حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن زمین سے اٹھالونگا۔ اس میں مرزا صاحب کو **علی ذھاب بہ** کی ضمیر کے مرجع میں دھوکا ہو گیا جس کی وجہ سے قرآن کی طرف وہ ضمیر پھیر دی اس کا حال پوری آیت سے معلوم ہوسکتا ہے وہ یہ ہے: **وانزلنا من السمآء مآء بقدر فاسکناہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقادرون** ترجمہ: اور ہم ہی نے ایک اندازے کے ساتھ پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا رکھا اور ہم اس پانی کے اڑا لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے کہ **بہ** کی ضمیر پانی کی طرف پھرتی ہے جو اس کے پہلے صراحتاً مذکور ہے اور قرآن کا وہاں ذکر بھی نہیں۔ اگر لاعلمی سے مرزا صاحب نے یہ کہہ دیا تو غلطی کی اور قصداً یہ معنی قرار دیئے تو تحریف کی۔ پھر اس آیت کو مادہ تاریخ قرآن کے اٹھائے جانے کا ٹھہرا کر یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء اس کا وقت قرار دیا گیا دوسری غلطی ہے۔ شاعروں نے جو مادہ تاریخ کی اصطلاح ٹھہرائی ہے ان کے یہاں بھی یہ شرط مسلّم ہے کہ مادہ تاریخ کے پہلے معلوم کرادیتے ہیں کہ فلاں واقعے کا سال ان الفاظ سے نکلتا ہے مگر حق تعالیٰ نے یہ اصطلاح بیان کی، نہ اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ آیت مادہ تاریخ ہے، نہ نبی کریم ﷺ نے کبھی یہ فرمایا کہ دیکھو

فلاں آیت فلاں واقعے کا مادہ تاریخ ہے۔ اور اگر صرف مضمون کے لحاظ سے آیات مادہ تاریخ قرار دی جائیں تو ان **الساعة اٰتية** سے واقعہ قیامت ۱۳۲۴ھ میں ہونا چاہیے۔ علاوہ ان تمام امور کے **لقادرون** سے یہ کہنا کہ اس کا وقوع ہو گیا یہ بھی ایک دھوکا ہے۔ یہی لفظ دوسرے مقامات میں وارد ہے اور اس سے مقصود صرف تخویف اور بیان قدرت ہے **كما قال تعالىٰ: اِنَّا لَقَادِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ** یعنی ہم قادر ہیں کہ ان کفار سے بہتر ان کے بدلے بسائیں۔ حالانکہ کفار اب تک موجود ہیں۔ اسی طرح ارشاد ہے قولہ تعالیٰ: **وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُوْنَ** یعنی ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا وعدہ ان کافروں سے کیا گیا تمہیں دکھادیں۔ حالانکہ اس کا بھی وقوع نہیں ہوا بلکہ مقصود بیان قدرت اور تخویف ہے۔ اسی طرح اس آیہ شریفہ میں بھی بیان قدرت اور تخویف مقصود ہے کہ پانی جو زمین پر ٹھہرتا ہے اور جس سے تمام منافع بنی آدم کے متعلق ہیں اس کے اڑالیجانے پر ہم قادر ہیں۔ اگر اس قدرت کو ظاہر کر دکھائیں تو تمہاری کیا حالت ہو گی۔ اب غور کیا جائے کہ باوجود اتنے دھوکوں اور غلطیوں کے یقینی طور پر یہ کہہ دینا کہ حق تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہم قرآن کو اٹھالیں گے کس قدر جراءت ہے۔ ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ پر صریح افتراء ہے اور قرآن سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے وہ کفار سے بھی بدتر ہے جیسا کہ اس آیہ شریفہ سے مستفاد ہے قولہ تعالیٰ: **وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا** اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** یعنی ظالموں کو خدا راستہ ہی نہیں بتاتا پھر جس کو خدا راستہ نہ بتائے تو اس کی گمراہی میں کیا شک ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

مرزا صاحب نے ایام غدر کے مظالم کا فوٹو کھینچ کر سب الزام علماء کے ذمے لگا دیا کہ انہیں کے فتووں سے عورتیں اور بچے بیاسے قتل کئے گئے۔ مگر یہ بات حد تواتر تک پہنچ

گئی ہے کہ وہ ایک ایسا عام بلوہ تھا جس میں ہندو اور مسلمان سب کے سب شریک تھے اور یہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کے واقعات گویا حکومت کا لازمہ ہے اس لئے کہ گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی تعلقات کثرت سے ہوتے ہیں کسی نہ کسی بات پر مخالفت ہو ہی جاتی ہے اس میں کوئی فرقے کی خصوصیت نہیں۔ لیکن گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ ایسے مفسدوں کو دفع کر کے امن وامان قائم کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بفضلہٖ تعالیٰ پورے طور سے ہندوستان میں اس کے بعد امن قائم ہو گیا۔ مگر مرزا صاحب کو مسلمانوں کا بے فکری سے رہنا گوارہ نہیں اسی وجہ سے خلاف واقع مسلمانوں کے ذمے الزام لگا رہے ہیں اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جب مجرمین اسی زمانے میں سزایاب بھی ہو گئے اور امن بھی قائم کر دیا گیا اور پچاس برس کی مدت گزر گئی جس کی وجہ سے فی صدی پانچ شخص بھی اس زمانے کے اب باقی نہیں رہے ایسے وقت میں گورنمنٹ مرزا صاحب کی ان اشتعالکوں کی طرف کیوں توجہ کرے گی۔ اگرچہ مرزا صاحب بھی ایسے شخص نہیں کہ مسلمانوں کے بالکل جانی دشمن ہوں۔ کیونکہ آخر مسلمانی کا دعویٰ ان کو بھی ہے۔ مگر شاید اقتضائے طبیعت سے اس تحریر کے وقت مجبور ہو گئے ہوں گے اور ایک دلیل اپنے صدق پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازالۃ الاوہام میں مذکور ہے اس بات کو میں منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتے تک اس بات کے فیصلے کے لئے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تاکہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجے کی پیش گوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا۔ اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا انتہٰی۔ حاصل یہ ہوا کہ مرزا صاحب جو دعویٰ رسالت وغیرہ کرتے ہیں اس کی نفی کا بینہ فریق مقابل کے ذمے ہے مدت معینہ میں پیش نہ ہو تو ان کا دعویٰ ثابت اور بینہ بھی کیسا کہ اقتدار بشری سے خارج ہو۔

یہ بھی ایک الہامی طریقہ ثبوت دعوے کا ہے۔ جو مرزا صاحب کے خصائص سے

ہے۔ مگر خدانخواستہ اس طریق کا اگر رواج پڑ جائے تو جھوٹوں کو کامیابی کا بڑا ہی ذریعہ ہاتھ آ جائیگا۔ جس کا جو جی چاہے گا کسی پر دعویٰ کر کے ثبوت میں یہ بینہ پیش کر دیگا کہ اگر مدعی علیہ سچا ہے تو احکم الحاکمین کی طرف رجوع کرے۔ ضرور کوئی نشانی مل جائیگی جو راستبازوں کو فوق طاقت بشری ملا کرتی ہے اور جب مدت معینہ میں نہ ملے تو اپنا دعویٰ ثابت۔ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو باوجودیکہ ہزارہا معجزے عطا کئے شق قمر تک آپ کے دست مبارک سے ہوا مگر بعض وقت حسب خواہش کفار، کوئی نشانی بھی نہیں دی گئی چنانچہ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے: **وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا○ اَوْ تَکُوْنَ لَکَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ (اِلٰی قَوْلِهٖ تَعَالٰی) قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا○** مطلب اس کا یہ ہے کہ کفار نے حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ زمین سے چشمے جاری ہو جائیں یا ایک باغ پیدا ہو جائے یا آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دیا جائے اور اسی قسم کی کئی درخواستیں کیں۔ اس پر حضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ میں تو ایک بشر رسول ہوں یعنی جو معجزے میرے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ ظاہر کراتا ہے وہ کرتا ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہاری ہر درخواست کو منظور کر لیا کروں۔ دیکھئے باوجودیکہ آیات و معجزات لازمہ رسالت ہیں۔ مگر ضرور نہ تھا کہ جانب مقابل کی طلب پر کوئی نشانی ضرور ظاہر ہو۔ تو اب مرزا صاحب کی طلب پر کیا ضرورت ہے کہ کوئی نشانی اہل حق سے ظاہر ہو اور نہ ہونے سے ان کی حقانیت میں فرق آ جائے۔ اگر وہ ضرور ہوتا تو (معاذ اللہ) اس وقت کفار اہل حق ٹھہر جاتے۔ پھر اس نشانی کے ظاہر نہ ہونے سے مرزا صاحب کا حق پر ہونا کیونکر ثابت ہوگا۔

مرزا صاحب کو ایسے ابواب میں کمال مشاقی اور جراءت حاصل ہے۔ اس دس ہفتے کی مہلت میں انہوں نے کوئی ایسی بات ضرور سوچی تھی کہ اس کو بالائی تدابیر سے اپنی

کامیابی کا ذریعہ بنالیتے جیسے نصاریٰ کے مقابلے میں انہوں نے یہی تدبیر کی کہ باوجودیکہ پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوگئی مگر وہ اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بتاتے جاتے ہیں۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر رسالہ نشان آسمانی میں لکھتے ہیں کہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی جس زمانے میں اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کے مرشد سید احمد صاحب مہدی وقت قرار دیئے جائیں۔ اس زمانے میں انہوں نے قصیدہ شاہ نعمت اللہ کو حاصل کرکے بہت کچھ سعی کی کہ یہ پیش گوئی ان کے حق میں ٹھہرائی جائے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب کے ساتھ اس کو شائع کردیا لیکن اس پیش گوئی میں وہ پتے اور نشان دیئے گئے تھے کہ کسی طرح سید احمد صاحب ان علامات کے مصداق نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس پیش گوئی کے مصداق کا نام احمد ہے اور نیز یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا اور لکھا ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں ظہور کرے گا۔ پس بنظر سرسری خیال گزر سکتا ہے کہ سید احمد میں یہ تینوں علامتیں نہیں ہیں۔

پھر مرزا صاحب نے اس قصیدے کے چند اشعار نقل کیئے جن میں سے چند یہ ہیں:

غین ورے سال چوں گزشت از سال	بو العجب کاروبار می بینم
ظلمت ظلم ظالمان دیار	بیحد و بے شمار می بینم
چوں زمستان بے چمن بگذشت	شمس خوش بہار می بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش	حرفے وصل یار می بینم
غازی دوست دار و دشمن کش	ہمدم ویار غار می بینم
ا ح م و دال می خوانم	نام آن نامدار می بینم
بادشاہ تمام ہفت اقلیم	شاہ عالی تبار می بینم

مہدی وقت و عیسیٰ دوراں ہر دو را شہسوار می بینم

مرزا صاحب ''چوں زمستان بے چمن بگذشت'' کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب تیرہویں صدی کا موسم خزاں گذر جائیگا تو چودہویں صدی کے سر پر آفتاب پر بہار نکلے گا یعنی مجدد و وقت ظہور کریگا انتہی۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جہاں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے اس میں ہر قسم اور طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں بعض مفتری وکذاب بھی ہوتے ہیں جو اس مجمع اور گروہ کی ترقی کی غرض سے اعتقاد بڑھانے والے اقسام کی باتیں بنالیتے ہیں اور بعض دیانت دار بھی نیک نیتی سے ایسے امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر اس میں کچھ گناہ بھی ہو تو اس نیک نیتی کی وجہ سے معاف ہو جائیگا۔ بہر حال ممکن ہے کہ کسی نے اس وقت یہ قصیدہ بنا کر ایک کامل بزرگ کے نام سے مشہور کر دیا ہو جس سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو بھی استدلال کا موقع ہاتھ آگیا اور ان کا استدلال صحیح بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس میں ۱۲۰۰ ہجری کے بعد کی خبر ہے جس زمانے میں سید احمد صاحب کا ظہور ہوا تھا۔ اگر بقول مرزا صاحب چودہویں صدی کا ذکر صاحب قصیدہ کو منظور ہوتا تو ''چوں زمستان بے چمن بگذشت'' کی جگہ ''بگذر چوں صدی سیز دہم'' لکھ دیتے کیونکہ جب پورے واقعات کا کشف ہی ٹھہرا تو (غ ور ے) کے بعد ایام فتنہ زایاں کر کے عین مقصود بالذات زمانہ بشارت کو چھوڑ دینا بالکل خلاف عقل ہے۔ پھر جب کہ اس پیشگوئی میں سید احمد صاحب اور غلام احمد بیگ صاحب میں تنازع ہے تو سر سید احمد خاں صاحب اس سے کیوں محروم رکھے جائیں ان کے اتباع تو ''مہدی وقت و عیسیٰ دوراں'' کے مصداق کی تکمیل میں مہدی علی خاں صاحب کو پیش کر دینگے جس سے ''**ھر دو را شھسوار می بینم**'' بھی چسپاں ہو جائیگا اور مرزا صاحب نے جو تکلیف اٹھا کر دو کو ایک کر دیا اس کی ضرورت بھی نہ رہیگی اور

کثرت اتباع کے لحاظ سے بھی انہیں کا نمبر بڑھا رہیگا۔ یہ سب آپس کے جھگڑے ہیں۔ مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ قصیدے میں تو ''**بادشاه تمام هفت اقليم مى بينم**'' لکھا ہے اگر یہ تینوں احمد صاحبان علی سبیل البدلیت یا بطور مانعۃ الخلو مصداق ٹھہریں تو ان کے پیر وصرف ہندوستان کے مسلمانوں کے عشر عشیر نہیں ہو سکتے، تو ہفت اقلیم کی سلطنت کیسی؟ اس سے بداہۃً معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ قصیدہ جعلی ہے۔ کسی نے مصلحت وقت کے لحاظ سے بنا کر اس بزرگ کی طرف منسوب کر دیا۔

مرزا صاحب نے چند اشعار کی شرح کی اور پورا قصیدہ علیحدہ اسی کتاب میں لکھ دیا اس قصیدے کی ابتدا میں یہ اشعار ہیں:

در خراسان و مصر وشام و عراق فتنہ کارزار می بینم

ترک و تاجیک را بہمدیگر خصمی و گیرد داری بینم

اب اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فتنہ تو خراسان ومصر وشام وعراق وترک و تاجیک میں ہو اور مرزا صاحب ہندوستان میں نکلیں اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس فتنے کی خبر دینے کو وہ بھیجے گئے ہوں تاکہ لوگ ہوشیار رہیں مگر کوئی ایسی خبر بھی انہوں نے اب تک شائع نہیں کی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں یہ سچ ہے کہ اشارتاً یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا چونکہ مرزا صاحب جھوٹ کو شرک کے برابر سمجھتے ہیں ضرور ہندوستان کی طرف اس میں اشارہ ہوگا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آیا شاید کسی کی سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قابل غور ہے جو احادیث ان کے مضر ہوتی ہیں اگر صحیح مسلم میں بھی ہوں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ بخاری نے ان کو صحیح نہ سمجھ کر چھوڑ دیا (ازالہ)۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو وہ حدیث نہ ملی اور کبھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ راوی نے سہواً یا عمداً خطا کی ہو مطلب یہ کہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں یعنی

موضوع ہیں اور احادیث صحیحہ میں یہ کلام ہوتا ہے کہ پیش گوئیوں میں استعارات و کنایات ہوتے ہیں ظاہری معنی ان کے نہیں لے سکتے اور جو بات اپنے مفید سمجھتے ہیں وہ کیسی ہی بے اصل اور مجہول ہو اس پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے معنی لینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا دیکھئے یہ قصیدہ تو قابل استدلال ہوا جس کا ثبوت تقریباً محال ہے اور جو مضمون بیان کیا گیا وہ بھی ایسا کہ مرزا صاحب کے سوا کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے پھر شاہ نعمت اللہ صاحب کے کشف کا اس قدر وثوق کہ کوئی لفظ اس کا ظاہری معنی سے ہٹ نہیں سکتا اور نبی کریم ﷺ کا کشف اور پیش گوئی ایسی کمزور کہ جب تک ان میں نئے معنی نہ ڈالے جائیں اپنے ذاتی معنی پر دلالت ہی نہیں کر سکتیں بلکہ کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ پر اس کی حقیقت کھلی ہی نہیں اس پر دعویٰ امتی بلکہ نبی ہونے کا۔

ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں مجھے خبر دی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل کھڑا ہو وہ ذلیل و شرمندہ ہوگا انتہی۔

فی الواقع اگر یہ خبر اللہ کی طرف سے دی گئی ہو تو اعلیٰ درجے کی نشانی ہوگی مگر اس کا ظہور اب تک نہیں ہوا جب سے مرزا صاحب نے دعویٰ عیسویت کیا ہے علماء ان کے مقابلے میں برابر کھڑے ہیں اور کبھی ان کو ذلت نہ ہوئی بلکہ اسلامی دنیا میں ان کی عزت اور بڑھ گئی۔

مرزا صاحب نے اس بناء پر یہ بات کہی ہے کہ جو شخص ان کا مقابلہ کرے گا وہ اس کو بہت سی گالیاں دیں گے اور تخفیف کریں گے جس سے اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ مگر خود بھی ذرا سوچیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں انہیں کی ذلت ہے بازاری لوگ معززین کی نگاہوں سے کیوں گرے ہوئے ہیں اسی وجہ سے کہ فحش بدگوئی اور بدخلقی اکثر ان سے دیکھی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ بازاری لوگ فحش و سب و شتم کی وجہ سے معزز نہیں

سمجھے جاتے مگر اس کے ڈر سے ان کے کام تو نکل آتے ہیں۔اس وجہ سے برآمد کار کے لئے یہی طریقہ خوب ہے۔ہم یہ نہیں کہتے کہ مرزا صاحب نے اراذل و بدمعاشوں سے جو اس بات میں سبق لیا وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عقلاء کی شان یہی ہے کہ اپنے مقصود کی بات جہاں ملتی ہے لے لیتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم کس سے لے رہے ہیں دیکھئے کتب اخلاق میں مصرح ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنی کارآمد صفتیں کتے سے سیکھے کہ کیسا قانع اور وفادار ہے بلکہ ہمیں صرف لم اور ماخذ اس طریقے کا بتلانا منظور ہے گو مرزا صاحب اس کو قبول نہ فرمائیں کیونکہ وہ اس طریقے کو عیسویت کا لازمہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ عصائے موسیٰ میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسا کہ سور، کتے، بے ایمان، بدکار وغیرہ وغیرہ۔لفظ وغیرہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بکثرت گالیاں دیا کرتے تھے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لازمہ عیسویت ہے چونکہ مرزا صاحب کو تکمیل عیسویت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی صفات کے ساتھ متصف ہونا ضرور تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔حالانکہ ان کی ذاتی خصوصیات کچھ اور ہیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عیسیٰ علیہ السلام کے حالات میں کئی ایک روایتیں تفسیر در منثور میں نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اسلئے چند روایات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو ان کا دیکھنا منظور ہو تو درمنثور کی جلد دوم میں صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۳۲ تک ملاحظہ فرمالیں۔ ماحصل ان کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے نہ کہیں گھر بنایا، نہ بنانے دیا، نہ ان کے اہل وعیال تھے۔گزران کی یہ صورت کہ جنگل میں پتے وغیرہ کھا کر بسر کرتے۔جہاں شام ہوئی مقام کیا صبح ہوئی روانہ ہوگئے، نہ کبھی چراغ جلایا، نہ بچھونا بچھایا۔ جہاں نیند غالب ہوگئی لیٹ گئے، سوائے کمل یا ٹاٹ کے کوئی لباس نہیں پہنا، نہ کبھی سر میں

تیل ڈالا، نہ کنگھی کی۔ بجائے نعلین کسی درخت کی چھال پیروں سے لپیٹ کر لیف سے باندھ لیتے کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ایک بار آپ پتھر سرہانے لے کر سوتے تھے ابلیس نے متشکل ہو کر طعن کیا کہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ میں دنیا کا سامان کچھ نہیں رکھتا۔ پھر یہ پتھر کا سرہانہ کیسا؟ آپ نے وہ پتھر بھی پھینک دیا۔ ایک بار آپ حوارئین کے ساتھ کہیں جارہے تھے رستے میں مرے ہوئے کتے پر سے گزر ہوا لوگوں نے اس کی بدبو کی شکایت کی آپ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں؟ مقصود یہ کہ کسی چیز کی مذمت نہ کی جائے۔ ایک بار ایک خنزیر ان کے روبرو سے نکلا اس سے خطاب کر کے فرمایا سلامتی سے گزر جا۔ کسی نے کہا یا روح اللہ! آپ خنزیر سے ایسا خطاب فرماتے ہیں جو آدمیوں سے کیا جاتا ہے۔ فرمایا میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری زبان کو بری بات کی عادت ہو۔ ایک بار ایک رفیق کے ساتھ آپ جنگل میں جارہے تھے ایک بدمعاش نے حائل ہو کر کہا کہ جب تک تم دونوں کو ایک ایک طمانچہ نہ ماروں جانے نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا تو مجھے مار لے اس نے آپ کو مار کر رستہ دیا مگر رفیق راضی نہ ہوا آپ نے فرمایا اس کے بدلے بھی مجھی کو مار یہ کہہ کر دوسرا رخسار مبارک پیش کیا اس نے آپ ہی کو مار کر دونوں کو رستہ دیا۔ ایک بار آپ دھوپ میں چل رہے تھے دھوپ کی شدت اور پیاس کی سختی سے تاب نہ لا کر کسی کے خیمے کی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور صاحب خیمہ نے باہر آ کر آپ کو وہاں سے اٹھا دیا آپ علیحدہ ہو کر دھوپ میں بیٹھ گئے اور فرمایا اے شخص تو نے مجھے نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اٹھایا جو نہیں چاہتا کہ دنیا میں مجھے کچھ بھی راحت ہو یعنی پوری راحت جنت ہی میں ہوگی۔ آپ اکثر پانی پر چلا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا یہ بات آپ کو کیونکر حاصل ہوئی فرمایا ایمان اور یقین کی وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں بھی تو ایمان و یقین ہے فرمایا تم بھی چلو تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک موج آئی اور وہ ڈوبنے لگے آپ نے ان کو نکال کر پوچھا تم نے کیا کیا تھا کہا موج سے ہم ڈر گئے فرمایا

موج کے رب سے کیوں نہیں ڈرے۔ یہ تھوڑا سا حال مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا تھا۔ اب مسیح علیہ السلام اور مثیل مسیح کی حالت کا موازنہ کر کے بھی دیکھ لیجئے تاکہ **تعرف الاشیاء باضدادھا** کے لحاظ سے مرزا صاحب کی معرفت حاصل ہو جائے وہاں تجرد کی وہ کیفیت تھی تو یہاں تعیش کی یہ کیفیت کہ پیرانہ سالی میں شادی ہونے میں جو توقف ہو گیا تو مثیل صاحب جامے کے باہر ہیں اور کنبے بھر میں ایک تہلکہ برپا ہے کہ سمدھن صاحبہ کے بھائی نے اپنی لڑکی کیوں نہیں دی اس جرم میں بہو بیٹے میں تفرقہ اندازی کی تدبیر اور فرزند پر یہ تشدد کہ اگر طلاق نہ دے تو عاق اور میراث سے محروم ہے۔ وہاں کمل اور ٹاٹ کا لباس ہے تو یہاں پشمینہ وغیرہ اعلیٰ درجے کے ملبوسات۔ وہاں رہنے کو گھر نہیں یہاں سجے ہوئے کمرے مکانات باغ سکونت اور تفرج کے لئے آراستہ ہیں۔ وہاں سرہانے کے تکیہ کے لئے پتھر گوارا نہیں یہاں بغیر اعلیٰ درجے کے نرم نرم توشکیں اور لحاف کے نیند نہیں آتی ہے۔ وہاں جنگل کے پتوں پر گزاران تھی یہاں مرغی، انڈے پلاؤ وغیرہ الوان نعمت کی ضرورت۔ وہاں دھوپ میں پیاس سے موت کا سامان ہے تو یہاں ہر وقت برف، کیوڑہ وغیرہ تنعم کا سامان مہیا۔ وہاں جنگل ہے اور اندھیری رات کا سناٹا اور جلانے کو چراغ نہیں یہاں گھر کے پاس ہزاروں روپے کے صرف سے ایک بلند مینارہ بنایا گیا جس کی روشنی جنگل میں پڑے۔ وہاں کل راحتوں کا حوالہ آخرت پر ہے تو یہاں کل راحتوں کا استفادہ دنیا میں۔ وہاں مرے ہوئے کتے کی مذمت گوارہ نہیں یہاں صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمان مشرک قرار دیئے جارہے ہیں اور مسلمانوں کی شان میں وہ الفاظ کہ کوئی کافروں کو بھی نہیں کہتا۔ وہاں خنزیر کے ساتھ مہذبانہ برتاؤ یہاں علماء ومشائخین کے القاب خنزیر وغیرہ زبان زد ہیں۔

غرض کہ مثیل مسیح موعود ہونے کے لئے تمامی اوصاف مسیح علیہ السلام سے وہ صفت منتخب کی گئی جس سے مسیح علیہ السلام کو کمال درجے کی نفرت اور احتراز رہا اور انجیل جس کو خود ہی محرف

بتاتے ہیں اس میں سے صرف فحش اور سب وشتم کا مضمون لیکر مسلمانوں کو لگے گالیاں دینے کہ دیکھو میں مسیح ہوں میرا فرض منصبی ہے کہ دل کھول کر لیکن ٹھنڈے دل سے گالیاں دیا کروں۔ اس کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ عیسٰی علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل واخلاق کا حاصل کرنا تو محال ہے اور ان کی کوئی بات اپنے میں نہ ہو تو مثلیت کا ثبوت مشکل ہے اس لئے **مالا یدرک کله لا یترک کله** کے لحاظ سے **خذ ما صفا ودع ما کدر** پر عمل کر کے طریقہ سب وشتم کو اختیار کیا جس کا ذکر اناجیل محرفہ میں ہے۔

اس باب میں جو تحریفیں وغیرہ ہوئیں اس کا الزام اسی کے ذمے ہوگا جس نے الحاق کر کے عیسٰی علیہ السلام کی طرف اس طریقہ شنیعہ کو منسوب کیا مرزا صاحب نے حسن ظن سے اس باب میں صرف تقلید نصاریٰ کی کی اور مقلد کو یہ حق نہیں کہ اپنے مقتدا پر تحریف وغیرہ کا الزام لگائے اس لئے نہ مرزا صاحب پر تحریف کا الزام آ سکتا ہے، نہ ترک تحقیق کا بہرحال یہ دین عیسائی کی تعلیم تھی۔ اب دین محمدی کی تعلیم دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ** یعنی خدائے تعالیٰ منع کرتا ہے بے حیائی اور بدگوئی اور برے کام سے۔ اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ.** یعنی شیطان جو تمہارا دشمن ہے بدگوئی اور برے کاموں کا حکم کرتا ہے۔ ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ سب وشتم سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے اور شیطان اس کا حکم کرتا ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ میں اس صفت کا نام ونشان نہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد ۲، صفحہ ۸۹۱ میں ہے **لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا** یعنی بدگوئی کی صفت حضرت ﷺ میں نہ بالطبع تھی، نہ عارضی طور پر۔ اور یہ روایت بھی بخاری شریف

میں ہے کہ چند یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بجائے **السلام علیکم** کے دبی آواز سے **السام علیکم** کہا حضرت نے ان کے جواب میں صرف **وعلیکم** فرمایا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبر نہ کرسکیں کیونکہ سام کے معنی موت کے ہیں اور غصے سے کہا **وعلیکم ولعنکم اللہ وغضب اللہ علیکم** حضرت ﷺ نے ان سے فرمایا **مهلاً یاعائشة علیک بالرفق وایاک والضعف والفحش** یعنی اے عائشہ سختی اور بدگوئی سے دور رہو۔ دیکھئے بددعا کے بدلے بددعا دی گئی تھی اس کا نام بھی حضرت ﷺ نے فحش ہی رکھا جس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ **وعن عبد اللہ** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر** (رواہ البخاری)۔ یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔ **وعن ثابت ابن الضحاک قال قال رسول اللہ** ﷺ **من لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ** (رواہ البخاری)۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرے یا اس کو کافر کہے تو گویا اس کو اس نے قتل کر ڈالا۔

مرزا صاحب کو اسماء میں تصرف کرنے کا ہتھکنڈہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اسلئے خوب سی گالیاں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کا نام گالی ہی نہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اسکی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب وشتم فقط اس مفہوم کا نام ہے، جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے انتہی۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ کسی کے واقعی عیوب بیان کئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ مگر یہ

بات قرآن شریف کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ یعنی همزة اور لمزة کے لئے ویل ہے جو جہنم میں ایک وادی ہے۔ تفسیر خازن میں همزة اور لمزة میں کئی اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ سب اقوال کا مرجع اسی طرف ہے کہ وہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا عیب بیان کرے۔ اب دیکھئے کہ جب یقینی موجودہ عیوب ظاہر کرنے کی یہ وعید ہو تو مادرزاد اندھے، رئیس الدجالین، ہامان ہالکین وغیرہ کہنے کا کیا حال ہو۔ پھر مرزا صاحب خنزیر چمار چوہڑے جو علماء کو کہتے ہیں کیا ان الفاظ پر بھی دشنام کی تعریف صادق نہیں آتی۔

مرزا صاحب کا یہ بھی استدلال ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں کافروں کو بہت گالیاں دی ہیں اور حدیث شریف میں ان پر لعنت وغیرہ وارد ہے مقصود یہ کہ مرزا صاحب نے خدا کا طریقہ اختیار کیا اور نیز اشداء علی الکفار بھی وارد ہے۔

اشداء علی الکفار کا جواب تو ظاہر ہے کہ سختی کافروں پر چاہیے مسلمانوں کو گالیاں دینے سے کیا تعلق ان کے باب میں تو رحماء بینهم کا ارشاد اسی سے متصل کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب کا روئے سخن گالیوں میں صرف علماء و مشائخین اہل اسلام کی طرف ہے اگر بزعم مرزا صاحب وہ گناہ گار بھی ہوں تو کیا اسلام سے خارج سمجھے جائیں گے۔ پھر اشداء علی الکفار سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ برخلاف اس کے برے القاب سے مسلمانوں کا ذکر ممنوع ہے کما قال تعالیٰ: ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک هم الظالمون ○ یعنی عیب مت کرو آپس میں ایک دوسرے کا اور مت پکارو ایک دوسرے کو برے نام سے برا نام گناہگاری ہے پیچھے ایمان کے اور جو کوئی توبہ نہ کرے وہ ظالموں سے ہے۔ تفسیر خازن میں بروایت ترمذی منقول ہے کہ بعض لوگوں کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے جن میں وہ بعضوں کو ناپسند کرتے تھے اور اگر کوئی ناپسندیدہ ناموں سے ان کو پکارتا تو وہ

رنجیدہ ہوتے ان کے باب میں یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی اور لکھا ہے کہ: **لا تلمزوا انفسکم** یعنی اپنی ذاتوں کو عیب مت لگاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی مسلمان کو عیب لگایا تو گویا وہ عیب تم نے اپنے آپ کو لگایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن اس درجے کے اتحاد کی تعلیم کر رہا ہے کہ سب مسلمان آپس میں **کنفس واحدة** ہو جائیں اور عمل یہ ہو رہا ہے کہ صرف عیب ہی نہیں لگائے جاتے بلکہ مغلظات کی بوچھاڑ کی جاتی ہے جس سے اعلیٰ درجے کی دشمنی باہم پیدا ہو جائے اس پر اصلاح قوم کا دعویٰ۔ اب رہا یہ کہ خدائے تعالیٰ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے سو اس میں یہ کلام ہے جب آیات و احادیث مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ بدگوئی سے خدا اور رسول منع فرماتے ہیں اور منع ہی نہیں بلکہ سخت سخت اس پر وعیدیں ہیں تو کسی کو حق نہیں کہ اپنے مالک اور خالق سے پوچھے کہ جس کام سے آپ منع کرتے ہیں اس کے آپ کیوں مرتکب ہیں۔ دیکھ لیجئے تکبر اور تعلّی سے حق تعالیٰ نے بندوں کو منع فرمایا ہے اور خود متکبر ہے کیا کوئی اس سے پوچھ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ**o یعنی خدائے تعالیٰ جو چاہے کرے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور وہ سب سے پوچھے گا کہ یہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے امت کو چار سے زیادہ عورتوں کی اجازت نہیں دی اور خود بدولت کے نو یا اس سے زیادہ ازواج مطہرات تھیں اس کے سوا اور بہت سی خصوصیات تھیں جو علماء پر پوشیدہ نہیں۔

اب استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے کہ اگر بقول مرزا صاحب قرآن میں گالیاں ہیں بھی تو وہ کن کو دی گئی ہیں اور اس کا منشا کیا ہے۔ جو لوگ اپنے خالق کو خالق نہ سمجھیں اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت کی پرستش کریں اور بجائے شکر کے ناشکری کریں اور حق تعالیٰ پر بدنما تہمتیں لگائیں اور اس کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور کھلی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی اعتبار نہ کریں اور قدرت الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو زجر و توبیخ تو کیا اس سے

زیادہ کے مستحق ہیں بھلا مرزا صاحب ان میں سے ایک بات تو اپنے مخالفین میں بتا دیں سو اس کے کہ ان کی جعلی اور بے ضرورت نبوت کو نہیں مانتے۔ جن لوگوں نے ان کی عیسویت کو قبول کرلیا ہے اور ایماندار سمجھے جاتے ہیں ان میں تقرب الی اللہ کی کونسی بات زیادہ ہوگئی جو سب میں نہیں سوائے چند چیزوں کے جو ان کی عیسویت کے مزاحم ہیں مثلاً نبی کریم ﷺ کے معراج کا انکار، عیسیٰ علیہ السلام کی موت، قرآن میں جو انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا ذکر ہے اکثر ان میں مسمریزم اور سحر تھے، مرنے کے بعد اس عالم میں کوئی زندہ نہیں ہوسکتا اور اس قسم کی خبریں جو قرآن میں دی گئیں وہ خلاف واقع ہیں، حشر اجساد کا انکار۔

غرض کہ یہی چند مسائل کا اختلاف معیار کفر و ایمان ٹھہرایا گیا کافر ملعون وغیرہ القاب انہی چند خیالات اور اختراعات کے نہ ماننے کی وجہ سے دیئے جارہے ہیں یہاں مرزا صاحب بھی غور فرمائیں کہ اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے ان امور میں جو ہمارے اعتقاد ہیں اگر وہ ہمارے تراشیدہ اور اختراعی ہوتے تو یہ اعتراض ہوسکتا کہ **کل بدعة ضلالة و کلُّ ضلالةٍ فی النار** ہمارے اعتقاد تو قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہیں پھر کیونکر ہوسکے گا کہ باوجود اسلام کے دعوے کے ہم اس کو چھوڑ دیں۔

ہم کتنا ہی عاجزی سے کہیں ہمیں یقین نہیں کہ مرزا صاحب اس طریقہ سب وشتم کو چھوڑیں گے کیونکہ انہوں نے تو اسی کو تکمیل عیسویت سمجھ رکھا ہے اور نیز اس الہام کو پورا کرتا ہے کہ جو ان کے مقابلے کو کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ ہوگا اور ان کی امت کو بھی سب وشتم کی ضرورت ہے تاکہ اس الہام کا مضمون پورا ہو اور ان سے یہ تو امید نہیں کہ اپنے نبی کی مخالفت کر کے ہمارے نبی ﷺ کے طریقہ عمل اور ارشادات پر عمل کریں اور نرمی اور تہذیب کو کام میں لائیں۔ اگر ایسا کیا تو اپنے نبی کی امت سے خارج ہوئے جاتے ہیں غرض کہ اس باب میں وہ بھی معذور ہیں اس موقع پر ہم لوگوں کو ضرور ہے کہ اس آیہ شریفہ کو پیش نظر

رکھیں جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا**۔ ترجمہ: البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے اور البتہ سنو گے اہل کتاب اور مشرکین سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اس آیہ شریفہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ صبر کرنے میں ہم لوگ ہمت نہ ہاریں تھوڑے دن کسی طرح گزر جائیں گے اور اس کا عمدہ بدلہ حق تعالیٰ عطا فرمائیگا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ آیہ شریفہ میں تو اہل کتاب اور مشرکین کا ذکر ہے جن کی ایذا پر صبر باعث اجر ہے اور مرزا صاحب تو نہ اہل کتاب سے ہیں، نہ مشرک ہیں۔ بلکہ اس شبہ کا جواب یہ سمجھا جائے کہ مرزا صاحب اس باب میں عیسائیوں کے مقلد ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور جس دین کے لوگوں کا جو کوئی مقلد ہو وہ اسی میں سمجھا جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حنفی، شافعی وغیرہ سب محمدی ہیں۔ اس صورت میں جو بات ہم کو عیسائیوں کی اذیت رسانی میں حاصل ہونے والی ہے مرزا صاحب اور ان کی امت کے سب وشتم میں بھی وہی حاصل ہے اور یہ دراصل ہمارے اسلام کا طریقہ کل انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جس پر قرآن کریم شاہد ہے مثلاً **فقولا له قولا لينا** وغیرہ سے ظاہر ہے۔ سراج الملوک میں نقل کیا ہے **مر المسيح** علیہ السلام **على قوم من اليهود فقالوا له شرا وقال لهم خيراً فقيل له انهم يقولون شراً وانت تقول خيراً فقال كل ينفق بما عنده** یعنی مسیح علیہ السلام کا گزر یہود کی کسی قوم پر ہوا وہ لوگ آپ کو دیکھتے ہی بری بری گالیاں دینے لگے مگر آپ نے نہایت عمدگی سے ان کے جواب دیئے کسی نے آپ سے کہا کہ وہ تو سختی اختیار کر رہے ہیں اور آپ اس عمدگی سے پیش آرہے ہیں فرمایا ہر شخص وہی خرچتا ہے جو اس کے پاس ہو۔ الحاصل مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ میرا مقابل ذلیل وشرمندہ ہوگا مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ خبر غلط نکلی کہ مرزا صاحب خود ہی

ذلیل و شرمندہ ہوئے جیسا مناظروں وغیرہ سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ فی الواقع ان کو کوئی خبر نہیں دی گئی تھی صرف تخویف کی غرض سے انہوں نے وہ مشہور کر دیا تھا مگر مرزا صاحب اور ان کے اتباع یاد رکھیں کہ ایسی تخویفوں سے مسلمانوں کو کوئی جنبش نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ○ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ○ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○** یعنی مسلمانوں سے جب کہا گیا کہ دیکھو تمہارے مارنے کے واسطے لوگ جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ ہمارا اچھا وکیل ہے سو ان کو کوئی برائی نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے ساتھ رہے اور وہ جو ڈراتا ہے شیطان ہے اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس کے ڈرانے سے ڈرنے والے شیطان کے دوست ہیں سو تم ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسی تخویفات سے ڈرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور مسلمان نہیں۔ اب غور کیا جائے کہ خدا اور رسول کے کلام کی کوئی تکذیب کر کے اس کی حمایت کرنے والوں کو ذلت سے ڈرائے تو کیا ممکن ہے کہ وہ بزدلی کر کے چپ رہ جائیں گے ہرگز نہیں گالیوں کی ذلت تو کیا قتل کی تخویف سے بھی وہ نہیں ڈرتے۔

جس طرح مرزا صاحب نے ذلت سے ڈرایا اسی طرح تخویف کے لئے وہ یہ خواب بھی بیان فرماتے ہیں جو ازالۃ الاوہام صفحہ ۸۶ میں درج ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اسکو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے

ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزار ہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں۔ اس خواب سے بھی مرزا صاحب کا مقصود مخالفین کی تخویف اور معتقدوں کا اعتقاد بڑھانا ہے کہ وہ اس غیبی تلوار سے دائیں بائیں مسلمان اور کفار کو تہ تیغ کریں گے کیونکہ جہلاء کو تعبیر تو معلوم ہی نہیں ہو سکتی اس لئے وہ ظاہری مفہوم کو سچ سمجھ لیں گے دراصل تعبیر پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں۔ البتہ بطور خود جب اس کا ظہور ہو جاتا ہے تو اس وقت یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ صورت مثالیہ جو دکھلائی گئی تھی اس سے وہی مراد ہے جس کا ظہور ہوا۔ جب ہمارے مشاہدے سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب ایک طرف آیات واحادیث پر وار کر رہے ہیں اور دوسری طرف اقوال سلف پر تو کھلے طور پر معلوم ہو گیا کہ اس کی تعبیر یہی ہے جو ظہور میں آ گئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تلوار کی نوک جو آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ اشارہ کر رہی ہے کہ علوم سماویہ کو ان سے ضرر پہنچے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسئلہ معراج وحشر اجساد واحیائے اموات وحیات مسیح علیہ السلام وغیرہ مسائل میں بہت سے مسلمانوں کے دل میں خدشے پیدا ہو گئے اور بہتوں نے تو **امنا و صدقنا** بھی کہہ دیا۔ داہنی طرف ان کے مخالف آیات واحادیث ہیں بائیں طرف اقوال سلف جن کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں۔ ہر چند مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنے مخالف سمجھتے ہیں مگر دراصل ان کو کوئی مخالفت نہیں۔ منشا مخالفت کا یہی ہے کہ وہ آیات و احادیث واقوال سلف پر تعدی کر رہے ہیں جن کی حمایت ہر مسلمان پر فرض عین ہے ورنہ جب تک مرزا صاحب کا حال کھلا نہ تھا براہین احمدیہ وغیرہ کے طبع میں کس قدر تائیدیں دیں اور اگر مخالفین سے مراد اہل اسلام ہی ہوں تو ان کا قتل ہو جانا ظاہر ہے اس لئے کہ جب مرزا صاحب کی تقریر جو تیغ بران سے کم نہیں ان پر اثر کر گئی اور آیات قرآن اور احادیث سے ان کا ایمان ہٹ گیا اور مرزا صاحب کے متبع ہو گئے تو ان کے قتل معنوی میں کیا شک یہ ہلاکت ایسی نہیں ہے جس کے ہم پلہ موت ہو سکے بلکہ وہ ہلاکت ابدی ہے **اعاذنا باللہ وایاھم**

منہ۔ اب مرزا صاحب کی اس تقریر پر غور کیجئے جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائیگا اور جہل شیوع پائے گا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے **لو کان الایمان معلقا عند الثریا لناله رجل من فارس** یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا۔ جب خواب مرقوم الصدر کی تعبیر مشاہدے سے ثابت ہوگئی تو اس خواب والی شمشیر نے اس کشف کو بے سروپا کر دیا کیونکہ تلوار کی نوک بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ اگر قرآن بالفرض ثریا پر پہنچ جائے تو اس کو مرزا صاحب وہاں بھی نہ چھوڑیں گے اس لئے کہ تلوار کی نوک جہاں پہنچے اس سے وہاں وہی کام لیا جائیگا جو اس کے لائق ہے۔

ایک دلیل نبوت اور عیسویت پر ان کی یہ ہے کہ الہام ہوا کرتے ہیں اور اس دلیل کو بنسبت دوسرے دلیلوں کے قوی بتلاتے ہیں یہاں تک کہ فرماتے ہیں ہمارا دعویٰ الہام سے پیدا ہوا ہے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات الہام سے معلوم ہوئی اور اپنے کل فضائل کلیہ اور جزئیہ اور خلیفۃ اللہ اور عیسیٰ موعود اور رسول اللہ وغیرہ ہونا بھی الہام سے معلوم ہوا۔ مگر الہام ہونے کی جو خبریں دیتے ہیں ان میں یہ کلام ہے کہ سوائے ان کے مجرد قول کے اس پر کوئی گواہ نہیں چونکہ انہوں نے حدیث شریف کے راویوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ جائز ہے کہ انہوں نے عمداً یا سہواً خطا کی ہو تو ہم اس موقع میں کہہ سکتے ہیں کہ جب راویوں میں صحابہ بھی شریک ہیں تو یہ احتمال وہاں تک پہنچ رہا ہے اور اس احتمال کو جب اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ تمام اہل اسلام کے مسلّم اشخاص پر شامل ہو رہا ہے تو مرزا جی کے قول کے مطابق ان کے الہامی خبروں میں بھی وہی احتمال پڑ گیا کہ جائز ہے کہ عمداً یا سہواً انہوں نے خطا کی ہو اور انہیں کی تصریح کے مطابق کہ: **اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال** ان کا کوئی الہام قابل استدلال نہ رہا۔

میاں عبدالحق صاحب کو مرزا صاحب کے جہنمی ہونے پر اس تصریح سے الہام ہوا تھا کہ **سیصلی نار ذات لھب** یعنی قریب ہے کہ مرزا دہکتی آگ میں داخل ہوگا اس پر مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ (یہ الہام شیطانی ہے) اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دیکر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ اور استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے یہاں ایک قاعدہ بتلا دیا کہ جب کسی چیز کی طرف توجہ تام ہوتی ہے تو شیطان آرزو میں دخل دیتا ہے اور اس وقت جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب ابتدائے شعور سے کتب مذاہب باطلہ کی طرف متوجہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر انہوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر ہی ڈالا۔ اس عرصے میں ہر وقت شیطان کو موقع ملتا رہا اور وقتاً فوقتاً الہام کرتا رہا جو براہین احمدیہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں اور اب تک اس کا سلسلہ منقطع نہیں بلکہ صفائی اور بڑھتی جارہی ہے چنانچہ **کن فیکون** والا الہام اسی آخری زمانے کا ہے انہوں نے جو قاعدہ ایجاد کیا ہے اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ **سیصلی نارا** کے الہام کے جواب میں **تبت یدا ابی لھب** کا الہام ہو گیا جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۹۴ میں یہ الہام لکھتے ہیں **ویخوفونک من دونہ ائمۃ الکفر تبت یدا ابی لھب وتب**۔ الغرض اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو شیطانی الہام ہوا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہے کہ عوام الناس تو کیا انبیاء کے الہاموں میں بھی شیطان کا دخل ہوا کرتا ہے چنانچہ چار سو نبیوں کے الہام ایک ہی واقعے میں شیطانی اور جھوٹے نکلے، کما مر۔ جب انبیاء کے الہام بحسب اقرار مرزا صاحب جھوٹے

نکلے تو مرزا صاحب کے الہاموں کا جھوٹے اور ساقط الاعتبار ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور یہ ظاہر ہے کہ پیشگوئی بغیر الہام کے ہو نہیں سکتی اس لئے کہ آئندہ ہونے والے واقعے اور غیب کی باتیں جب تک خدائے تعالیٰ الہام کے ذریعے سے معلوم نہ کرائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب ان کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں تو معلوم ہوا کہ اس کے متعلق الہام بھی شیطانی تھے۔

کئی واقعات سے مرزا صاحب کا جھوٹ کہنا بلکہ جھوٹی قسمیں کھانا اور خیانت اور بدنیتی وغیرہ حالات معلوم ہوئے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ رتبہ الہام بغیر اعلیٰ درجے کے تقدس کے حاصل نہیں ہو سکتا اسلئے مرزا صاحب کے الہام ہرگز قرین صدق نہیں۔

کئی واقعات گواہ ہیں کہ مرزا صاحب نے دنیوی اغراض اور منافع حاصل کرنے کیلئے وعدہ خلافیاں کیں، داؤ پیچ کئے، دھوکے دیئے۔ غرض کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس سے ظاہر ہے کہ الہام بھی انہیں اغراض کی تکمیل کے لئے بنالیا کرتے ہیں ان کو شیطانی الہام بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔

مرزا صاحب نے جس طرح ظاہر بینوں کے لئے عقلی معجزات کی ایک نئی مد قائم کر کے اس میں تمام تدابیر اور داؤ پیچ داخل کر دیئے۔ اسی طرح معتقدین الہام کے لئے الہاموں کے ایجاد کی ضرورت ہوئی جس سے باطنی اور ظاہری لوازم نبوت برائے نام پورے ہو جائیں اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملے کہ اگر مرزا صاحب نبی ہیں تو معجزے اور وحی کہاں؟ اسی لئے انہوں نے اس پر زور دیا کہ الہام ہی کا نام وحی ہے جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔

خوارق عادات بنسبت الہام کے نہایت کم درجہ اور پست مرتبہ ہیں اس لئے کہ بتصریح حکماء واہل اسلام ثابت ہے کہ خوارق کے ظاہر ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں اسی وجہ سے جوگیوں وغیرہم سے بھی خوارق ظاہر ہوا کرتے ہیں اور الہام ربانی سوائے اعلیٰ درجے کے متقی اور اولیاء اللہ کے کسی کو نہیں ہوتے۔ چونکہ خوارق عادات علانیہ دکھلانے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اس میں ایسی پیچیدگیاں ڈال دیں اور شروط کے شکنجے میں داب دیا کہ عمر بھر مرزا صاحب کے خوارق دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہوا اور الہام جو غیر محسوس امر تھا بطیب خاطر اس کو قبول کر کے اس بات پر زور دیا کہ وہ قطعی ہے۔ متدین کو ضرور ہے کہ جب الہام کا نام سن لے تو دم نہ مارے اور یقیناً سمجھ لے کہ واقع میں وہ الہام ہوا ہے اور وہ الہام لوگوں پر حجت بھی ہے۔ کیا ان تصریحات کے بعد بھی اہل دانش اور سخن شناسوں پر مرزا صاحب کے الہاموں کی حقیقت پوشیدہ رہے گی۔

مرزا صاحب الہاموں کو قطعی اور حجت بنانے کی کوشش جو کر رہے ہیں وہ اسی غرض سے ہے کہ ہر ایک مسئلے میں استدلال کی تکلیف سے سبکدوشی حاصل ہو جائے اور یہ مرتبہ حاصل ہو کہ مرزا صاحب جو کچھ کہیں وہ وحی واجب التعمیل سمجھی جائے اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب نے یہ بھی تو کہہ دیا ہے کہ قرآن میں ایک نقطے کی بھی کمی و زیادتی ممکن نہیں۔ اس میں تو کمال درجے کی احتیاط ہے۔ اگر بالفرض کوئی الہام بنا بھی لیا تو وہ مخالف قرآن نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی فقرہ تو مسلمانوں کو دام میں پھانستا ہے۔ جتنے مدعیان نبوت گزرے سب کا یہی دعویٰ تھا مگر آیات قرآنیہ ہی سے انہوں نے حرام کو حلال بنایا تمام عبادات ساقط کر دیئے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب ہی کو دیکھ لیجئے کہ قرآن ہی سے تمام امت کو حتیٰ کہ سلف صالح کو مشرک قرار دیا اور خاتم النّبیین کے الفاظ پر ایمان بھی

ہے باوجود اس کے نبوت اور رسالت کا دعویٰ بھی ہے اور وحی بھی برابر نازل ہوتی ہے اور معجزے بھی متواتر صادر ہو رہے ہیں اور لوگ بھی ایمان لاتے جا رہے ہیں۔ حشر اجساد کا انکار، معراج کا انکار، صلبی فرزند محروم الارث، انبیاء ساحر، قرآن میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ مسمریزم وغیرہ باوجود اس کے قرآن میں ایک نقطہ کی کمی زیادتی ممکن نہیں۔

الحاصل جب ایک احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے تو مرزا صاحب کے الہام شیطانی بلکہ مصنوعی ہونے پر تو اتنے دلائل موجود ہیں پھر وہ ان کی نبوت اور عیسویت پر کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں۔

ایک دلیل عیسویت پر یہ ہے کہ معارف قرآنی دیئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کو جن معارف پر ناز ہے سورہ **انا انزلنا** کی تفسیر ہے جس کو ازالۃ الاوہام میں کئی ورق لکھ کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ معارف کیا کسی اور تفسیر میں مل سکتے ہیں۔ چونکہ وہ نہایت طولانی تقریر ہے جس کو پوری نقل کرنا تضیع اوقات اور تطویل بلاطائل ہے اس لئے ملخصاً چند عبارتیں اس کی نقل کی جاتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ سورۃ القدر کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرمادیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں۔ پس ان آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخت ضلالت اور غفلت کے زمانے میں ایک دفعہ خارق عادت کے طور پر انسانوں کے قویٰ میں خودبخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ پھر وہ حرکت تامہ ہو تو روبحق ہو جاتے ہیں اور حرکت ناقصہ ہو تو اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن ان سب سے بڑی لیلۃ

القدر وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کو عطا کی گئی درحقیقت اس لیلۃ القدر کا دامن آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ قوائے انسانی میں جنبشیں آج تک ہو رہی ہیں وہ لیلۃ القدر کی تاثیریں ہیں اور جس زمانے میں حضرت کا نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں بہت تیز ہوتی ہے۔ نائب کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت حضرت ہی کی لیلۃ القدر کی شاخ ہے اور ظل ہے۔ اس لیلۃ القدر کی شان میں **فیھا یفرق کل امر حکیم** ہے یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانے میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب حضرت کا دنیا میں پیدا ہوگا۔ درحقیقت سورۃ الزلزال میں اسی کا بیان ہے کیونکہ سورۃ القدر میں فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں خدا کا کلام اور اس کا نبی اور فرشتے اترتے ہیں اور وہ ضلالت کی پرظلمت رات سے شروع کر کے صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر سورۃ بینہ میں بیان کیا کہ اہل کتاب اور مشرکین کی نجات پانے کی بھی یہی سبیل ہے کہ خدا نے نبی بھیجا اور زبردست تحریک دینے والے ملائک نازل کئے تھے۔ اس کے بعد اذا زلزلت میں یہ اشارہ کیا کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھ لو تو سمجھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح مع فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے۔ زلزلۃ کی یہ صورت ہے کہ تمام قوائے انسانیہ جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور تمام علوم و فنون ظاہر ہو جائیں گے اور فرشتے جو مرد صالح کے ساتھ آسمان سے اترے ہونگے ہر شخص پر اثر ڈالیں گے۔ اس روز ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ طاقتیں اپنے میں کہاں سے آگئی تب ہر ایک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گا کہ یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر اتر رہی ہے۔ دنیا پرستوں کی تحریکیں صنعتیں اور کلیں ایجاد کریں

گی اور ہر ایک اپنی کوششوں کی ثمرات کو دیکھ لیویں تب آخر ہو جائیگی یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بناء ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے خدا نے اس عاجز کو بھیجا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ **انت اشد مناسبۃ بعیسٰی۔** ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر سورۃ الزلزال کی تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا جس سے زمین کے اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن کے سیاق وسباق سے مخالف ہے انتہی۔

مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ پہلے سورۃ القدر کی شان نزول بیان کرتے جس سے مضمون خود حل ہو جاتا لیکن ان کو تفسیر بالرائے کرنا منظور تھا اس لئے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

درمنثور میں اس سورۃ کی شان نزول کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب امم سابقہ کی درازعمریں اور ان کی عمر بھر کی ریاضتیں دیکھیں اور اس کے بعد اپنی امتیوں کی عمروں کو دیکھا کہ بنسبت ان کے بہت کوتاہ ہیں اس چھوٹی سی عمر میں ان کے سے فضائل کیونکر حاصل کر سکیں گے۔ اس ملال پر رحمت الٰہی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ ہم تمہیں ایک لیلۃ القدر ایسی دیتے ہیں کہ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت ان لوگوں کی اسی (۸۰) برس کی عبادت سے بہتر ہے اور انہیں دنوں میں آنحضرت ﷺ نے خواب بھی دیکھا کہ اپنے منبر پر بنی امیہ کے بعد دیگر چڑھتے جاتے ہیں۔ یہ بات بمقتضائے بشریت ناگوار طبع غیور ہوئی اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ ہزار مہینے وہ لوگ سلطنت اسلامی پر قابض ہونگے مگر فضیلت دنیوی کوئی چیز نہیں آپ کو اس کے مقابلے میں ایک فضیلت اخروی ہم ایسی دیتے ہیں کہ اس کے

معاوضے میں وہ سلطنت ظاہری کوئی چیز نہیں۔ وہ ایک رات آپ کی امت کے لئے اتنی فضیلت کی دی گئی کہ ان ہزار مہینوں سے افضل ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کو امت کی خیر خواہی ہمیشہ سے ملحوظ اور پیش نظر رہتی تھی اس لئے آپ کو جو ان ہزار مہینوں کی سلطنت کا کسی قدر ملال تھا دفع ہو گیا۔ علماء نے حساب کر کے دیکھا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی۔

اب اس کے بعد مرزا صاحب کی پوری تقریر دیکھ لیجئے کہ اس واقعے کے ساتھ اس کو کچھ بھی تعلق ہے۔ اس سورۃ سے مقصود تو آنحضرت ﷺ کی تسلی تھی مگر مرزا صاحب کو اصلی واقعات سے کیا غرض ان کو اپنی عیسویت کے دھن میں کچھ سوجتا ہی نہیں۔ کہاں ہزار مہینے سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا اور کہاں مرزا صاحب کی نیابت اور کلوں کا ایجاد۔ کسی چیز سے دل چسپی اور تعشق بھی بری بلا ہے۔ آدمی کو سوائے اپنی محبوبہ کے کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

نقل مشہور ہے کہ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ خلافت کس کا حق تھا اس نے جواب دیا کہ ہماری لیلیٰ کا حق تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی کہتے ہیں کہ **انا انزلنا** کو کسی سے کچھ تعلق نہیں وہ میری عیسویت کے واسطے اتری ہے۔

مرزا صاحب نے **انا انزلناہ** کی ضمیر مصلح کی طرف پھیری جس کا کہیں ذکر نہیں تمام مفسروں نے وہ ضمیر قرآن کی طرف پھیری ہے چنانچہ بروایات صحیحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ اس رات قرآن شریف لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور بخاری شریف میں ہے **انا انزلناہ الهاء كناية عن القران** مرزا صاحب کو مصلح قوم کی طرف ضمیر پھیرنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

اس موقع میں مرزا صاحب یہی فرمائیں گے کہ آخر قرآن بھی مصلح قوم ہے اس لئے ضمیر **انزلناہ** سے مراد مصلح لی گئی جس کے مفہوم میں خود بھی داخل ہیں مگر یہ توجیہ درست نہیں اس لئے کہ اول تو مرزا صاحب مصلح قوم ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ انہوں نے تو

کروڑہا مسلمانوں کو مشرک اور کافر بنا دیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک تمام قوم فاسد اور ہلاک ہوگئی اور ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی قوم فاسد ہو جائے وہ مفسد قوم سمجھا جائیگا۔ غرض کہ انہیں کے اقرار کے مطابق وہ مصلح قوم نہیں ہو سکتے۔ پھر قرآن کا مفہوم عام مصلح قوم کا صادق آنے سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جس طرح قرآن **لیلۃ القدر** میں اترا ہے۔ ہر مصلح قوم بھی **لیلۃ القدر** میں اترتا ہے۔ یہ بات تو ادنیٰ طالبعلم بھی جانتا ہے کہ کسی جزئی پر کوئی مفہوم عام اور کلی صادق آئے تو یہ ضرور نہیں کہ لوازم اس جزئی کے دوسری جزئیات پر بھی صادق آجائیں جن پر وہ مفہوم عام صادق آتا ہے کوئی جاہل یہ نہ کہے گا کہ غلام احمد چونکہ مرزا ہیں اور قادیان میں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے جتنے مرزا ہیں سب قادیان ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے جس بات پر اپنے معارف کی بنیاد رکھی ہے وہ کئی طرح سے غلط ثابت ہوئی۔ ایک یہ کہ ضمیر کے مرجع میں قصداً غلطی کی۔ دوسرے اپنے آپ کو مصلح قرار دیا۔ تیسرے ایک جزئی کے لوازم مختصہ کو دوسری جزئی میں ثابت کیا۔ پھر مصلح قوم کی اگر تعمیم کی جائے تو **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** کے لحاظ سے کل علمائے امت مصلح ہیں جب سے کوئی زمانہ خالی نہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی خصوصیت ہی کیا اور وہ بات کیونکر صادق آئے جو لکھتے ہیں کہ جب مصلح قوم اترتا ہے تو انسانی قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوتی ہے اور حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نیابت کی یہ دلیل قرار دی کہ علوم اور صنعتیں اس زمانے میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صنعتوں کا ظہور زیادہ ہوتا حالانکہ وہ زمانہ نہایت سادہ فطرتی طور پر تھا۔ البتہ دین کی ترقی اس زمانے میں روزافزوں تھی بخلاف مرزا صاحب کے زمانہ نیابت کے

کہ دنیا کی ترقی روز افزوں ہے اور دین کا انحطاط دیکھ لیجئے۔ مرزا صاحب کے اوائل زمانے میں کروڑہا مسلمان تھے جن کا مشرک اور بے دین ہونا محال تھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھ چکے ہیں جس کا حال اوپر معلوم ہوا اور شاید دس پندرہ سال بھی نہیں گزرے کہ انہیں کروڑہا مسلمانوں کو انہوں نے یہودی اور مشرک و بے دین بنا دیا اب خود ہی غور فرمائیں کہ یہ نیابت آنحضرت ﷺ کی ہوئی یا کسی اور کی۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ حضرت کی **لیلۃ القدر** کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر ایک تھی اور مرزا صاحب کی لیلۃ القدر دوسری۔ یہ بھی خلاف احادیث صحیحہ ہے جن سے ثابت ہے کہ حضرت کے زمانے میں بھی لیلۃ القدر ہر سال ہوا کرتی تھی اور قیامت تک ہر سال ہوا کریگی۔ مسند امام احمد ابن حنبل اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ **عن عائشۃ** رضی اللہ عنہا **قالت قلت یا رسول اللہ ان وافقت لیلۃ القدر فما اقول قال قولی اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی** یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر لیلۃ القدر پاؤں تو کیا دعا کروں۔ حضرت ﷺ نے ان کو یہ دعا تعلیم کی۔ اس کے سوا لیلۃ القدر ہر سال ہونے کی احادیث بکثرت مذکور ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے ہیں۔ اب مرزا صاحب کی خودغرضی کو دیکھئے کہ اپنی ایک لیلۃ القدر کے واسطے صدہا لیالی قدر کا خون کیا۔

حق تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا نہ اس میں امتداد کا ذکر ہے، نہ اس کے دامن دار ہونے کا۔ اور مرزا صاحب اس کو دامن دار اور شاخ دار بتا رہے ہیں ان کے قول پر اگر **الشاۃ خیر من فیل** کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھی سے بکری زیادہ اونچی ہے جس کا قائل کوئی عاقل نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب نے چند قادیانی بننے والوں کو دیکھا کہ اپنا مذہب اور دین چھوڑ کر

دوسرے مذہب کی تفتیش کر رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اندرونی تحریک کی ضرورت ہے اس پر یہ قیاس جمایا کہ روح القدس اس کا محرک ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ انسانوں کے قویٰ میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت شروع ہو جائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا نہیں ہوتی اور روح کا اترنا لیلۃ القدر میں ثابت ہے اس سے یہ بات نکالی کہ جتنے اس قسم کے ایام ہیں سب لیلۃ القدر ہیں۔ رات کو دن بنا دینا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ بھی مرزا صاحب ہی کی ہمت کا خاصہ ہے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اہل اسلام کو تفتیش مذہب کے لئے اندرونی تحریک کرنا کیا روح القدس کا کام ہوگا یا شیطان لعین کا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں سے دین اسلام ترک کرانے کے لئے روح القدس آسمان سے اترتے ہیں۔ پھر دوسرا اندھیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے نزول ملائکہ کے لئے طلوع فجر سے پہلے کا زمانہ معین فرمایا ہے جیسا کہ **حتی مطلع الفجر** سے ظاہر ہے۔ مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے صبح صادق تک کام میں لگے رہتے ہیں یعنی دن رات اسی کام میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا مذہب وملت چھڑا دیں اس کے بعد سورۂ **اذا زلزلت** میں **یومئذ** کا لفظ دیکھ کر مرزا صاحب نے **لیلۃ القدر** کی جوڑ ملا دی اور **لیلۃ القدر** جس کی نسبت حق تعالیٰ نے **خیر من الف شھر** فرمایا ہے اسکو ضلالت اور ظلمت کی رات قرار دی جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہزار مہینے سے بدتر ہے۔ دیکھئے کس قدر قرآن کی اور خدا کی مخالفت کی۔ کیا کوئی مسلمان اس بات پر راضی ہوگا کہ جس رات کی تعریف خدائے تعالیٰ نے کی ہے اور صحیح روایتوں سے اس کی فضیلت ثابت ہے اس کو ضلالت کی رات سمجھے۔

پھر مرزا صاحب نے **اذا زلزلت** کی تفسیر کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ

جو فرماتا ہے کہ زمین کو زلزلہ ہوگا غلط ہے صحیح یہ ہے کہ آدمی کی قوتیں حرکت کریں گی اور خدائے تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ اس کے خزانے وغیرہ اثقال جو اس میں مدفون ہیں نکل پڑینگے وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ علوم وفنون ظاہر ہونگے اور خدائے تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ زمین اس روز باتیں کریں گی وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے۔ استعداد انسانی بزبان حال باتیں کریگی۔ مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے جو تفسیر کی ہے کہ زمین کو زلزلہ آئیگا اور اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی اور زمین باتیں کرے گی یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی سراسر زیادتی ہے۔ ہمارے علماء نے سوائے قرآن پر ایمان لانے کے اور کچھ نہیں کیا کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ جس طرح مرزا صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ **النصوص یحمل علی الظواھر** .ظاہر آیات کی تصدیق کی البتہ مرزا صاحب کو ان کی عقل نے ایمان سے روک دیا۔ انہوں نے لڑکپن سے دیکھا ہے بات دو انگل کی زبان سے ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی عقل نے صاف حکم کر دیا ہے کہ کلام الٰہی غلط ہے اگر خدا بھی چاہے کہ زمین سے بات کرائے تو وہ ممکن نہیں اس لئے کہ اس کو زبان نہیں۔ اگر مرزا صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بات کرنے کے لئے گوشت کا لوتھڑا ضروری ہے تو یہ لازم آئیگا کہ خدائے تعالیٰ بات کرانے میں (نعوذ باللہ) اس لوتھڑے کا محتاج ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ گونگوں اور جانوروں کے بھی زبان ہوتی ہے۔ مگر بات نہیں کر سکتے اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے جیسے اس لوتھڑے کو یہ قوت کلام بخشی ہر چیز کو یہ قوت بخش سکتا ہے تو پھر زمین کے بات کرنے میں کیا کلام اور اس میں خدائے تعالیٰ کی تکذیب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب اہل انصاف غور کریں کہ جب مرزا صاحب کی عقل اس درجے کی قوت پر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے بھی مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہے تو کیا ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ان کا مقابلہ کر سکے اور اگر کسی نے کیا بھی تو کیا مرزا صاحب اس کو تسلیم کریں گے۔ اگر

اہل اسلام کو اپنا ایمان بچانا منظور ہے تو مرزا صاحب کی عقل کے دام سے بچیں اور یاد رکھیں کہ ذرا بھی ان کی طرف مائل ہو گئے تو دلوں میں کجروی کا مادہ پیدا کر دیا جائے گا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ **فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ**o وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ.

الحاصل مرزا صاحب کے معارف کا یہ حال ہے جو آپ نے دیکھ لیا کہ نہ قرآن سے کام ہے، نہ حدیث سے، نہ عقل سے۔ کیونکہ اگر عقل سے کام لیا جاتا تو لیلۃ القدر کی تعریف کر کے اس کی مذمت نہ کرتے اور زمین کے بات کرنے سے انکار خدا کی قدرت پر ایمان لانے کے بعد نہ کرتے۔ الغرض بے تکی باتیں ملانے کا نام انہوں نے معارف رکھ دیا اور اسی کو اپنی عیسویت کی دلیل قرار دی ہے۔

رسالہ قطع الوتین باظہار کید المفترین صفحہ ۲،۳ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب مفتری علی اللہ ہوتے تو تیئیس (۲۳) سال یا اس سے زیادہ ان کو مہلت نہ ملتی اور مرزا صاحب نے بھی اشتہار جاری کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا مفتری علی اللہ دکھاوے جس نے تیئیس (۲۳) سال کی مہلت پائی ہو تو ہم اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ اس پر حافظ محمد یوسف صاحب نے ایک فہرست ہی پیش کر دی جس میں تیئیس (۲۳) سال سے زیادہ جن مفتریوں کو مہلت ملی انکے نام درج تھے۔ مگر مرزا صاحب نے نہ اس کا جواب دیا، نہ اس وعدے کا ایفا کیا جو اشتہار میں کیا تھا۔ فہرست رسالہ مذکورہ میں لکھ دی گئی ہے۔ اصل دلیل ان کی یہ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ**o **لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ**o **ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ**o یعنی نبی کریم ﷺ کوئی بات اپنے دل سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے یعنی ہلاک کر دیتے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود بھی خدا پر افتراء

کئے ہوتے تو اس آیہ شریفہ کے مطابق بہت جلد ہلاک کر دیئے جاتے اور اس میں ان کی خصوصیت نہیں جس نے خدا پر افتراء کیا فوراً ہلاک کر دیا گیا کوئی تیئیس (۲۳) سال تک زندہ نہ رہا اگر رہا تو اس کا نام بتایا جائے۔

مرزا صاحب تیئیس (۲۳) سال سے زیادہ زندہ رہنے والے مفتریوں کی نظیریں جو طلب فرماتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیا اس مدت کو مفتری کی براءت میں کوئی خصوصیت ہے۔ کیا تیئیس (۲۳) برس تک کوئی مفتری زندہ نہیں رہ سکتا اور بائیس (۲۲) برس تک رہ سکتا ہے۔ اگر ایک سال بھی کسی مفتری کو مہلت ملے تو وہ بھی مثل مرزا صاحب کے کہہ سکتا ہے کہ اگر میں مفتری ہوتا تو اتنی مدت جس میں پوری چار فصلیں گزریں مجھے کبھی مہلت نہ ملتی کیا یہ قول اس کا قابل تسلیم ہوسکتا ہے۔ الغرض مرزا صاحب تیئیس (۲۳) برس کی مدت جو مقرر کر رہے ہیں وہ درست نہیں۔ صرف ایسے لوگوں کی فہرست کافی تھی جن کو باوجود افتراء کے کچھ مہلت ملی۔ اصل یہ ہے کہ دار الجزا قیامت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّمَا یُؤَخِّرُهُمْ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ**۔ اگر افتراء کا یہ لازمہ ہوتا کہ اسی عالم میں اس کی سزا ہو جائے تو تخلف لازم کا ملزوم سے عقلاً درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم ہوتا کہ بمجرد افترا کے فوراً سزا ہو جائے حالانکہ مرزا صاحب بھی اس کے قائل ہیں کہ مسیلمہ کذاب وغیرہ گزرے ہیں اور ان کو بمجرد افتراء کے سزا نہیں ہوئی اور ایسے لوگ دس بیس سال بھی اکثر زندہ رہے ہیں۔ مسیلمہ کذاب ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس قدر اس کو مہلت ملی کہ لاکھ آدمی سے زیادہ اس نے فراہم کر لئے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ خود نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور حضرت ﷺ کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کل صحابہ موجود تھے۔ ہدایت روز افزوں ترقی پر تھی ملک خاص عرب کا تھا جس کو منبع ہدایت ہونے کا فخر حاصل ہو چکا تھا ایسے متبرک زمانے اور متبرک مقام میں جب اس کو اس قدر مہلت ملی تو اس زمانے میں جو

ضلالت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں کسی مفتری علی اللہ کو پچیس تیس سال مہلت مل جائے تو کیا تعجب ہے بلکہ زمان و مکان وغیرہ حالات کی مناسبت سے دیکھا جائے تو اس زمانے میں مفتری کو ایک دن مہلت ملنا اس زمانے کے پچاس تیس سال کی مہلت کے برابر ہے۔ الغرض اس سے ثابت ہے کہ مفتری علی اللہ کو مہلت ملا کرتی ہے اور وہ استدراج ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ** یعنی مہلت دیکر آہستہ آہستہ ان کو ایسے طور پر ہم کھینچتے ہیں کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مرزا صاحب جو جلدی فرماتے ہیں کہ اگر مفتری ہوں تو چاہیے کہ عذاب اتر آئے سو اس کا جواب قرآن شریف میں پہلے ہی ہو چکا ہے قولہ تعالیٰ **وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ** یعنی اگر ان کے عذاب میں تاخیر کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو کس نے روکا یاد رہے کہ جب وہ آئیگا تو پھر نہ پھریگا۔ قرآن میں جو واقعات مذکور ہیں۔ اگر پیش نظر ہوں تو معلوم ہوسکتا ہے کہ زیادتی مہلت کا سبب زیادتی غضب الٰہی ہوتا ہے کہ مفتری دل کھول کر افترا پردازیاں کرے اور پورے طور پر حجت قائم ہو جائے چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا** یعنی ہم اسی واسطے ان کو مہلت دیتے ہیں کہ خوب گناہ کریں۔

اور آیہ شریفہ **وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ** سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسلئے کہ تمام انبیاء خصوصاً ہمارے نبی ﷺ اعلیٰ درجے کے مقرب بارگاہ الٰہی ہیں ان کی شان یہی ہے کہ افتراء وغیرہ رذائل کا خیال تک نہ آنے دیں اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بفرض محال وہ ایک بھی افتراء کرتے تو ہلاک کر دیئے جاتے اور دوسرے انبیاء کے حالات سے بھی ظاہر ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ خلاف مرضی حرکات سے سخت مصیبتیں ان پر ڈالی گئیں۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ اسی کام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں

ان کا تو لازمہ یہی ہے کہ عمر بھر ایسے ہی کام کیا کریں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ** یعنی شیاطین انس و جن کو ہر نبی کے دشمن ہم نے مقرر کر دیئے تھے اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا** یعنی ہر بستی میں بڑے بڑے گناہ گار ہم نے پیدا کر دیئے تاکہ ان میں مکاریاں کریں۔

الحاصل تیئس (۲۳) سال یا اس سے زیادہ کوئی مفتری علی اللہ زندہ رہے تو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ وہ مفتری نہیں بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ اسی کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر مثل فرعون کے صدہا سال بھی زندہ رہے گا تو وہی اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہے گا جس کام کے لئے اسے مقرر کیا گیا ہے۔

یہ ادعائی مسیح کی نشانیاں اور دلائل تھے اب اصلی عیسیٰ علیہ السلام کی علامتیں بھی سنیے جو صحیح صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ مگر اس مقام میں پہلے غور کر لیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں آنا کوئی عقلی مسئلہ نہیں جس میں رائے لگائی جائے۔ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں اگر علیحدہ کر دیئے جائیں تو یہ مسئلہ اس قابل نہیں رہتا کہ جس کی طرف توجہ کی جائے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کو نیچروں سے شکایت ہے کہ ان احادیث کو وہ مانتے ہی نہیں۔ غرض کہ مرزا صاحب اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں ضرور مانی جائیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام مانتے ہیں اور ان کے ظاہری معنی بطور خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام میں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ درست نہیں بلکہ ایسے طور پر ان احادیث کے معنی لئے جائیں کہ اپنے پر یعنی مرزا صاحب پر صادق آجائیں اور نبی کریم ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کا نام جو لے لیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر عیسیٰ ابن مریم دجال اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی

تھی۔ (ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۹۰) اور انبیاء پیش گوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں غلطی کھاتے ہیں جس کا مطلب اور ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو عیسیٰ ابن مریم روح اللہ کے نزول کی خبر دی ہے وہ غلط ہے درحقیقت عیسیٰ موعود غلام احمد قادیانی ہیں اور ان کے خوارق عادات کوئی ظاہر نہ ہونگے بلکہ ردّ نصاریٰ میں چند معمولی تقریریں لکھ دیں گے اور ان تمام حدیثوں کی پیش گوئی پوری ہو جائے گی۔ **سبحان اللہ "کوہ کندن و موش بر آوردن"** کا مضمون یہاں پورا پورا صادق آ رہا ہے۔ احادیث نزول عیسیٰ علیہ السلام کس شدومد سے ثابت کئے گئے اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پنجابی شخص پیدا ہو کر رد نصاریٰ میں چند معمولی تقریریں لکھ دے گا۔ اس باب میں مرزا صاحب کو تکلیف گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بفضلہٖ تعالیٰ ردّ نصاریٰ کرنے والے اس وقت ایسے بہت سارے لوگ موجود ہیں کہ جو اپنی عمر بھر کی مزاولت کی وجہ سے مرزا صاحب سے کہیں زیادہ اس باب میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ اسلئے کہ مرزا صاحب کی عمر کا ایک معتدبہ حصہ تو متفرق مذاہب باطلہ کی کتابوں کے مطالعے میں صرف ہوا اور اس کے بعد جب یک سوئی حاصل ہوئی تو دعویٰ عیسویت شروع ہوا اور اس میں اس قدر استغراق اور انہماک ہے کہ جس کا بیان نہیں اگر مناظرہ ہے تو اسی مسئلے میں اور تصانیف ہیں تو ان میں اسی دعوے کے دلائل ولوازم۔ پھر ان کو ردّ نصاریٰ کی نوبت ہی کہاں آئی۔ براہین احمدیہ میں جو وعدہ کیا تھا اس کا بھی ایفاء نہ کر سکے۔

الحاصل جب یہ مسئلہ نقلی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور ان احادیث پر جو اس باب میں وارد ہیں ایمان لایا گیا تو ان کے ظاہری معنی پر ایمان لانے سے اہل ایمان کیوں روکے جاتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں خود لکھتے ہیں کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے پر اجماع ہے۔ اب ان امور کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ جو عیسیٰ علیہ السلام کی علامات احادیث میں وارد ہیں ان سے مرزا صاحب کو کیا تعلق ہے۔

۱......دمشق میں منار کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا۔ اس حدیث کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں نقل کیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ اس سے مراد قادیان ہے اور وہاں ایک منار اس غرض سے تیار کر دیا کہ اگر دمشق نہیں تو منار ہی سہی جس سے ایک جزو حدیث کا صادق آجائے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کو نیچریوں نے جو نہ مانا اور مرزا صاحب نے مان لیا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہی فرق ہے جو جہل بسیط اور جہل مرکب میں ہوا کرتا ہے۔

۲......عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا حکم عادل ہونا جو اس روایت صحیح بخاری میں مصرح ہے: **عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتّٰی لا یقبلہ احد حتّٰی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدنیا وما فیھا ثم یقول ابوھریرۃ واقرء وا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیٰمۃ یکون علیھم شھیداً.** یعنی قسم ہے خدا کی کہ ابن مریم حاکم عادل ہو کر تم میں اتریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھا دیں گے اور ان کے زمانے میں مال بہت ہو جائیگا کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر چاہو اس کی تصدیق قرآن میں پڑھ لو کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کل اہل کتاب اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے اور وہ اس پر گواہ ہونگے۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عادل ہونگے، کسی پر ظلم نہ کریں گے اور مرزا صاحب کے عدل کا حال آپ نے دیکھ لیا کہ ان کی سمدھن کے بھائی نے جوان

کولڑکی نہ دی تو اس کا وبال اپنی بہو پر ڈالا اور اپنے فرزند کو طلاق پر مجبور کیا۔ میراث پدری سے خلاف شرع محروم کر دیا اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ **ولا تزر وازرۃ وزر اخری** کیا کسی ملت میں اس کو عدل کہہ سکتے ہیں۔ جب مرزا صاحب پر قوائے شہوانیہ اور غضبانیہ کا اس قدر تسلط ہے کہ مہر پدری پر بھی وہ غالب ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیا عدل کریں گے۔

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کس جزم سے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ابن مریم تم میں اتریں گے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کو اس کشف میں غلطی ہوئی۔ اب اہل ایمان غور کریں کہ معمولی آدمی بھی کسی بات پر قسم کھانے میں کمال درجے کی احتیاط کیا کرتا ہے اور ذرا بھی شک ہو تو اس کا ایمان قسم سے اس کو روک دیتا ہے بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ (نعوذ باللہ) غلط بات پر بے دھڑک قسم کھالی اور عمر بھر اسی غلطی پر رہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ﷺ نے رجوع کر کے یہ فرمایا ہو کہ اس کشف میں مجھے غلطی ہو گئی تھی۔ یہ الزام مرزا صاحب جو ہمارے پیارے نبی ﷺ پر لگا رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود حضرت کے کشف اور اقوال کو ساقط الاعتبار کر دینا ہے اس کے سوا جو جو قباحتیں اس میں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل کرنے میں ہمارا قلم یاری نہیں دیتا۔ ایک عقلمند ادنیٰ تامل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس درجے کا حملہ ہے پھر یہ حملہ صرف نبی کریم ﷺ ہی پر نہیں ہے حق تعالیٰ پر بھی ہے کہ ایسے مکرم اور معصوم نبی پر ایک ایسی بات منکشف کر دی جو غلط تھی اور (نعوذ باللہ) اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس غلطی کی اصلاح کر دیتا۔ اب اہل دانش اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایمان خدا اور رسول پر کس قسم کا ہے اور ایسے ایمان کو ایمان کہنا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

۴،۳......صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا جیسا کہ بخاری کی روایت مذکورہ سے ثابت ہے۔

مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کیا ان احادیث پر اجماع ہو سکتا ہے کہ مسیح آ کر جنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھرے گا۔ اور ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ کیا ان کا یہی کام ہو گا کہ صلیبوں کو توڑتے اور خنزیروں کو قتل کرتے پھریں گے۔ اور اسی کے صفحہ ۸۱ میں لکھتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آ کر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالے گا اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی، رواخوکوں کی بے شرمی اور نجاست خواری ہے ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کر دے گا اس سے ضمناً مرزا صاحب کا دعویٰ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے کچل ڈالا اور نصاریٰ کے دلائل کا کام تمام کر دیا مگر قصہ آتھم کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نصاریٰ کے مقابلے میں اسلام ہی کا کام تمام کر ڈالا تھا۔ خیر گزری کہ اہل اسلام نے عملی طور پر ان کو اسلام سے خارج کر دیا ورنہ اسلام پر برا اثر پڑتا جس کا حال اوپر معلوم ہوا پھر یہ بات اب تک معلوم نہیں ہوئی کہ مرزا صاحب کے دلائل سے عیسائی مذہب کی شان و شوکت میں کیا فرق آ گیا۔ پادریوں کے حملے جیسے پہلے تھے اب بھی ہیں اور جس طرح پہلے ان کی قومی ترقی تھی اب بھی جاری ہے۔ غرض کہ کسر صلیب کے معنی کو مرزا صاحب نے گو بدل دیا مگر اس سے بھی وہ متفع نہیں ہو سکتے اسی طرح قتل خنزیر کا بھی حال ہے کہ عیسائیوں کو خنزیر قرار دیا اور قتل سے مراد ان کا رد لیا مگر یہ قتل بھی ان سے نہ ہو سکا بلکہ سچ پوچھیے تو مسٹر آتھم صاحب ہی نے ان کو قتل کر ڈالا جس کے مقابلہ میں وہ دم نہ مار سکے۔

مرزا صاحب قتل خنزیر کے معنی میں جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں وہ ان کی نافہمی ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خنزیروں کا شکار جنگلوں میں کرتے اور صلیبوں کو توڑتے پھریں گے۔ اگر مرزا صاحب کنایے کی حقیقت سمجھے ہوتے تو یہ اعتراض

کبھی نہ کرتے۔ مسلمانوں نے کسر صلیب اور قتل خنزیر کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں نصاریٰ مغلوب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ صلیب ان کا شعار دین ہے اور خنزیر نہایت مرغوب الطبع ہے اور قاعدے کی بات ہے کہ ہر شخص ان دونوں قسم کی چیزوں کو نہایت دوست رکھتا ہے اور ان کی حفاظت میں جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا پھر ایسی چیزوں کو اگر کوئی تلف کر ڈالے اور وہ منہ دیکھتا رہے اور کچھ نہ کر سکے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شخص نہایت مغلوب ہے۔ مرزا صاحب اس کا تجربہ کر لیں۔ کسر صلیب اور قتل خنزیر تو درکنار ذرا بری نگاہوں سے ان اشیاء کو دیکھ تو لیں جس سے معلوم ہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو وہ قوت وشوکت حاصل ہوگی کہ کسی کی صلیب کو علانیہ توڑینگے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور کوئی مزاحم نہ ہو سکے گا۔ یہ ان کے کمال شوکت اور غلبے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر یہاں تک نوبت پہنچ جائیگی کہ سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ کل نصاریٰ مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ** اور حدیث شریف میں ہے **عن ابی ھریرۃ** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **ویھلک اللّٰہ فی زمانہ (ای زمان عیسٰی** علیہ السلام**) الملل کلھا الا الاسلام** (رواہ احمد وابوداؤد) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ الحاصل کسر صلیب اور قتل خنزیر عیسیٰ علیہ السلام کی علامت مختصہ ہے کسی طور سے یہ علامتیں مرزا صاحب میں نہیں پائی جاسکتیں۔

۵......وضع جزیہ جو بخاری شریف کی حدیث میں مذکور ہوا۔ یہ علامت بھی مرزا صاحب میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی اور نہ اس کے پائے جانے کی توقع ہے اسلئے کہ اگر بالفرض ان کی حکومت ان کے مریدوں پر فرض کی جائے تو بجائے اس کے کہ وہ جزیہ موقوف کرتے ان سے جزیہ جس قسم کا ممکن ہے برابر وصول کرتے ہیں جیسا کہ اخبار الحکم وغیرہ سے ظاہر ہے

اور اگر چہ جزیہ سے مراد وہ رقم ہے کہ خاص کافروں سے لی جاتی ہے تو ہندوستان میں اس کا وجود ہی نہیں اور نہ یہ توقع ہے کہ مرزا صاحب کی موت سے پہلے اس کا رواج ہو اسلئے اس کا موقوف کرنا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے جو دمشق کو قادیان اور اپنے کو عیسیٰ موعود قرار دیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ اگر وہ عیسیٰ ہوتے تو جزیہ موقوف کر دیتے اور یہ ممکن نہیں۔ بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے جب دمشق میں اتریں گے جزیہ موقوف کر دینگے جس کا رواج وہاں موجود ہے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہے گا جس سے یہ علامت بھی پوری ہوگی۔

۶......مال بے حساب تقسیم کرنا۔ جیسا کہ حدیث بخاری میں مذکور ہوا اور مسلم شریف میں ہے **ولیدعونّ الی المال فلا یقبله احد.** اور مسند امام احمد بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ **ویفیض المال حتی لا یقبله احد.** اور نیز بخاری و مسلم میں ہے **وحتی یکثر فیکم المال فیفیض حتی یهم رب المال من یقبل صدقة فیقول الذی یعرضه علیه لا ارب لی به.** اور روایت مسلم میں ہے **یکون فی اٰخر الزمان خلیفة یقسم المال ولا یعده.** یہ کل حدیثیں مرفوع ہیں اور اس مضمون میں کئی روایتیں وارد ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ قیامت کے قریب مال بکثرت ہوگا اور زمین سے خزانے ابلنے لگیں گے اور مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام بے حساب تقسیم کریں گے یہاں تک کہ اس کے لینے کے لئے جس کو بلائیں گے وہ یہی کہے گا کہ مجھے حاجت نہیں۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں آیہ شریفہ **فبذٰلک فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون** اس کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت سے یہ قرآن بیش قیمت مال ہے سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کے مانند کوئی مال نہیں یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آ کر مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ

لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو بمصداق آیت **انما اموالکم واولادکم فتنة** ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دیکر فتنے میں ڈال دے گا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ ہر کس و ناکس کے زبان زد ہے کہ **اینهمه شکل برائے اکل** ایک مدت تک جان فشانی کرکے عیسویت پیدا کی گئی اور اقسام کی تدبیروں سے روپیہ کمایا گیا۔ مثلاً منارہ اور مسجد اور مدرسے کی تعمیر پیش کرکے، خط و کتابت و مہمانداری کی ضرورتیں بتلا کے، کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کے ذریعے سے، تصویریں بکوا کر، غرض کہ جو روپیہ بڑی بڑی مشقتوں سے جمع کیا گیا اپنی اور اپنے پس ماندگوں کی ضرورتوں اور اسباب راحت میں صرف نہ کرکے عیسویت کے لحاظ سے مفت تقسیم کر دینا کوئی عقل کی بات نہیں اس لئے بچاؤ کی تدبیر یہ نکالی کہ عیسیٰ جو مال تقسیم کرے گا وہ یہ مال نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ مال قرآن ہے فی الحقیقت مال کا بے دریغ اس طرح راہ خدا میں خرچ کر دینا مشکل کام ہے اور یہ مال کی جگہ قرآن کا خرچ کرنا صرف مرزا صاحب ہی کی رائے نہیں۔ قدیم زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہی رائے تھی چنانچہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر الحمد گوئی صد بخواند   بدینارے چو خردر گل بماند

مرزا صاحب نے قرآن کو مال اس قرینے سے بتایا کہ آیہ موصوفہ میں قرآن کی تفصیل مال پر دی گئی کما قال تعالیٰ **وهو خير مما يجمعون** مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ بھی قرآن شریف میں ہے۔ **لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ** یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت اس مال سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ مرزا صاحب کے استدلال کی بنا پر یہاں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ مغفرت بھی مال ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں

ہوسکتا۔ غرض کہ قرآن کے علوم کو مال نہیں کہہ سکتے اس صورت میں جب احادیث میں صراحتاً وارد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے حساب مال تقسیم کریں گے اس سے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ وہ علوم قرآنیہ تقسیم کریں گے۔

البتہ بادی النظر میں مرزا صاحب کا یہ اعتراض ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ مال تقسیم کرنے کے لئے اس کا جمع کرنا بھی ضرور ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ شان نہیں کہ مال جمع کریں۔ اگرچہ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جب مرزا صاحب کو عیسویت کا دعویٰ ہے تو پھر وہ اقسام کی تدبیروں سے مال جس کو خود فتنہ کہتے ہیں کیوں جمع کرتے ہیں مگر تحقیقی جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو مال جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اس زمانے میں مال زمین سے ابلے گا جیسا کہ احادیث موصوفہ میں **ویفیض المال** بتصریح موجود ہے۔ یہاں بھی مرزا صاحب نے دھوکا دیا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح اتنا مال یعنی علوم قرآنیہ تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے اور ایک مقام میں بھی فرماتے ہیں کہ میں وہ مال اتنا تقسیم کروں گا کہ لوگ لے نہ سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے معتقدین اس مصنوعی مال سے اتنا سرمایہ علمی حاصل کرلیں گے کہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر حدیث شریف میں یہ ہے کہ **لیدعون الی المال فلا یقبله احد** یعنی وہ لوگ مال لینے کے لئے بلائے جائیں گے مگر کوئی اس کو قبول نہ کرے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اس سے اعراض کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم قرآنیہ سے اعراض کرنا دلیل کفر ہے۔ اہل اسلام تو بلحاظ آیہ شریفہ **وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا** ہمیشہ زیادتی علم کے طالب رہا کرتے ہیں بخلاف اس کے مال سے اعراض کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ شرعاً ممدوح ہے۔ الغرض مال بمعنی علم ہو نہیں سکتا۔

مرزا صاحب نے مال کی جو توہین کی ہے کہ وہ فتنہ ہے اور مسیح مال دیگر لوگوں کو فتنے میں کیوں ڈالے گا۔ معلوم نہیں یہ کس حالت میں انہوں نے لکھ دیا جس فتنے کو گھر سے نکال دینا عیسویت کی شان سے بعید سمجھتے ہیں اسی فتنے کو اقسام کی تدبیروں سے خود جمع کر رہے ہیں اور قوم کے روبرو اپنی محتاجی بیان کر کے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ کچھ امداد کرو جیسا کہ ازالۃ الاوہام سے ظاہر ہے اس پر یہ دعویٰ کہ میں عیسیٰ ہوں۔

شاید مرزا صاحب یہاں یہ بھی اعتراض کریں گے کہ زمین سے مال ابلنا خلاف عقل ہے مگر یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ آخر زمین میں دفینے معدنیں موجود ہیں اور سلاطین کو اکثر ملا ہی کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ ان ذخائر پر عیسیٰ علیہ السلام کو مطلع فرمادے اور اگر خدائے تعالیٰ کی قدرت ہی میں کلام ہے تو ہم ان کا جواب یہاں نہ دیں گے۔ بلکہ ان کتابوں میں دیں گے جہاں بمقابلہ کفار صفات الٰہیہ ثابت کی جاتی ہیں۔

الغرض مرزا صاحب مال سے مراد ان احادیث میں جو علوم قرآنیہ لیتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ دراصل وہ ایک ایسی علامت عیسیٰ علیہ السلام کی ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بیان فرمادی ہے کہ ہر مسلمان اس کو دیکھتے ہی یقین کر لیگا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتر آئے اور چونکہ مرزا صاحب کے زمانے میں نہ مال اس قدر وفور سے ہے، نہ وہ بے حساب تقسیم کر سکتے ہیں بلکہ خود ہی لوگوں سے وصول کرنے کی فکر میں دن رات مصروف ہیں۔ اس سے یقیناً مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

۷......کل ادیان ہلاک ہو کر ایک دین اسلام کا باقی رہ جانا۔ جیسا کہ روایت امام احمد اور ابوداؤد سے اُوپر معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **ویھلک اللّٰہ فی زمانہ الملل کلھا الا الاسلام**۔ بیان للناس میں فتح الباری سے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے ہمارے زمانے کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیے، عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی تقریروں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے، فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے خیالاتِ باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیری معلوم ہوتی ہیں اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ پادری لوگ ہمیشہ روز افزوں ترقی کر رہے ہیں کہ ستائیس ہزار سے پانچ لاکھ تک شمار کرسٹانوں کو پہنچ گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تحریر کے بعد کرسٹان اور بھی بڑھ گئے۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب کا زمانہ اسلام کے حق میں کیسا منحوس ہے جس میں لامذہبی اور کفر کی روز افزوں ترقی ہے جس کے خود وہ معترف اور شاکی ہیں کیا اس کھلے مشاہدے کے بعد کسی مسلمان کو جس کو ہمارے نبی کریم ﷺ پر اور احادیث نبویہ پر ایمان ہے مرزا صاحب کے مسیح ہونے کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ کیا عیسیٰ موعود کا یہی کام ہے کہ کفر و الحاد کی شکایت کر کے روپیہ جمع کر لے جیسا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی اشاعت میں یہی کام کیا کہ اس قسم کی تقریریں کر کے اس کتاب کی لاگت سے دو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ وصول کر لیا اور آخر میں لکھ دیا کہ ایک شب اپنے خیالات کی شب تاریک میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے انی انا ربک کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی سو اب کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت رب العالمین ہے اور معلوم نہیں کہ کس اندازے اور مقدار تک پہنچانے کا ارادہ ہے اور دین اسلام کا وہی حافظ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جتنے دلائل قائم کرنے کا وعدہ تھا اب اس کی ضرورت نہ رہی اور دین کا خدا حافظ ہے اگر پادری، لامذہب اور آریہ

وغیرہ مسلمانوں کی تعداد گھٹائیں اور کفر کی اشاعت کریں تو عیسیٰ کو اس سے کیا تعلق۔ اگر کوئی کافر بھی ہو جائے تو مرزا صاحب صاف کہہ دینگے **انی بریٔ منک انی اخاف اللّٰہ رب العلمین**۔

۸......دشمنی، بغض اور حسد کا دفع ہو جانا جیسا کہ روایت صحیح مسلم سے ثابت ہے **قال رسول اللّٰہ ﷺ ولیذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد** (کنز العمال ج ۷ ص ۲۱۳۶)۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان صفات کا وجود ہی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ جب کل ادیان جا کر اسلام ہی اسلام رہ جائیگا تو اصلی اخوت اسلامی قائم ہو جائیگی۔

اب مرزا صاحب کی عیسویت کا دورہ بھی دیکھ لیجئے کہ جہاں اسلام میں بہتر (۷۲) فرقے تھے انہوں نے ایک فرقہ ایسا بنا دیا کہ جس کو ان میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں اور اس فرقے کی یہ کیفیت کہ تمام مسلمانوں کا دشمن۔ ایک مسلمان آج اپنے گھر میں خوشی سے بیٹھا ہے کہ کل مرزا صاحب کا منتر اس پر اثر کرتے ہی اپنے کنبے بھر کا دشمن ہو گیا اور طرفین سے سب وشتم اور زدوضرب کی نوبت پہنچ رہی ہے اور دونوں فوجداری میں کھینچے جا رہے ہیں۔ اب مرزا صاحب ہی انصاف سے کہہ دیں کہ مسلمان اپنے نبی کی بات مان کر ایسے مسیح کا انتظار کریں جس کے زمانے میں اس علامت کا وقوع ہو یا آپ کی بات مان کر اپنے نبی کی حدیث کو جھوٹی ثابت کریں۔

۹......باطنی اثر سے امن قائم ہو جانا اس طور پر کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائیوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے جیسا کہ مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ **قال رسول اللّٰہ ﷺ وتقع المامنۃ علی اھل الارض حتی ترعی الاسود مع الابل والنمور مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان بالحیات فلا یضرھم** (کنز العمال)۔ مرزا صاحب ازالۃ

الاوہام میں لکھتے ہیں کہ (حضرت نے) ایک دوسری پیش گوئی بطور استعارے کے فرمادی کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہے کہ ایک مسیح تم سے ہی تمہیں دیا جائیگا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے کینے اور بغض کو دور کردے گا شیر و بکری کو ایک جگہ بٹھادیگا اور سانپوں کے زہر نکالدیگا اور بچے تمہارے سانپوں اور بچھوؤں سے کھیلیں گے اور ان کے زہر سے ضرر نہیں اٹھائیں گے یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلافات دور ہو جائیں گے تو ایک دفعہ فطرتی محبت کا چشمہ جوش مارے گا اور تباغض اور تحاسد دور ہو جائے گا اور تعصب کی زہریں نکل جائیں گے اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا تب اسلام کے دن سعادت اور اقبال کی طرف پھریں گے اور سب مل کر کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کردیا جائے اور بدسرشت مولویوں کے حکم وفتویٰ سے دین اسلام سے خارج کردیئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کر کے ایک بے ہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ایسا کافر ٹھہرادیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں اور یہ سب ملّا یا یوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے ہیں۔ الخ

پہلے مرزا صاحب کی مسیحائی پر ان حالات کو جو احادیث موصوفہ میں وارد ہیں انہیں کی تقریر کے موافق تطبیق کر کے دیکھ لیجئے۔ مسلمان تو بقول ان کے یہودی ہو گئے اور مرزا صاحب مسیح ہیں۔ ضرور تھا کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں سے تعصب کا زہر نکال دیتے اور کل اہل اسلام مل کر اسلام بڑھانے کی کوشش کرتے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے مگر اس کا اب تک ظہور نہ ہوا۔ جس وقت یہ تقریر مرزا صاحب نے کمال فخر سے کی ہوگی خوش اعتقاد لوگ اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہہ کر دل میں خوش ہوتے ہونگے کہ مرزا صاحب کا وجود نعمت غیر مترقبہ

ہے جہاں تک ہو سکے دل سے ان کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ براہین احمدیہ کو لوگوں نے سوسو روپے دے کر خریدا مگر ان کو نادم ہونا پڑا کہ پچیس، تیس سال سے بلکہ جب سے مرزا صاحب کا خیال اس طرف ہوا غالباً پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس مدت میں بجائے اس کے کہ تعصب مذہبی دور ہو جاتا ان کے طفیل سے ایک نیا تعصب ایسا قائم ہو گیا ہے کہ اب اس کا اٹھنا ان کے بعد بھی بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ مرزا صاحب کا اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور چل چلاؤ کی فکر میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ وہ گرم جوشیاں بھی جاتی رہی کیا اب بھی توقع ہے کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں کو ایک کر کے کفار کے مقابلے میں کھڑا کر دیں گے۔ ہرگز نہیں مگر خوش اعتقادوں پر تعصب مذہبی اب ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ وہ اب بھی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائیں گے۔ اسی وجہ سے آدمی کو ضرور ہے کہ سوچ سمجھ کر بہت احتیاط سے کوئی مذہب اختیار کرے کیونکہ اختیار کرنے کے بعد تعصب کی دیوار آگے پیچھے ایسی سدھو جاتی ہے کہ اس کا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ **کما قال تعالٰی وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔**

مرزا صاحب مولویوں کی شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ کم کرتے ہیں انصاف سے دیکھا جائے تو مولویوں نے صرف چند قادیانیوں کو مسلمانوں سے خارج کر دیا تھا مگر مرزا صاحب نے تو کروڑہا مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیا جن کے اعتقاد قرآن و حدیث اور اجماع کے مطابق ہیں اور اپنی قوم کو صاف حکم دے دیا کہ کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور ان سے من جمیع الوجوہ اجتناب اور مفارقت اختیار کریں اور وجہ اس کی صرف یہی کہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتے اب غور کیا جائے کہ چند قادیانیوں کو کروڑہا مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے پھر جب چند قادیانیوں کو خارج کرنے سے علمائے اسلام بدسرشت اور ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے قرار دیئے گئے تو مرزا صاحب کا لقب

واقع میں کیا ہوگا اور جو وجہ انہوں مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہونے کی قرار دی ہے وہ کس درجے کی بے ہودہ اور بے اصل سمجھی جائے۔

مرزا صاحب نے بھیڑیا بکریاں وغیرہ الفاظ حدیث کے معنی جو مجازی لئے ہیں اسکی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ممکن نہیں کہ بھیڑیا بکری کو اور شیر اونٹ کو نہ کھائے اور درندے اپنی صفت درندگی کو چھوڑ دیں کیونکہ مجازی معنی اسی وقت لئے جاتے ہیں جب حقیقی معنی نہ بن سکیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ حقیقی معنی ان الفاظ کے کیوں نہیں بن سکتے۔ اگر مرزا صاحب یہ کہیں کہ عادت کے خلاف ہے تو وہ مسلّم ہے لیکن مسلمانوں کے بلکہ حکماء کے بھی نزدیک یہ بھی تو مسلّم ہے کہ انبیاء اور اولیاء سے خلاف عادت امور بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں اور اگر یہ کہیں کہ حیوانات کے مقتضائے طبع کا دور کرنا خدا کی قدرت میں بھی نہیں ہے۔ تو پھر ان کے کفر میں شک کیوں کیا جائے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کی خالقیت کے قائل ہو گئے تو اس کو ماننا پڑے گا کہ جس نے ان کو صفت سبعیت دی ہے وہ اس کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ مرزا صاحب کی اس تقریر سے مستفاد ہوتا ہے نہ ان کو نبی ﷺ کے قول کا اعتبار ہے نہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا یقین پھر ان سے اس بارے میں گفتگو ہی کیا۔

آنکس کہ ز قرآن وخبرز و نرہی   اینست جوابش کہ جوابش ندہی

ہم اپنے ہم مشربوں سے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تقریروں سے اپنے ایمان کو صدمہ نہ پہنچنے دیں اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں کسی کی بات نہ سنیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی نسبت تو خاص خاص اہتمام منظور الٰہی ہیں جن کی خبریں آنحضرت ﷺ نے بتصریح دی ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مالک ابن دینار وغیرہ اکابر دین کے چشم دید واقعات نقل کئے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرا کرتے تھے۔ الحاصل مرزا صاحب نے صرف اپنی

عیسویت جمانے کی غرض سے یہ کام کیا کہ جتنے خوارق عیسیٰ علیہ السلام کی خبریں نبی کریم ﷺ نے دی ہیں سب میں تاویلیں کر کے ان کی وقعت کھودی اور ان کو معمولی باتیں قرار دے کر اپنے آپ پر منطبق کر لیا اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی نظیریں امم سابقہ میں بھی مل سکتی ہیں دیکھئے حق تعالیٰ قرآن شریف میں خبر دیتا ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ** واقعہ یہ ہے کہ لوگ غلہ لینے کے لئے نمرود کے پاس جاتے تھے اور اس کی عادت تھی کہ ان سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے اگر وہ کہتے کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو ان کو غلہ دیتا۔ ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ضرورتاً اس کے پاس گئے اور اس نے حسب عادت آپ سے بھی پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا یہ صفت تو مجھ میں بھی ہے جس کو چاہتا ہوں مار ڈالتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں زندہ چھوڑ دیتا ہوں چنانچہ دو شخصوں کو بلا کر ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا یہ واقعہ تفسیر درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

دیکھئے صفت احیا و امانت جو خاصہ باری تعالیٰ ہے اس کی تاویل کر کے نمرود نے ایک معمولی بات بنادی اور اپنے آپ پر منطبق کر لیا جس طرح مرزا صاحب کر رہے ہیں۔

مرزا صاحب نے مسلمانوں کی نسبت تو فرمادیا کہ وہ یہود بن گئے مگر افسوس ہے کہ اپنی حالت کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ وہ خود کیا بن گئے۔ اگرچہ ان کو اعتراف ہے کہ وہ یہودیوں کے مثل ہیں جیسا کہ عبارت مذکورہ میں لکھتے ہیں۔ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے دیا گیا۔ مگر ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ اسی پر اکتفا نہیں۔

بہر حال یہ علامتیں جو صحیح حدیثوں میں وارد ہیں مرزا صاحب کے زمانے پر

صادق نہیں آسکتیں اس وجہ سے وہ مسیح موعود ہو نہیں سکتے۔

۱۰..... شب معراج خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ دجال کے قتل کیلئے میں مامور ہوں اور زمین پر اتر کے میں ہی اسے قتل کروں گا۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کی ہے **عن ابن مسعود** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **لقیت لیلۃ اسری بی ابراھیم و موسٰی و عیسٰی** علیہم السلام **فذکروا امر الساعۃ فردوا امرھم الی ابراھیم فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الٰی موسٰی فقال لا علم لی بھا فردوا امرھم الی عیسٰی فقال اما وجبتھا فلم یعلم بھا احد الا اللّٰہ وفیما عھد الی ربی ان الدجال خارج ومعی قضیبان فاذا رانی ذاب کما یذوب الرصاص فیھلکہ اللّٰہ اذا رانی** (الحدیث) یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ شب معراج مجھ سے ابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اثنائے گفتگو میں قیامت کا ذکر آیا ہم سب نے ابراہیم علیہ السلام سے اس کا حال دریافت کیا انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی مگر عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب ہو گی مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ دجال نکلنے والا ہے اور خدائے تعالیٰ نے مجھے معلوم کرا دیا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی جب وہ مجھے دیکھے گا تو سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا۔

مولوی محمد عبداللہ صاحب شاہجہاں پوری نے شفاء للناس میں فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مسند امام احمد اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے دجال کے نکلنے کا حال کہہ کر کہا کہ میں اس وقت اتروں گا اور اس کو قتل کروں گا۔ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خود

عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے سے مجھے دجال کے قتل کے لئے معین فرمایا ہے۔ اور میں زمین پر اتر کر اس کو قتل کروں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو صرف کشف ہی سے عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا حال معلوم نہیں ہوا بلکہ خود عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت سن چکے تھے۔ اس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا جو مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اس کشف میں حضرت کو (نعوذ باللہ) غلطی ہوئی ہے۔

مرزا صاحب غالباً یہاں یہ شبہ پیش کریں گے کہ ان انبیاء کے مقامات ایک آسمان پر نہیں پھر سب کا اتفاق اور مجمع ایک جگہ کیسے ہوا۔ مگر اہل اسلام کے نزدیک ایسے رکیک شبہات قابل توجہ نہیں اس لئے کہ اولیاء اللہ کو اس عالم میں یہ بات حاصل ہے کہ وقت واحد میں متعدد مقامات پر رہ سکتے ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **"کتاب المتجلی فی تطور الولی"** میں اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور اولیاء اللہ کے تذکروں میں اس کی نظائر بکثرت موجود ہیں۔

الحاصل اس حدیث کے دیکھنے کے بعد اہل ایمان کو اس میں کوئی شبہ نہ رہے گا کہ مرزا صاحب نے اپنی عیسویت ثابت کرنے کے لئے جتنی تمہیدات کی ہیں کہ خدا نے میرا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا اور یہ کہا اور وہ کہا سب سخن سازیاں اور افترا ہیں اور کوئی الہام ان کا اس قابل نہیں کہ اس حدیث کے مقابلے میں آسکے۔

مرزا صاحب نے مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی کے مقابلے میں جو تقریر کی ہے الحق الصریح فی حیوۃ المسیح صفحہ ۱۰۷ میں لفظ بلفظ لکھا ہے اس تقریر میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول مولوی صاحب کے ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے۔ مولوی صاحب پر فرض تھا کہ قراءت شاذہ **قبل موتھم** کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے

دکھلاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے مجرد ضعیف حدیث کا بیان کرنا اس کو بکلی ثبوت سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت امام ابوحنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح ستہ میں ہیں بباعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں اور کیا محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں۔

مرزا صاحب کو جب ضعیف حدیث کے ساتھ یہ خوش اعتقادی ہے تو یہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا بیان مذکور فرمایا ہے وہ تو صحیح ہے جس کی صحت کی تصریح اکابر محدثین نے کردی ہے اس کو وہ ضرور مانتے ہونگے مگر ان کی تقریروں سے ثابت ہے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔ مرزا صاحب اپنے استدلال کے وقت جو ضعیف حدیث کے ماننے پر ہم کو مجبور کرتے ہیں اور خود حدیث صحیح بھی نہیں مانتے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہم کو مسلمان سمجھتے ہیں اور خود کو دائرہ اسلام سے خارج اگر مسلمانوں کا یہودی بن جانا اور اپنا مسلمان ہونا ان کے نزدیک ثابت ہوتا تو اس پر کبھی اصرار نہ کرتے کہ ضعیف حدیث بھی نبی کی ہم لوگ مان لیں اور خود صحیح حدیث بھی نہ مانیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جو انہوں نے یہود قرار دیا تھا اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا امتی وہ قطع نظر اس کے کہ واقع کے خلاف ہے خود بھی اپنی غلط بیانی کے معترف ہیں۔ اس موقع پر ہم نہایت خوشی سے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ اپنے نبی کی ضعیف حدیث بھی قابل تسلیم ہے۔ مگر مرزا صاحب کو کوئی حق نہیں کہ اس کا الزام ہم پر لگائیں کیونکہ مسائل جزئیہ میں ہر دین والا اپنے نبی کے قول پر عامل ہوتا ہے۔ دوسری ملت والا شخص ان میں مباحثہ کا مجاز نہیں بلکہ اگر مناظرہ ہو تو امور کلیہ میں ہوگا کہ پہلے ہر شخص اپنا دین واجب الاتباع ثابت کرے۔ اب

مرزا صاحب سے اگر بحث ہو تو ہم اپنا دین ناسخ ثابت کریں اور مرزا صاحب اپنا دین اور ان جزئیات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر مرزا صاحب اپنے کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بمقتضائے وقت اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں تو چاہیے کہ اس حدیث صحیح کو مان لیں اور دعویٰ عیسویت سے توبہ کریں ورنہ یہ الزام رفع نہیں ہو سکتا۔

الحاصل مرزا صاحب اس حدیث کو مانیں یا نہ مانیں مسلمانوں کے نزدیک مرزا صاحب اس صحیح حدیث کی رو سے مسیح موعود ہرگز ہو نہیں سکتے۔

۱۲،۱۱.....عیسیٰ علیہ السلام کا دجال کو باب لد پر قتل کرنا اور ان کے دم سے کفار کا مر جانا جو اس روایت سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ **عن النواس ابن سمعان قال ذکر رسول اللّٰہ ﷺ الدجال ذات غداۃ فخفض فیہ ورفع حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل فلما رحنا الیہ عرف ذٰلک فینا فقال ما شانکم قلنا یارسول اللّٰہ ذکرت الدجال غداۃ فخفضت فیہ ورفعت حتی ظنناہ فی طائفۃ النخل فقال غیر الدجال اخوفنی علیکم ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامر حجیج نفسہ واللّٰہ خلیفتی علٰی کل مسلم. انہ شاب قطط عینہ طافئۃ کانی اشبہہ بعبد العزی بن قطن فمن ادرک منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکھف. انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فعاث یمینا و عاث شمالا یاعباد اللّٰہ فاثبتوا قلنا یارسول اللّٰہ وما لبثہ فی الارض قال اربعون یوما یوم کسنۃ ویوم کشھر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم قلنا یارسول اللّٰہ فذٰلک الیوم الذی کسنۃ اتکفینا فیہ صلٰوۃ یوم قال لا اقدروا لہ قدرہ قلنا یارسول اللّٰہ وما اسراعہ فی الارض قال کالغیث استدبرتہ الریح فیاتی علی القوم فیدعوھم فیؤمنون بہ ویستجیبون لہ**

فیامر السمآء فتمطر والارض فتنبت فتروح علیھم سارحتھم اطول ما کانت ذری واسبغہ ضروعاً وامدہ خواصر ثم یاتی القوم فیدعوھم فیردون علیہ قولہ فینصرف عنھم فیصبحون ممحلین لیس بایدیھم شئ عن اموالھم ویمر بالخربۃ فیقول لھا اخرجی کنوزک فتتبعہ کنوزھا کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلیا شباباً فیضربہ بالسیف فیقطعہ جزلتین رمیۃ الغرض ثم یدعوہ فیقبل ویتھلل وجھہ ویضحک فبینما ھو کذٰلک اذ بعث اللّٰہ المسیح ابن مریم علیہ السلام فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مھروذتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طاطا راسہ قطر واذا رفعہ تحدر منہ جمان کاللؤلؤ فلایحل لکافر یجد ریح نفسہ الا مات ونفسہ ینتھی طرفہ فیطلبہ حتی یدرکہ بباب لد فیقتلہ ثم یاتی عیسیٰ قوم قد عصمھم اللّٰہ منہ فیمسح عن وجوھھم ویحدثھم بدرجاتھم فی الجنۃ فبینما ھو کذٰلک اذ اوحی اللّٰہ الیٰ عیسیٰ علیہ السلام انی قد اخرجت عبادا لی لایدان لاحد بقتالھم فحرز عبادی الی الطور ویبعث اللّٰہ یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلھم علیٰ بحیرۃ طبریۃ فیشربون مافیھا ویمر اخرھم فیقولون لقد کان بھذہ مرۃ ماء تحصر نبی اللّٰہ عیسیٰ علیہ السلام واصحابہ حتی یکون راس الثور لاحدھم خیرا من مائۃ دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی اللّٰہ عیسیٰ علیہ السلام واصحابہ فیرسل اللّٰہ علیھم النغف فی رقابھم فیصبحون فرسیٰ کموت نفس واحدۃ ثم یھبط نبی اللّٰہ عیسیٰ علیہ السلام واصحابہ الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملاہ زھمھم ونتنھم فیرغب نبی اللّٰہ عیسیٰ علیہ السلام

واصحابه الى الله فيرسل الله عليهم طيرا كاعناق البخت فتحملهم فتطرحهم حيث شآء الله ثم يرسل الله مطراً لايكن منه بيت مدر ولا وبر فيغسل الارض حتى يتركها كالزلفة ثم يقال للارض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة من الرمانة ويستظلون بقحفها ويبارک فی الرسل حتى ان اللقحة من الابل لتكفى الفئام من الناس واللقحة من البقرة لتكفى القبيلة من الناس واللقحة من الغنم لتكفى الفخذ من الناس فبيناهم کذلک اذ بعث الله ريحا طيبة فتاخذهم تحت اباطهم فتقبض روح كل مؤمن وكل مسلم ويبقى شرار الناس يتهارجون فيها تهارج الحمر فعليهم تقوم الساعة (رواہ مسلم)۔

یعنی نواس کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر ایسے طور پر کیا کہ کچھ دبی آواز سے فرمایا اور کچھ بلند آواز سے۔ جس سے ہم کو خیال ہوا کہ شاید نخلستان میں وہ آگیا جب ہم اس طرف جانے لگے فرمایا کہ کیا تمہاری حالت ہے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ نے ایسے طور پر دجال کا حال بیان فرمایا ہے کہ ہمیں اس کے نخلستان میں آجانے کا گمان ہو گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے زیادہ خوف دوسرے امور کا تمہاری نسبت مجھے ہے (یعنی ظالم اور گمراہ سلاطین کا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے) اگر بالفرض دجال میرے وقت میں نکلے تو میں اس سے گفتگو کر کے قائل کر دوں گا اور اگر میرے بعد نکلے تو ہر شخص اس سے بطور خود بحث کرے اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے۔ مگر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ دجال جوان ہوگا اور اس کے بال بہت بڑھے ہوئے ہونگے اور وہ عبد العزیٰ بن قطن کے ساتھ کسی قدر مشابہ ہے۔ جو مسلمان اس کو پائے سورہ کہف کے شروع کی چند آیتیں پڑھ لے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں

فساد کا ہنگامہ برپا کردے گا۔ اے خدا کے بندو اس وقت اپنے دین پر ثابت رہو ہم نے عرض کی یارسول اللہ وہ کتنے روز زمین پر رہیگا؟ فرمایا چالیس روز مگر ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی ایام معمولی ہوں گے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ جو ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا اس میں پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا نہیں اوقات کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھی جائیں۔ پھر ہم نے عرض کی اس کی سرعت سیر کی کیا کیفیت ہوگی؟ فرمایا جس طرح ابر کو ہوا لے جاتی ہے وہ کسی قوم میں جا کر ان کو اپنے پر ایمان لانے کو کہے گا جب وہ اس پر ایمان لائیں گے تو آسمان کو حکم کرے گا کہ پانی برسائے اور زمین کو حکم کرے گا کہ سبزی اگائے جس سے جانور خوب ہی موٹے تازے ہو جائیں گے پھر دوسری قوم پر جا کر ان کو اپنی طرف مائل کرے گا مگر وہ قبول نہ کریں گے وہاں سے وہ جب لوٹے گا تو ان لوگوں پر قحط آجائیگا اور کسی قسم کا مال ان لوگوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہیگا۔ اس کے بعد ایک ویرانے پر گزرے گا اور اس سے کہے گا کہ اپنے خزانوں کو نکالے چنانچہ وہاں کے خزانے اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ پھر ہر ایک شخص کو بلائے گا جو کمال شباب میں ہوگا اور اس کے دو ٹکڑے کر کے دور دور ڈلوا دیگا پھر اس جوان مقتول کو بلائیگا چنانچہ وہ ہنستا ہوا اس کی طرف آجائیگا۔ غرض کہ وہ اس قسم کے واقعات میں مشغول ہوگا کہ خدائے تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کی شرقی جانب سفید مینار کے پاس دو زرد چادریں پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکا دیں گے اور اٹھا دیں گے تو ان کے پسینے کے قطرے مثل موتی کے ٹپکیں گے۔ جس کافر کو ان کے دم کی بو پہنچ جائے گی تو ممکن نہیں کہ وہ زندہ رہ سکے۔ پھر وہ دجال کو ڈھونڈ کر لد کے دروازے پر جو بیت المقدس کے قریب ایک شہر ہے قتل کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اس قوم کی طرف جائیں گے جن کو حق تعالیٰ نے دجال کے

فتنے سے بچایا تھا اور شفقت سے ان کے منہ پر ہاتھ پھیر کر خوشخبری درجات جنت کی دیں گے جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اس اثناء میں حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائیگا کہ اب ہم نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن کے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں اس لئے ہمارے پیارے بندوں کو تم طور کی طرف لے جاؤ اس وقت یاجوج ماجوج کو حق تعالیٰ زمین پر بھیجے گا جو ہر بلندی پر سے دوڑتے نظر آئیں گے ان کی کثرت کی یہ کیفیت ہوگی کہ جب بحیرہ طبریہ پر ان کا گزر ہوگا تو اس کا سب پانی پی جائیں گے جس کو دیکھ کر ان کے پچھلے لوگ خیال کریں گے کہ شاید کسی زمانے میں یہاں پانی تھا۔ ادھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب محصور ہونگے اور اشیاء کی نایابی اس درجے تک پہنچ جائیگی کہ آج کے دن سو اشرفیوں کی جو تمہیں قدر ہے اس روز بیل کے ایک سر کی قدر ہوگی۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کریں گے اور حق تعالیٰ ایک کیڑا یاجوج ماجوج کی گردنوں میں پیدا کر دے گا جس سے ایک ہی رات میں وہ سب مر جائیں گے، ایک ان میں سے نہ بچے گا۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے مقام سے نکلیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین پر ایک بالشت کی جگہ ایسی نہیں جہاں پر ان کی چربی اور گندگی نہ ہو۔ سب خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونگے کہ یہ مصیبت دفع فرمادے۔ تب حق تعالیٰ بڑے بڑے پرندے اتاریگا اور وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں منظور الٰہی ہے ڈال دیں گے اور پانی برس جائیگا جس سے تمام روئے زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائیگی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے ثمرات اگا دے اور برکت از سر نو ظاہر کرے چنانچہ برکت کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور اس کے چھلکے کے سائے کے تلے ایک جماعت بیٹھ سکے گی اور ایک اونٹنی کے دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک بڑی جماعت اس سے سیراب ہو جائیگی اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کو کافی ہوگا۔ اس اثنا میں ہوائے خوش

گوارا ایسی بہے گی کہ مسلمانوں کے بغلوں کے نیچے اس کے بہتے ہی ان کی روح قبض ہو جائیگی چنانچہ کُل مسلمان عالم بقا کو چلے جائیں گے اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے۔ ان لوگوں کی بے حیائی اس درجے تک پہنچ جائے گی کہ عام جلسوں میں مرد وعورت گدھوں کی طرح علانیہ جفتی کریں گے۔ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

اس حدیث شریف نے مرزا صاحب کی عیسویت کی کارروائی کو ملیا میٹ کر دیا کیونکہ جو امور عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق مذکور ہیں نہ مرزا صاحب سے ان کا وقوع ممکن ہے، نہ ان کے زمانے میں کوئی ایسی بات پائی جا سکتی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوں گی۔ اسی وجہ سے ہو جھنجھلا کر ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ بانی مبانی اس تمام روایت کا صرف نواس بن سمعان ہے اور کوئی نہیں۔ جس کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بنایا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ الفاظ اپنے معاصرین کے حق میں کہتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا مگر افسوس ہے ان کی صحابیت اور جلالت شان کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ بھلا نواس رضی اللہ عنہ کو کیا خبر کہ مرزا اپنی عیسویت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے جس کے مخالف یہ حدیث ہوگی انہوں نے تو اپنا فرض منصبی ادا کر دیا جس طرح صحابہ کا دستور تھا جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا بلا کم و کاست پہنچا دیا اور امت مرحومہ نے اس کو قبول بھی کر لیا۔ کیونکہ اس حدیث میں اگر کسی کو کلام ہوتا تو علماء اس کی تصریح کر دیتے کہ نواس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔ ہر چند یہ بات ظاہر ہے کہ جتنے امور اس حدیث میں مذکور ہیں ظاہراً خلاف عقل ہیں مگر علماء نے دیکھا کہ جتنے وقائع قیامت کے قرآن وحدیث سے ثابت ہیں بالکل خلاف عقل ہیں اور یہ امور بھی مقدمہ قیامت ہیں اس لئے انہوں نے ان کو بھی قیامت ہی سے متعلق کر کے ایمان سے کام لیا لیکن مرزا صاحب چونکہ اس مسئلے میں صاحب غرض ہیں انہوں نے دیکھا کہ اگر ایک بات بھی اس حدیث کی مان لی جائے تو عیسویت سے دست

بردار ہونا پڑتا ہے اس لئے پہلے تو بانی مبانی اس حدیث کا نواس رضی اللہ عنہ کو قرار دے کر موضوع ہی ٹھہرا دیا پھر تاویلات سے کام لیا چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۰۲ میں اس حدیث کو ذکر کر کے ایک دوسری حدیث تلاش کی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے رات عیسیٰ علیہ السلام کو اور دجال کو خواب میں دیکھا اور ان دونوں کا حلیہ بھی بیان فرمایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ مقصود اس تلاش سے یہ ہے کہ کسی طرح نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بے کار کر دیں اور اس کی تدبیر یہ نکالی کہ ابن عمر کی حدیث میں مصرح ہے کہ حضرت نے خواب میں دونوں کو دیکھا تھا اس وجہ سے نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی خواب ہی کی بات ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ اب اس تمام حدیث پر نظرِ غور ڈال کر معلوم ہوگا کہ جو کچھ دمشقی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصاص اس حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہما) میں واقع ہیں اور پیغمبر خدا ﷺ نے صاف اور صریح طور سے اس حدیث میں بیان فرما دیا کہ یہ میرا ایک مکاشفہ یا ایک خواب ہے پس اس جگہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث (جس کو نواس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے) در حقیقت وہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک خواب ہی ہے۔

نواس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں شروع سے اخیر تک کہیں نہ خواب کا لفظ ہے، نہ اس پر کوئی دلیل مگر مرزا صاحب نے اسی میں سے ایک لفظ نکال ہی لیا چنانچہ صفحہ ۲۰۳ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے دجال کو خواب یا کشف میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک عالم مثالی ہے اس لئے اس کا حلیہ بیان کرنے میں لفظ کَاَنِّیْ یعنی گویا کا لفظ بتا دیا تا کہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہ رؤیت حقیقی رؤیت نہیں۔ ایک امر تعبیر طلب ہے سبحان اللہ مرزا صاحب نے کہاں کی کہاں لگا دی۔ اگر تعبیر طلب تھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا خواب میں دیکھنا مذکور ہے حالانکہ حضرت نے نہ خود اس کی تعبیر

بیان کی، نہ صحابہ نے حسب عادت پوچھا کہ عیسیٰ سے کیا مراد ہے اور دجال سے کیا مراد ہے اور ان کے طواف سے کیا مقصود ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس خواب سے صرف ان کی معرفت مشخص طور پر معلوم ہونا مقصود تھا بخلاف نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اس میں تو سرے سے خواب کا ذکر ہی نہیں۔ رہا لفظ **کَاَنِّیْ اشبہ** اس سے صرف تعیین اور تشخیص مقصود ہے کہ من وجہ جسمانی مشابہت مشبہ اور مشبہ بہ بھی معلوم ہو جائے کیونکہ یہ لفظ دوسرے مشخصات کی قطار میں واقع ہے جیسے ان کے نکلنے کے مقامات اور مدت بقا اور سرعت سیر کا اندازہ اور اس زمانے کے واقعات جن سے ہر مسلمان سمجھ جائے کہ جب تک یہ تمام نشانیاں نہ پائی جائیں نہ کسی کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ سکتے ہیں، نہ دجال موعود۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ باوجود ان تمام تشخصات اور اہتمام کے جو حضرت نے ان کے بیان میں کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ سب خواب و خیال ہے کس قدر ایمان سے دور ہے۔ پیشتر یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ مرزا صاحب نے یوز آسف کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ واقعات میں تصرف کیا کرتے ہیں جیسے اس نے ابراہیم علیہ السلام کے تمام واقعات میں تصرف کر کے ان کو مجوسی قرار دیا اور بنیاد یہ قائم کی کہ ان کے خلفہ پر برص ہوا تھا مرزا صاحب نے یہاں بھی وہی کیا کہ لفظ **کانی** پر یہ بنیاد قائم کی کہ نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک خواب کا واقعہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو دیکھا ہے اس بناء پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ پس یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دمشق والی حدیث درحقیقت ایک خواب ہی ہے معلوم نہیں مرزا صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت نے دجال وغیرہ کو جو ایک بار خواب میں دیکھ لیا تھا اس کے بعد جتنے واقعات اور پیشگوئیاں حضرت نے اس باب میں فرمائی ہیں وہ سب خواب ہیں۔ ایک بار کسی کو خواب میں دیکھنے سے قطعی طور پر یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جب کبھی اس کے واقعات بیان ہوں سب خواب ہی

ہوا کریں۔ مرزا صاحب کے اس مسلک پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح وغیرہ کے واقعات سب قطعی اور یقینی طور پر خواب ہوں گے اس لئے کہ ان کو بھی حضرت نے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا۔ مرزا صاحب کی سخن سازیوں نے قطع اور یقین کو نہایت ہی ارزاں کردیا ہے کہ جہاں احتمال بھی پایا نہیں جاتا قطع ویقین کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے دجال کی نسبت جو لکھا ہے کہ حضرت نے دجال کو خواب میں دیکھا وہ صورت مثالی تعبیر ہے اس سے تو مرزا صاحب کی عیسویت بھی دجال ہی کے ساتھ درہم برہم ہو جاتی ہے اس لئے کہ حضرت نے دونوں کو ایک ہی خواب میں دیکھا تھا اور علمائے فن تعبیر نے تصریح کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر سفر وغیرہ ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی عیسویت کس بنا پر قائم ہوگی کیونکہ حضرت کے اس خواب کی تعبیر کا ظہور تو حضرت کے سفر وغیرہ سے اسی زمانے میں ہوگیا ہوگا اب تو اس رضی اللہ عنہ والی حدیث میں غور کیجئے کہ کتنے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں بیان فرمائے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے ہی سے متعلق ہیں:

۱...... دجال کا حلیہ،

۲...... شام وعراق کے درمیان سے اس کا نکلنا،

۳...... اس کا فساد برپا کرنا،

۴...... اس کی مدت فتنہ پردازی،

۵...... اس کے زمانے کے ایام کی مقدار،

۶...... ان ایام کی نمازوں کا طریقہ،

۷...... اس کی سرعت سیر،

۸...... اس کے خوارق،

۹...... عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا،

۱۰...... ان کے اترنے کا مقام،

۱۱...... ان کا لباس اور ہیئت،

۱۲...... کافروں کا قتل،

۱۳...... دجال کو مقام معین میں قتل کرنا،

۱۴...... یاجوج و ماجوج کا خروج اور ان کی کثرت،

۱۵...... خوردنی اشیاء کی گرانی،

۱۶...... یاجوج و ماجوج کی موت کا حال،

۱۷...... پرندوں کا ان کی لاشوں کو اٹھا لے جانا،

۱۸...... زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش،

۱۹...... پیداوار کی کثرت،

۲۰...... مسلمانوں کی موت کا حال،

۲۱...... کفار کا حال اور ان پر قیامت کا قائم ہونا۔

یہ کل علامات ایسی ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے ساتھ مختص ہیں جن میں سے ایک بھی مرزا صاحب کے وقت میں نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث کو ایک خواب تعبیر طلب قرار دے کر بعض امور کی تعبیر بھی بیان کی ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام میں طولانی ایام کی نسبت لکھتے ہیں کہ لمبے دنوں سے مراد تکلیف اور مصیبت کے دن بھی ہوتے ہیں۔ بعض مصیبتیں ایسی دردناک ہوتی ہیں کہ ایک دن ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتیں ایسی کہ ایک دن ایک مہینے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور بعض مصیبتوں میں ایک دن ایک ہفتہ جیسا لمبا سمجھا جاتا ہے، پھر

رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو جانے سے وہی لمبے دن معمولی دن دکھائی دینے لگتے ہیں۔

ازالۃ الاوہام میں انہوں نے لکھا ہے کہ دجال سے مراد بااقبال قومیں ہیں۔ جب دجال سے مراد بااقبال قومیں ہیں اور ایام کی درازی مصیبتوں کے لحاظ سے ہوتی ہے تو اس تعبیر میں ان کو ضرور تھا کہ اس کی تصریح بھی کر دیتے کہ فلاں بااقبال قوم کے خروج کا پہلا دن ایک سال اور دوسرا دن ایک ماہ اور تیسرا دن ایک ہفتے کا اور باقی ایام معمولی اصناف مصائب کے لحاظ سے ہو گئے تھے اسی طرح ایک ایک بااقبال قوم کے ایام و مصائب کا ذکر کرتے۔ مگر یہ ان سے ممکن نہیں ان کو تو صرف حدیث کو بگاڑنا مقصود ہے اور نمازوں کے باب میں لکھتے ہیں۔ (کہ طولانی دن کی مقدار پر اندازہ کرنے کو جو فرمایا ہے سو) یہ بیان پیغمبر خدا ﷺ کا علی سبیل الاحتمال ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے بلحاظ وسعت قدرت الٰہی کا کشفی امر کو مطابق سوال سائل کے ظاہر پر محمول کر کے جواب دے دیا۔ اور کشفی امر کو جب تک خداتعالیٰ خاص طور پر ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری معنوں پر محدود نہیں سمجھتے تھے۔

مطلب اس کا ظاہر ہے کہ ان ایام کا کشف تو حضرت کو ہو گیا تھا مگر بیان کرنے میں (نعوذ باللہ) غلطی کی جو مطابق سوال کے خلاف واقع جواب دے دیا اور حق تعالیٰ نے اس کشفی امر کو حضرت پر ظاہر ہی نہیں کیا اسی لئے ظاہری معنی پر اس کو محدود کر لیا۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر ان ایام کا کشف آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تھا کہ ایک روز ایک برس کا ہو گا تو اس کو ظاہری معنی پر حمل کرنا کیوں خلاف واقع سمجھا جاتا ہے اور اگر ایک برس کا ایک دن سمجھنا غلط تھا تو کشف ہی کیا ہوا۔ مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے کشف کو اپنے ادعائی کشفوں کے جیسے سمجھ لیا ہے کہ کشف میں دیکھا تو شیطان کو اور سمجھ لیا کہ وہ خدا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اسی وجہ سے حضرت کے کشف کی اصل حقیقت سمجھنے میں دقتیں لاحق ہوئیں۔

اور اسی ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ دجال بادل کی طرح تیز چلے گا اور اس پر جو ایمان لائے تب بادل کو حکم کرے گا کہ مینہ برسائے اور زمین کھیتی اگائے سو یہ استعارات ہیں ہوشیار رہو دھوکا نہ کھانا۔

مرزا صاحب مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے تم کو دھوکا دے دیا ان سے ہوشیار رہو دھوکا نہ کھاؤ۔ سبحان اللہ اس پر امتی ہونے کا دعویٰ بھی ہے اسی میں لکھتے ہیں کہ دجال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام و عراق کے درمیان واقع ہے یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ مکاشفات میں عام طور پر استعارات و کنایات ہوا کرتے ہیں۔

مرزا صاحب کی رائے یہاں چل نہ سکی اس لئے کہ دجال تو با اقبال قومیں ٹھہریں اور وہ شام و عراق کے درمیان نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کیا کہ وہ بھی ایک استعارہ و کنایہ ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ یہاں اہل اسلام کو یہ بھی خیال کر لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے کس اہتمام سے ان واقعات کو بیان فرمایا اور کیسے کھلے کھلے الفاظ میں دجال کے حالات معلوم کرائے ان سب کو مرزا صاحب نے چیستان اور پہیلی قرار دیا اور صرف چند مضامین اپنی دانست میں حل کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ کیا یہی نبی کی شان ہے کہ اپنی امت کو کسی سے ڈرائے اور اس کے احوال کی پہیلی بنا کر بیان کرے اور اس پہیلی کے سننے والے اس کو ظاہر پر حمل کر کے ظاہری الفاظ پر ایمان لائیں جن میں بعض امور کفریات اور دھوکا ہوں اور نبی ساکت رہیں اور یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے تو پہیلی بنائی تھی تم اسی کے ظاہر پر ایمان لا رہے ہو۔ اپنے نبی کی نسبت ایسا گمان کرنے والا کیا امتی ہو سکتا ہے؟ عقل اس کو ہرگز باور نہ کرے گی۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اور دجال میں تلازم ثابت ہو جائے تو جو علامات دجال کی احادیث میں مذکور ہیں کسی پر صادق کر کے بتلانے کی ضرورت ہوگی اگرچہ کہ اپنے مناسب دجال کبھی پادریوں کو اور کبھی با اقبال قوموں کو قرار دیتے ہیں اور چند

علامات بھی تاویلیں کر کے ان پر صادق کر دیتے ہیں مثلاً ایک چشمی ہونے سے مراد دنیاوی عقل وغیرہ ہیں مگر پوری علامتیں تاویلات سے بھی صادق نہیں آسکتیں اس لئے آخر میں تنگ آ کر صاف کہہ دیا کہ دجال کے باب میں جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں سب موضوع ہیں البتہ ابن صیاد دجال موعود تھا جو حضرت ہی کے زمانے میں نکلا اور مر بھی گیا اب دجال کی ضرورت ہی نہ رہی چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اب اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ عقل خداداد ہم کو یہ طریقہ فیصلہ کا بتلاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں انہیں کو صحیح سمجھنا چاہیے، سو اس طریق فیصلہ کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کے حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجّال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنے میں پڑتے تھے لیکن بعد اس کے خداداد ہدایت سے وہ مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اسی کے صفحہ ۲۲۵ میں لکھتے ہیں کہ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر اس پر (ابن صیاد) پر یقین کیا گیا کہ یہی دجال معہود ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اب اس میں شک نہیں کہ یہی دجال معہود ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی آخر کار یقین کر لیا۔

ابن صیاد اور دجال کی بحث انوار الحق میں کسی قدر مبسوط لکھی گئی ہے اس میں مرزا صاحب کے ان شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں مگر یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جب آخری زمانے میں دجال کا وجود ہی نہ ہو تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہی کیا حالانکہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۱۴۷ میں وہ لکھتے ہیں **لکل دجال عیسیٰ** اس سے تو دونوں میں تلازم

ثابت ہو رہا ہے اور احادیث میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاص دجال کے قتل کے لئے معین ہیں اور خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت ﷺ سے یہی کہا جیسا کہ حدیث صحیح سے ابھی معلوم ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب وہ حدیثیں موضوع ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر جو وہ بھی انہی میں ہے کیونکر ثابت ہو سکتا ہے؟ اس صورت میں مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ نہ وہ مسیح موعود ہیں، نہ مثیل موعود اور نہ ان کی ذریت میں کوئی مسیح ہو سکتا ہے اور اگر اپنے الہاموں سے مسیح ہونا ثابت کریں تو ان کے الہاموں کی بے وقعتی تقریر سابق سے بخوبی ثابت ہے اور مرزا صاحب اپنا دجال پادریوں اور با اقبال قوموں کو جو بتا رہے ہیں ان کے مقابلے میں غالب ہونا تو درکنار ان کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ نہیں سکتے اس لئے کہ مسٹر آتھم صاحب کے مقابلے میں جب وہ حد سے زیادہ خفیف و ذلیل ہوئے تو اب کسی پادری کے مقابلے کی ان میں جراءت ہی نہیں اور با اقبال قوموں کے مقابلے کا تو ان کو خیال بھی نہیں آ سکتا بلکہ بجائے مقابلے کے دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہیں پھر اپنے آپ کو عیسیٰ اور پادریوں اور با اقبال قوموں کو دجال بنانے سے فائدہ ہی کیا جب احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور مرزا صاحب اپنے دجال کے مقابلے میں حرکت مذبوحی بھی نہیں کر سکتے تو انہی احادیث سے مرزا صاحب کی عیسویت خود باطل ہو گئی۔

مرزا صاحب نے مسیحیت کا ایسا دعویٰ کیا ہے کہ بقول ان کے اب تک کسی نے نہیں کیا کیونکہ اس دعویٰ کے لوازم و شرائط جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی ایمان ہے اس دعوے سے روک دیتی ہیں اور تمام حدیثوں کی صحیح کتابیں جن کی صحت پر زمانے کے علمائے شرق و غرب کا اتفاق قرناً بعد قرن چلا آ رہا ہے ان کو اس دعوے میں کاذب بتا رہی ہیں تو اب ان کے بغیر اس کے کہ ان کتابوں پر حملہ کریں کوئی مفر نہیں۔

اس صورت میں مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت کہ مرزا صاحب کی خاطر سے اپنی معتمد علیہ کتابوں کو جھوٹی اور اپنے سلف صالح اور متفق علیہ علمائے متقدمین ومتاخرین کو جاہل اور غیر متدین کہہ کر ادعائے مسیح کو مان لیں۔ بہر حال یہ اکیس علامتیں جن کو تو اس ﷺ نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے اور تمام امت نے اس کی تصدیق کی ہے بآواز بلند کہہ رہی ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ عیسویت بلا شک وشبہ بے اصل محض ہے اور وہ زبردستی اپنے کو مسیح بنا رہے ہیں اور اس کا کچھ خوف نہیں کہ نبی ﷺ نے اس باب میں کیا فرمایا ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **البدور السافرة في احوال الأخرة** کے صفحہ ۲۱۱ میں یہ حدیث نقل کی ہے **اخرج الشيخان قال رسول الله ﷺ من ادعى ما ليس له فليس منا وليتبوأ مقعده من النار** یعنی بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی بات کا دعویٰ کرے جو اس کو حاصل نہیں وہ ہم لوگوں میں یعنی مسلمان نہیں۔ چاہیے کہ وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے انتہی۔

اس مقام میں فلسفی خیال والوں کو مرزا صاحب کی تقریر بہت مفید ہوگی اور ضعیف الایمان ان کی بات کو بآسانی قبول کر لیں گے اس وجہ سے کہ امور مذکورہ کو معمولی عقلیں قبول نہیں کر سکتیں۔ مثلاً چالیس دن جس میں سال کا ایک دن ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کے موانع بہت ہیں اسی وجہ سے اہل ایمان جو مستحق جنت ہیں دوزخیوں کی نسبت ہزاروں حصہ ہونگے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لیکن انصاف سے اگر دیکھا جائے تو کوئی بات بھی ان میں خلاف عقل نہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ جو خالق عالم ہے اس میں ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں کہ قیامت کے روز آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے آفتاب بے نور اور قریب ہو جائے گا اور اس پچاس ہزار برس کے دن میں آفتاب پر کئی حالتیں طاری ہونگی پھر اگر قیامت کے قریب اس پر یہ

حالت بھی گزرے کہ چالیس سال زمین کے کسی خاص حصے کے مقابل ٹھہرا رہے تو کون سا محال لازم آجائیگا۔ حکمت جدیدہ کی رو سے تو آفتاب ساکن ہی ہے اور حکمت قدیمہ کی رو سے زمین ساکن ہے بہر حال ان دونوں کا ساکن ہونا حکماء کے قول سے ثابت ہے پھر اگر ایک مدت تک دونوں ساکن رہیں تو کونسی نئی بات ہوگی۔ اسی پر کل امور کا قیاس کر لیجئے کیونکہ وہ ایک ایسا زمانہ ہوگا کہ خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کو خاص طور پر ظاہر فرمائیگا اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ جتنی مخلوق ابتدائے خلقت سے مر کر مٹی میں مل گئی جن کا نام ونشان تک باقی نہ رہا سب کے سب اصلی حالت پر اٹھائی جائے گی اور اعادہ معدوم جو محال سمجھا جاتا ہے اس روز ممکن بلکہ واجب ہوگا۔ بہر حال آدمی ایمان لانا چاہے تو کوئی بات نہ خلاف عقل ہے، نہ ایمان لانے سے مانع مگر یہ بات بے توفیق الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی **وما توفیقی الا باللہ**۔

نواس رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو علامات عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی معلوم ہوئیں یہ ہیں۔

۱۳ ...... شام وعراق کے درمیان دجال کا نکلنا۔

۱۴ ...... اس کا حلیہ۔

۱۵ ...... اس کا فساد برپا کرنا۔

۱۶ ...... اس کی فتنہ پردازیاں۔

۱۷ ...... اس کے زمانے کے ایام کی مقدار۔

۱۸ ...... ان ایام کی نمازوں کا طریقہ۔

۱۹ ...... اس کی سرعت سیر۔

۲۰ ...... اس کے خوارق عادات۔

۲۱ ...... عیسیٰ علیہ السلام کا لباس وہیئت وغیرہ۔

۲۲....... ان کا کافروں کو قتل کرنا۔

۲۳....... یاجوج ماجوج کا خروج اور انکی کثرت۔

۲۴....... خوردنی اشیاء کی گرانی۔

۲۵....... یاجوج وماجوج کی موت کا حال۔

۲۶....... پرندوں کا انکی لاشوں کو اٹھا لے جانا۔

۲۷....... زمین کو گندگی سے پاک کرنے کیلئے بارش۔

۲۸....... پیداوار کی کثرت۔

۲۹....... مسلمانوں کی موت کا حال۔

۳۰....... کفار کا حال۔

۳۱....... ان پر قیامت کا قائم ہونا۔

۳۲....... امام مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہونا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی شخص ہیں مگر ہمارے پیارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ دو شخص ہیں اور ہر ایک کے حالات جدا جدا ہیں جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے۔ **قال رسول اللہ ﷺ کیف تھلک امۃ انا فی اولھا وعیسٰی ابن مریم فی اٰخرھا والمھدی من اھل بیتی فی وسطھا** یعنی وہ امت کیونکر ہلاک ہوگی جس کے اوائل میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور وسط میں مہدی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص نہیں ہیں اور کنز العمال ج ۷ میں ہے **قال رسول اللہ ﷺ المھدی من عترتی من ولد فاطمۃ** (عن ام سلمۃ) یعنی مہدی میری اہل بیت میں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں ہوں گے یہ روایت

ابوداؤد اور مسلم میں بھی ہے۔ وفی کنز العمال قال النبی ﷺ المهدی یواطی اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی. یعنی مہدی کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ وفی کنز العمال قال رسول اللّٰہ ﷺ لولم یبق من الدنیا الایوم لطول اللّٰہ ذلک الیوم حتی یبعث فیه رجل من اهل بیتی یواطئ اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی یملأ الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا (وعن ابن مسعود) یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی حق تعالیٰ اس دن کو دراز کر دیگا تا کہ امام مہدی آ کر دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں۔ ان کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ مہدی رضی اللہ عنہ اور ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اور۔

پھر ان کو پہچاننے کیلئے حضرت نے کئی علامتیں بتلا دیں تا کہ مسلمان کسی اور کو مہدی نہ سمجھ لیں۔ کمافی کنز العمال قال رسول اللّٰہ ﷺ المهدی اجلی الجبهة اقنی الانف (دک عن ابی سعید رضی اللہ عنہ) وفی روایة قال رسول اللّٰہ ﷺ وجهه کالکوکب الدری وفی روایة فی خده الایمن خال اسود علیه عباتان قطوانیتان. وفی البرهان فی علامات مهدی اخر الزمان للشیخ علی متقی اخرج نعیم عن ابی الطفیل ان رسول اللّٰہ ﷺ وصف المهدی فذکر ثقلا فی لسانه وفیه ایضا اخرج نعیم المهدی ازج ابلج اعین یحیئ من الحجاز حتی یستوی علی منبر دمشق وهو ابن ثمان عشر سنة. وفیه ایضاً من روایة علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجهه المهدی کث اللحیة اکحل العینیین براق الثنایا وفی وجهه خال. یعنی مہدی رضی اللہ عنہ فراخ پیشانی اور بلند بینی ہوں گے ان کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکتا ہوگا۔ ان کے داہنے رخسار پر خال سیاہ ہوگا اور لباس ان کا دو قطرے عبا ہونگے ان کی زبان میں ثقل ہوگا اور کشیدہ و کشادہ ابرو ہوں گے اور فراخ

چشم جب وہ حجاز سے دمشق آئیں گے ان کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی دمشق کے منبر پر خطبہ پڑھیں گے۔ ان کی ریش گھنی ہوگی آنکھیں سرمگیں اور دانت نہایت چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور بہت سی حدیثیں حلیہ وغیرہ سے متعلق وارد ہیں الغرض باوجودیکہ امام مہدی سے متعلق روایتیں بکثرت صحاح وغیرہ میں وارد ہیں اور مرزا صاحب جانتے ہیں کہ امام مہدی آنحضرت ﷺ کی اولاد میں سے ہوں گے اور وہ خود مغل ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ دوسرے نسب میں داخل ہونے کی کیسی وعیدیں ہیں مگر بااین ہمہ صاف کہتے ہیں کہ میں مہدی ہوں۔

اب ان روایات کو بھی دیکھئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے **عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لایزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الی یوم القیامه قال فینزل عیسٰی بن مریم فیقول امیرهم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی البعض امراء تکرمه اللّٰه هذه الامة** (رواہ مسلم)۔

یعنی فرمایا حضرت ﷺ نے میری امت قیامت تک حق پر جنگ کرتی رہے گی۔ جب عیسیٰ بن مریم اتریں گے ان کا امیر عیسیٰ سے کہے گا آیئے نماز پڑھایئے وہ انکار کر کے کہیں گے اس امت کے امیر انہی میں کے ہو سکتے ہیں یہ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس امت کو بزرگی دی ہے۔ اگرچہ روایت میں صرف امیر کا لفظ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مہدی ہوں گے جیسا کہ کنز العمال میں ہے **قال النبی ﷺ منا الذی یصلی عیسٰی بن مریم خلفه** یعنی جس امیر کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے وہ ہمارے اہل بیت میں ہوگا مرزا صاحب اگر مہدی ہیں تو ثابت کریں کہ عیسیٰ نے ان کے پیچھے نماز کون سی جنگ میں پڑھی تھی۔ مختصر تذکرہ قرطبی

میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے روی عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰه ﷺ لو لم يبق من الدنيا الا يوم واحد لطوله اللّٰه عزوجل حتی يملک رجل من اهل بيتی جبل الديلم و القسطنطنية (واسناده صحيح) یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدائے تعالیٰ اسی کو دراز کرے گا جس میں میرے اہل بیت سے ایک شخص جبل دیلم اور قسطنطنیہ کا مالک ہو جائیگا۔ اور روایت سابقہ جو اسی مضمون کی مذکور ہوئی اس میں نام بھی اس شخص کا معلوم ہوا کہ وہ امام مہدی ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں مصرح ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے ساتھ ہی دجال نکلے گا جس کے مقابلے کے لئے امام مہدی جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کا اتفاق ہوگا جس کی خبر حضرت نے دی کہ منا الذی يصلی عيسٰی علیہ السلام خلفه. روایت مذکورہ یہ ہے جو مختصر تذکرۂ قرطبی میں مذکور ہے روی مسلم عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰه ﷺ قال لا تقوم الساعة حتی تنزل الروم... فيفتحون قسطنطنية فبيناهم يقتسمون الغنائم اذ صاح فيهم الشيطان ان المسيح قد خلفكم فی اهليكم فيخرجون وذلک باطل فاذا جاءوا الشام خرج فبيناهم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذ اقيمت الصلوٰة فينزل عيسٰی بن مريم. (الحدیث) یعنی اہل اسلام قسطنطنیہ فتح کر کے تقسیم غنیمت میں مشغول ہوں گے کہ شیطان پکار دیگا کہ دجال نکل آیا اگر چہ وہ بے اصل ہوگا لیکن جب وہ شام کو آئیں گے تب دجال نکلے گا اور وہ صف آرائی میں مشغول ہوں گے اور ادھر نماز کی جماعت قائم ہو گی کہ عیسیٰ علیہ السلام اتر آئیں گے۔ مرزا صاحب انہی احادیث کے لحاظ سے اکثر نماز میں اقتدا کیا کرتے ہیں جیسا کہ الحکم میں لکھا ہے اور کچھ نہیں تو تصور تو اس کا ضرور جماتے ہوں گے کہ میں عیسیٰ ہوں اور یہ امام مہدی ہے کیوں نہ ہو مرزا صاحب کو تصوف میں بھی دعویٰ ہے فنا و بقا میں خوب گفتگو کیا کرتے ہیں

یہ شعر ضرور پیش نظر ہوگا۔

ع گر در دل تو گل گزرد گل باشی

مگر حیرت یہ ہے کہ یہ تصور بھی اب تک جما نہیں اس لئے کہ نماز کے بعد بیچارے امام کو مہدویت سے محروم کر کے خود مہدی بن جاتے ہیں۔

احادیث مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہے کہ گو امام مہدی، عیسیٰ علیہ السلام سے چند روز پیشتر مامور ہوں گے مگر در حقیقت دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اور یہ حدیث شریف بھی اسی کی خبر دیتی ہے: **عن معاذ ابن جبل قال قال رسول اللّٰہ ﷺ عمران بیت المقدس خراب یثرب وخراب یثرب خروج الملحمۃ وخروج الملحمۃ فتح قسطنطنیۃ و فتح قسطنطنیۃ خروج الدجال** (رواہ ابوداؤد) یعنی بیت المقدس کی آبادی مدینے کی ویرانی ہے اور مدینے کی ویرانی ایک جنگ عظیم کی ابتداء ہوگی اور اس جنگ عظیم کی ابتداء قسطنطنیہ کی فتح اور فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہے یعنی ایک دوسرے سے ایسے متصل ہیں کہ گویا سب ایک ہی ہیں اور ابھی معلوم ہوا کہ امام مہدی قسطنطنیہ کو فتح کرتے ہی شام میں آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور ابوعمر الدانی نے اپنی سنن میں حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے قال رسول اللّٰہ ﷺ **یلتفت المھدی وقد نزل عیسیٰ ابن مریم کانما یقطر من شعرہ الماء فیقول المھدی تقدم وصل بالناس فیقول عیسیٰ علیہ السلام انما اقیمت الصلوٰۃ لک فیصلی خلف الرجل من ولدی** (الحدیث) مولوی قاضی عبید اللہ صاحب مدراسی نے فتوے میں یہ روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ یکا یک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے امام مہدی رضی اللہ عنہ امامت کے لئے ان سے کہیں گے مگر وہ قبول نہ کریں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام میری اولاد سے ایک شخص یعنی امام مہدی کے پیچھے اقتداء کریں

گے۔ اور اسی میں ہے **اخرج ابو نعیم عن کعب الا حبار فاذا بعیسیٰ ابن مریم ویقام الصلوٰۃ ثم یکون عیسیٰ اماماً بعدہ** اور نیز اس میں ہے **اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال المہدی من ہذہ الامۃ وھو الذی یوم عیسیٰ ابن مریم** علیہ السلام ماحصل ان سب روایتوں کا یہی ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کی امامت کریں گے جس سے ظاہر ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ **لامہدی الا عیسیٰ** یعنی ہر چند ان دونوں حضرات کے حیرت انگیز وقائع جداگانہ ہیں جن کا ذکر مختلف احادیث میں بیان فرمایا گیا لیکن زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے جیسے فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہی ہے مگر چونکہ مرزا صاحب قابو جو ہیں انہوں نے اس حدیث سے یہ کام لیا کہ مہدی کو عیسیٰ بنادیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے اس قسم کا حمل عموماً کیا کرتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اور آپ ایک ہیں اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ دونوں شخص ملک کر ایک ہوگئے کیونکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ دو ذاتوں کا ایک ہوجانا محال ہے۔ حضرت نے جب حسب ونسب اور احوال مختصہ ہر ایک کے بارہا بیان فرمائے جس سے تمام صحابہ مطلع اور بخوبی واقف ہوگئے کہ قبل قیامت ان دونوں حضرات کی تشریف فرمائی ضرور ہے کسی موقع میں جہاں اتصال زمانی دونوں کا بیان کرنا مقصود تھا فرمادیا کہ **لا مہدی الا عیسیٰ** وہ بھی اس خیال سے کہ کوئی غبی ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو شخصوں کو ایک سمجھ لے پھر بھلا صحابہ جو حضرت کی بات بات کو وظیفہ اور حرز جان بنا کر ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے تھے کیونکر اس سے یہ سمجھ سکتے کہ حضرت نے ان دونوں بزرگواروں کو ایک بنادیا۔

مرزا صاحب کی کج بختیوں کی کوئی انتہا بھی ہے صدہا احادیث وآثار امام مہدی کی خصوصیات میں موجود ہیں جن میں چند یہاں لکھے گئے اور صدہا آیات واحادیث وآثار

عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں وارد ہیں ذرا بھی احتمال نہیں ہوسکتا کہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں مگر انہوں نے ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کر دیا اس پر اجتہاد کا بھی دعویٰ ہے۔ اگر اجتہاد اسی کا نام ہے کہ ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کر دیا جائے تو اتنی بات کے لئے مجتہد کی کوئی ضرورت نہیں جس عامی سے کہئے فوراً یہ کام کر دیگا۔ تقریر سابق سے ظاہر ہے کہ حدیث **لا مهدی الا عیسٰی** میں صرف مضاف محذوف ہے یعنی **لا زمان مهدی الا زمان عیسٰی** جیسے حدیث **عمر ان بیت المقدس خراب یثرب** میں بھی لفظ زمان محذوف ہے۔ چونکہ آبادی بیت المقدس اور ویرانی یثرب اور جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ اور خروج دجال اور ظہور امام مہدی اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں قرب واتصال زمانی ہے اس لئے حسب محاورہ سامعین کی فہم پر اعتماد کر کے ان وقائع کو ایک دوسرے پر حمل فرما دیا مگر مرزا صاحب اس کو جائز نہیں رکھتے۔ اپنے دعوؤں میں تو مجاز واستعارات وحذف وغیرہ سے احادیث میں برابر کام لیں مثلاً خود مجازی عیسیٰ قادیان دمشق یا اقبال قومیں دجال اور امام مہدی کے باب میں جو کثرت سے روایتیں وارد ہیں جن کا تواتر محدثین ومحققین کی تصریح سے ثابت ہے ان کی صحت کے لئے مجاز لینے کی اجازت نہ ہو اس سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ ﷺ پر کیا ظلم ہوسکتا ہے۔ اس پر دعویٰ ہے کہ میں عادل ہوں۔ شفاء للناس میں لکھا ہے کہ علامہ شوکانی بعد نقل احادیث کے اپنی کتاب توضیح میں لکھتے ہیں **وجميع ماسبقناه بالغ حد التواتر كما لايخفى على من له فضل اطلاع فتقرر بجميع ما سبقناه فى هذا الجواب ان الاحاديث الواردة فى المهدى المنتظرمتواترة۔** اب حدیث **لا مهدی الا عیسٰی** کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جس سے صحیح صحیح روایتیں مرزا صاحب باطل کر رہے ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے **كما قال حدثنا يونس بن عبدالاعلى ثنا محمد بن ادريس الشافعى حدثنى محمد بن خالد الجندى عن ابان بن صالح عن الحسن عن انس بن مالک ان**

رسول اللہ ﷺ قال لایزداد الامر الا شدۃ ولا الدنیا الا ادباراً ولا الناس الا شحا ولا تقوم الساعۃ الا علٰی شرار الناس ولامھدی الا عیسٰی ابن مریم۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **مصباح الزجاجۃ** میں اس روایت سے متعلق ایک نہایت مبسوط تقریر لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جملہ **لامھدی الا عیسٰی** سوائے یونس کے اور کسی نے زیادہ نہیں کیا اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یونس نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نہیں سنا اس وجہ سے یہ حدیث منقطع ہے اور یہ روایت صرف محمد بن خالد سے مروی ہے اور محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہیں ان کی عدالت ثابت نہیں اور ابان بن صالح کی نسبت کہا گیا ہے کہ انہوں نے حسن سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ ابوالحسن علی بن ابن عبداللہ الواسطی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ یونس نے جو مہدی کے باب میں مجھ سے روایت بیان کی ہے وہ جھوٹ ہے نہ میں نے وہ روایت کی، نہ اس سے بیان کیا۔ الحاصل روایت **لامھدی الا عیسٰی** اکابر محدثین کے نزدیک کئی طرح سے مخدوش ہے مگر مرزا صاحب کو اس سے کیا غرض ان کو کیسی ہی ضعیف منکر منقطع مجہول مخدوش روایت مل جائے بشرطیکہ مفید مطلب ہو اس پر بڑی دھوم دھام سے استدلال کرتے ہیں اور جو روایت ان کے حق میں مضر ہوتی ہے اگر بخاری و مسلم میں بھی ہو تو اقسام کے احتمال قائم کر کے ساقط الاعتبار بنا دیتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ یہ خیال بالکل فضول اور مہمل معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کی کے مسیح ابن مریم کہنا چاہیے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے مہدی کا آنا بھی ضرور ہو کیا وہ خود مہدی نہیں؟ کیا وہ خدا کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا۔ ابن ماجہ نے

اپنی صحیح میں لکھا ہے **لامهدی الا عیسٰی** یعنی بجز عیسٰی کے اس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔

مطلب اس کا یہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس خیال سے (کہ مسیح کے رنگ والا شخص یعنی قادیانی موجود ہونے کے بعد پھر مہدی کی کیا ضرورت) کمال زجر سے فرمایا **لامهدی الا عیسٰی** یعنی مہدی اس وقت کوئی چیز نہیں وہی قادیانی بس ہے وہی مہدی ہے مگر یہ بات غور طلب ہے کہ صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو پوچھ کر اس کو صاف کر لیا کرتے تھے اس موقع میں ضرور تھا کہ کمال ادب سے عرض کرتے کہ حضرت مہدی کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے، نہ توراۃ وانجیل وغیرہ میں، نہ ہم نے کسی سے سنا کہ مہدی بھی کوئی آدمی ہوگا پھر یہ جو بطور عتاب ارشاد ہو رہا ہے کہ مہدی کوئی چیز نہیں اس کا سبب معلوم نہ ہوا کس نے عرض کی کہ مہدی بھی کوئی چیز ہے اور اگر انہوں نے حضرت سے امام مہدی کا ذکر اور ان کا حسب ونسب وحلیہ وغیرہ سنا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو عرض کرتے کہ جس مہدی موعود کا بارہا ذکر فرمایا کیا اب ان کی ضرورت نہ رہی اور جب عیسٰی ہی مہدی ٹھہرے تو کیا وہ حضرت ہی کی اولاد میں ہوں گے اب تک تو ہم قرآن اور حضرت کے ارشاد سے عیسٰی ابن مریم کو نبی بنی اسرائیل سمجھتے تھے اب ان کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہیے کیا وہ سچ مچ عیسٰی ابن مریم ہوں گے یا جس طرح مہدی کی نفی فرمادی گئی ان کی بھی نفی مطلوب ہے۔ مگر کسی حدیث میں اس قسم کا سوال مذکور نہیں۔ اب یہ مضمون کس طرح اس حدیث سے نکالا جائے کہ قادیانی کے وقت میں مہدی کوئی چیز نہ ہوں گے اور قادیانی ہی مہدی ہوں گے۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب جو اس حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کس قدر بدنما ہیں۔

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ بجز عیسٰی کے اس وقت کوئی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہ ہوگا اس میں بھی ان کو غلطی ہوئی اس لئے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسٰی علیہ السلام

کے زمانے میں صرف اسلام ہی اسلام رہ جائیگا جس سے ظاہر ہے کل ہدایت یافتہ ہوں گے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کل مہدی یعنی محمد ابن عبداللہ ہوں کلام اس میں ہے کہ مہدی موعود عیسیٰ علیہ السلام نہیں البتہ معنی لغوی ان پر صادق آئیں گے جس میں ان کی خصوصیت نہیں۔

مرزا صاحب نے مہدی کو کلی قرار دی ہے چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں۔ یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی آویں اور ممکن ہے کہ امام محمد کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو لیکن جس طرز سے عوام کے خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔ مقصود یہ کہ مہدی اسلام میں متعدد ہوں گے مگر جس صورت میں حدیث **لا مھدی** ظاہری معنی پر لی جائے جس کے مرزا صاحب قائل ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہو گا کہ محمد ابن عبداللہ بھی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہیں جن کا حال آنحضرت ﷺ نے بکرات و مرات بیان فرمایا پھر مرزا صاحب کا اقرار مہدیوں کے تعدد میں کیوں کر صحیح ہو گا۔

مرزا صاحب نے مہدی سے پیچھا چھڑانے میں بڑی دقتیں اٹھائیں مگر اس زمانے میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کسی کا نام مہدی رکھ دیا جاتا یا اس نام کا کوئی شخص تلاش کر لیا جاتا تو بھی کام چل جاتا آخر قدماء نے فرشتے بنا لئے تھے اور اسی پر ان کی کامیابی ہو گئی جیسا کہ تومرث کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

مرزا صاحب نے حدیث **لا مھدی الا عیسٰی** کو ابن ماجہ میں تلاش تو کر لیا مگر وہیں ایک حدیث اور بھی موجود تھی کاش اس پر بھی ان کی نظر پڑ جاتی اور اس کے معنی بھی بیان فرما دیتے جس سے ناظرین کو دوبالا لطف آتا مگر اس کو انہوں نے اگر دیکھا بھی ہے تو نظر انداز کیا اس لئے کہ وہ تو مہدی کے ساتھ اس زمانے کے عیسیٰ کو بھی رخصت کر رہی ہے

وہ حدیث یہ ہے عن ابی امامة الباهلی رضی اللہ عنہ قال خطبنا رسول الله ﷺ فکان اکثر خطبة حدیثا حدثناه عن الدجال...... وامامهم رجل صالح فبینما امامهم قد تقدم یصلی لهم الصبح اذ نزل علیهم عیسیٰ ابن مریم الصبح فرجع ذٰلک الامام یمشی القهقری لیقدم عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ یده بین کتفیه ثم یقول له تقدم فصل فانما لک اقیمت فیصلی بهم امامهم فاذا انصرف قال عیسیٰ علیہ السلام افتحوا الباب فیفتح و وراءه الدجال معه سبعون الف یهودی کلهم ذوسیف محلی و ساج فاذا نظر الیه دجال ذاب کما یذوب الملح فی الماء وینطلق هاربا ویقول عیسیٰ علیہ السلام ان لی فیک ضربة لن تسبقنی بها فیدرکه عند باب اللدّ الشرقی فیقتله فیهزم الله الیهود فلا یبقی شیٔ مما خلق الله یتواری به الیهود الا انطق الله ذٰلک الشیٔ لاحجر ولا شجر ولا حائط ولا دابة الا الغرقد فانها من شجرهم لاینطق الا قال یا عبدالله المسلم هذا یهودی فتعال اقتله (رواہ ابن ماجہ) یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک روز اکثر دجال ہی کا حال بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جولوگ دجال کے مقابل ہوں گے ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا صبح کی نماز پڑھانے کے لئے وہ آگے بڑھے گا کہ عیسیٰ ابن مریم اتر آئیں گے امام پیچھے ہٹے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں مگر وہ کہیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ چنانچہ وہ نماز پڑھائیگا بعد از فراغ عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے دروازہ کھول دو اس وقت دجال ستر ہزار یہود کے ساتھ موجود ہوگا جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو کمال اضمحلال کی حالت میں بھاگے گا عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے تو مجھ سے بھاگ نہیں سکتا ایک وار میرا تجھ میں ضرور ہوگا چنانچہ اس کا پیچھا کر کے لد کے شرقی دروازے کے پاس اسکو قتل کریں گے اور خدائے تعالیٰ یہودیوں کو ہزیمت دیگا اور کیفیت یہ ہوگی کہ جس چیز کے پیچھے کوئی یہودی چھپے گا خواہ وہ پتھر ہو یا جھاڑ یا دیوار یا جانور وہ چیز بآواز بلند

کہے گی کہ اے خدا کے بندے مسلمان یہاں یہودی چھپا ہے آ کر اس کو قتل کر ڈال۔ صرف غرقد کا جھاڑ خبر نہ دے گا کیونکہ وہ انہی کا ہے۔

اب مرزا صاحب ہی بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے جو دجال کے مقابل ہو گئے تھے اور ان کا کون امام تھا جس کی توصیف آنحضرت ﷺ نے کی ہے اور کون سی صبح کی نماز کے لئے وہ کھڑا تھا جو مرزا صاحب اتر آئے اور اس کے پیچھے نماز پڑھی اور کونسی مسجد کا دروازہ کھولنے کو کہا جس کے پاس دجال ستر ہزار مسلح یہود لے کر کھڑا تھا اور کس کے پیچھے دوڑ کر مرزا صاحب نے لد کے دروازہ پر قتل کر ڈالا اور کون سے یہودیوں کو ہزیمت ہوئی اور سب مارے گئے اور کس روز مرزا صاحب اور ان کے ہمراہی سے حجر و شجر نے باتیں کیں۔

یوں تو مرزا صاحب مسلمانوں کو یہود قرار دے ہی چکے ہیں کہہ دیں گے کہ میں نے ان کو ہزیمت دی مگر وہ خلاف واقع ہے اس لئے کہ کئی وقائع سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرزا صاحب ہی کو ہزیمت ہوئی اور بجائے اس کے کہ اپنے دجال کو قتل کریں اگر دل سے نہیں تو زبان سے اس کے مدح خوان اور شکر گزار اور دعا گو ہیں کیونکہ دجال انہوں نے با اقبال قوموں کو قرار دیا ہے جن میں اعلیٰ درجے کی گورنمنٹ برطانیہ ہے۔

اور ازالۃ الاوہام میں گورنمنٹ کی کمال درجہ کی شکر گزاری اور دعا گوئی میں اپنی مصروفی اور مشغولی ظاہر کرتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث نبویہ کا لب لباب یہ ہے جو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کرو گے تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسیٰ بن مریم آئیگا یعنی جب تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو میں بھی عیسیٰ ابن مریم کسی کو بنا کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم اشد سرکشیوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہر جاؤ گے تو محمد ابن

عبداللہ ظہور کرے گا جو مہدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد ابن عبداللہ آئیگا یا عیسیٰ بن مریم آئیگا دراصل اپنی مراد ومطلب میں ہمشکل ہیں۔ محمد ابن عبداللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائیگی جو اپنی دوستی کے لئے سیاست کی محتاج ہوگی تو اس وقت کوئی شخص مثیل محمد ﷺ ہوکر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہو بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کا مثیل بن کر آئیگا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اہل اسلام احادیث کو دیکھ کر اس بات پر اڑیں گے کہ امام مہدی جن کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اور ان کی وہ علامتیں ہوں گی جو احادیث میں مصرح ہیں ان کا وجود ضروری ہے اس لئے انہوں نے تقریر سابق میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ممکن ہے کہ کئی مہدی آئے ہوں اور امام محمد بھی آ جائیں نہ ان کے وجود سے غرض ہے، نہ عدم سے، مطلب ہمیں اپنی عیسویت سے کام ہے۔ اس میں صرف ابلہ فریبی مقصود تھی ورنہ ان کا مقصود اصلی تو یہ ہے کہ وہ صرف عیسیٰ ہی نہیں بلکہ مہدی بھی ہیں انہوں نے دیکھا کہ جہلاء تو سب کچھ مان لیں گے مگر علماء سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے اس لئے یہ راہ گریز بنا رکھی کہ ہم نے تو مہدی کے آنے کا اقرار کرلیا ہے پھر اپنی عیسویت کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ جو لوگ یہودی بن گئے تھے ان کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور مہدویت کا یہ ثبوت کہ لوگ سیاست کے قابل ہو گئے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کے مثیل بن کر آئے ہیں اور مہدی ہیں۔ ہر چند اس مقام میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر یہ تو کہہ دیا کہ اس وقت کوئی شخص مثیل محمد ﷺ کا ہوکر ظاہر ہوگا جو مہدی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اس کا نام بھی محمد ابن عبداللہ ہو اور براہین احمدیہ اور ازالۃ الاوہام میں بکرات ومرات لکھ چکے ہیں کہ میں مثیل آنحضرت ﷺ کا ہوں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ بروزی طور پر حضرت ہی تشریف فرما ہوئے ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اس قول سے بھی ظاہر ہے جو ابھی نقل کیا گیا کہ ایسا شخص جس کو مسیح کہنا چاہیے

کیا وہ مہدی نہیں۔ لیجئے خود ہی عیسیٰ بھی ہو گئے اور خود ہی مہدی بھی ہیں اور جتنی حدیثیں امام مہدی کے حسب ونسب وغیرہ خصوصیات کی تھیں سب بیکار ہو گئیں اور مرزا صاحب کا قول سب کا ناسخ ان کی امت نے تسلیم کر لیا۔

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب جن یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے ان کی اصلاح کی یا ان کو یہودی بنا دیا۔ یہود جو گمراہ سمجھے گئے تھے آخر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کے ارشادوں کو چھوڑ کر اوروں کی باتوں کو مان لیا تھا جو اپنے دل سے تراش کر ان کو فتوے دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کا گروہ بھی یہی کر رہا ہے کہ مرزا صاحب کے قول کے مقابلہ میں وہ کسی حدیث کو نہیں مانتے اور جن کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں ان کی باتوں کو قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی سرکشی اور شرارت ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے نہایت سچ اور بالکل حسب حال فرمایا کہ بہت سے لوگ یہودی بن گئے اور ان کی سیاست کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا** یعنی ان گمراہوں کی یہ حالت ہے کہ ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ بنا لیتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں حدیث **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم** کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے اے امتی لوگوں پیدا ہوگا۔ یہاں تک کہ بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام بخاری صاحب **امامکم منکم** کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے **العاقل تکفیہ الاشارۃ**۔ سبحان اللہ امام بخاری کے فرضی اشارہ پر تو اس قدر توجہ اور خود نبی ﷺ نے صراحۃً

جو فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امامت جو شخص کریں گے وہ ہمارے اہل بیت سے ہوں گے اس کا ذکر تک نہیں۔ اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوتیں تو جب بھی ان کے ابطال کا کوئی حق نہ تھا اس لئے کہ ان کا موضوع ہونا ثابت نہیں چہ جائیکہ وہ احادیث مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ مقصود مرزا صاحب کا یہ ہے کہ **امامکم منکم** کا جملہ علیحدہ ہے اور اس میں لفظ **ھو** محذوف ہے اور ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ **واؤ، امامکم** میں حرف تفسیر ہے جیسا کہ **تلک ایات الکتاب وقران** میں۔ غرض کہ دو توجیہیں کیں ایک یہ کہ **واما مکم** جملہ مستانفہ ہے بحذف مبتدا اور دوسری یہ کہ جزو جملہ ہے جو نزول کے فاعل کی تفسیر واقع ہوا ہے مگر امام بخاری نے ان دونوں توجیہوں سے ایک کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ کس لفظ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے **واؤ** کے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے بیان کرتے مگر چونکہ امام بخاری پر یہ افترا ہے اس لئے بیان نہ کر سکے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خدا اور رسول پر ان کا افترا کرنا ثابت ہے پھر بخاری کیا چیز ہیں محدثین کے نزدیک مسلّم ہے کہ **الحدیث تفسیر الحدیث** یعنی کسی حدیث کے معنی میں تردد ہو تو دوسری حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں دیکھی جائیں اور اس کے وہی معنی لئے جائیں جو دوسری حدیثوں سے مستفاد ہوں۔ جب ہم صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو مسلمانوں کا امام ان سے درخواست امامت کرے گا اور وہ قبول نہ کریں گے جس سے ظاہر ہے کہ وہ امام اور عیسیٰ علیہما السلام دو شخص ہوں گے تو ان احادیث کے لحاظ سے ہمیں ضرور ہوا کہ اس حدیث بخاری کے وہی معنی لیں جو ان صحیح حدیثوں سے مستفاد ہیں اس لئے **وامامکم منکم** میں **واؤ** حالیہ لیا گیا جس پر تمام علماء کا اجماع ہے اور اس کی صدہا نظیریں قرآن وحدیث میں موجود ہیں جن کو ہر طالب علم جانتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس واؤ کے جو معنی لئے ہیں اب تک کسی عالم نے نہیں لکھا صرف مرزا صاحب خودغرضی سے یہ معنی تراش رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر تکلف کر کے یہ معنی لئے جائیں تو دوسری احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام اور امام میں مغائرت بالتصریح ثابت ہے وہ حدیثیں جھوٹی ہوں گی اور کتب صحاح ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔

ع بدوز د طمع دیدۂ ہوش مند

اب دیکھئے کہ اس حدیث کے معنی جو وہ بتلاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تمہیں میں سے ایک شخص ہوگا ظاہر ہے کہ غلط ہیں اس لئے کہ ہر مسلمان جانتا ہے اور صحابہ ہمیشہ قرآن و حدیث میں سنتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اگر ذرا بھی احتمال اس معنی کا ہوتا تو صحابہ پوچھ لیتے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم تو نبی بنی اسرائیل ہیں ان کی نسبت منکم کا ارشاد کیسا؟ ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ بن مریم جو حضرت نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جو اس امت سے ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں روایت ہے **فاذا جاءوا الشام خرج فبيناهم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذ اقيمت الصلوٰة فينزل عيسٰى بن مريم فامهم فاذا راٰه عدواللّٰه ذاب كما يذوب الملح في الماء.** اس سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو امامت کریں گے۔ مگر جب دوسری متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امامت نہ کریں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہ ہوگا جو ظاہراً سمجھا جاتا ہے۔ البتہ لفظ **امهم** سے وہ شبہ پیدا ہوتا ہے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ نماز ہی کی امامت کے واسطے موضوع نہیں بلکہ پیش رو کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ لسان العرب میں لکھا

ہے والامام بمعنی القدام وفلان یؤم القوم یقدمهم وقال ابوبکر معنی قولهم یؤم القوم ای یتقدمهم اخذ من الامام یقال فلان امام القوم معناه هو المتقدم لهم ویکون الامام رئیسا کقولک امام المسلمین اور منتہی الارب میں لکھا ہے وامهم امامة وام بهم امام و پیش روشدن ایشاں شد۔ اس صورت میں مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور وہ دجال کے مقابلے کے واسطے پیش رو ہوں گے اور اس پر قرینہ بھی یہ ہے کہ فامهم کے ساتھ فاذا راه عدو الله ذاب متصل ہے یعنی جب مسلمانوں کے ساتھ مقدمۃ الجیش میں سب سے آگے عیسیٰ علیہ السلام کو دجال اپنے مقابلہ میں دیکھے گا تو گھل جائیگا اس سے ظاہر ہے کہ ان کو پیش رو لشکر دیکھے گا ورنہ مسجد میں دیکھنے کا اس کو کوئی موقع نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مسجد کا دروازہ نماز کے وقت بند ہوگا۔ یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ فینزل عیسیٰ علیہ السلام فامهم سے ظاہراً امامت نماز معلوم ہوتی ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہے اور جو مذکور ہوا وہ بھی احتمال ہے جس پر قرینہ بھی موجود اور لفظ بھی مساعد ہے اور دوسری احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں۔ بہت ہوگا تو تعارض کی وجہ سے دونوں احتمال ساقط ہوں گے مگر اس سے ہمارے مقصود میں کوئی نقصان نہیں آتا کیونکہ دوسری حدیثیں صحیح صحیح بجائے خود بحال ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امیر المومنین کی اقتدا کریں گے۔ اس توجیہ پر اتنی بات باقی رہ جائیگی کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس وقت امامت کون کریگے۔ مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف میں کس قدر محذوفات ہیں مثلاً واذا الارض مدت○ والقت ما فیها وتخلت○ واذنت لربها وحقت○ یاایها الانسان (الآیہ) میں جزاء محذوف ہے جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں اسی طرح قصص میں کہیں پورا قصہ ذکر کیا گیا اور کہیں اختصار کیا گیا جس کی

نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ **یایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقه ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشآء الٰی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا** اور دوسری جگہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **هو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقه ثم یخرجکم طفلا** دیکھئے آیۂ سابقہ میں ارشاد ہے کہ **نطفة** سے **علقة** اور **علقة** سے **مضغة** اور **مضغة** سے **طفل** بنایا جاتا ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ **علقة** سے **طفل** بنایا جاتا ہے یعنی اس آیت میں **مضغة مخلقة** وغیرہ ترک کر دیا گیا۔ اسی طور پر احادیث میں بھی کہیں پورا واقعہ مذکور ہوتا ہے اور کہیں بالاختصار۔ اور عقل و تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ جب آدمی متعدد مجلسوں میں کسی واقعہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کا التزام نہیں کرتا کہ **من اوله الٰی آخره** پورا واقعہ بیان کر دے۔ بلکہ بحسب ضرورت مقام اور اقتضائے حال کمی و زیادتی ہو جاتی ہے۔ اسی طور پر اس حدیث شریف میں نماز کی امامت کا ذکر ترک کر دیا جو بارہا مختلف حدیثوں میں بیان فرما دیا ہے اس موقع میں مقصود اسی قدر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس لشکر کے آگے رہیں گے جن کو دیکھ کر دجال مضمحل ہوگا مرزا صاحب اس حدیث کو اپنے پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں معلوم نہیں وہ کیونکر ہو سکے گا آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں اے مسلمانو اس روز تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ اس قسم کی بات ایسے موقع میں کہی جائے تو زیبا ہے کہ کوئی بڑی بات کا وقوع ہو مثلاً عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی جن کی جگہ جگہ قرآن شریف میں تعریف و توصیف ہے آسمان سے اتریں اور ہمارے نبی ﷺ کے امتی کہلائیں اور خود امامت بھی نہ کریں بلکہ ایک امتی کی اقتداء کریں۔ البتہ یہ کمال افتخار اور خوشی کی بات ہوگی اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کا مقتضائے طبع ہے کہ جب کوئی جلیل القدر شخص اپنے کسی

بزرگ مثلاً باپ یا مرشد کا تابع ہو کر اپنے حلقہ میں شریک ہوتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہوسکتا اسی بناء پر حضرت فرماتے ہیں کہ کہو اس روز کیا حالت ہوگی جب تمہارے ساتھ باں جلالت شان عیسیٰ علیہ السلام شریک حال ہوں گے فی الواقع جن کو نبی کریم ﷺ سے کمال درجے کی محبت ہے ان کی اس وقت عجیب حالت ہوگی اسی وجہ سے ارشاد ہے **کیف انتم اذانزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔**

اگر اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ایک پنجابی تم میں اترے گا اور تمہاری امامت کرے گا۔ اس میں تو کوئی خوشی کی بات معلوم نہیں ہوتی اس میں شک نہیں کہ یہ بات اس قابل ہے کہ عرب اس کو بہت برا سمجھیں مگر اس لحاظ سے کہ وہ ایک مہمان ہوگا جو **اذانزل** سے سمجھا گیا ہے چنداں ملال کے قابل بھی نہیں۔ بہر حال ایک پنجابی شخص کا کسی نماز میں امامت کرنا، نہ کوئی خوشی کی بات ہے، نہ غمی کی۔ پھر **کیف انتم** سے اس واقعہ کی عظمت بیان کرنا کس قدر شان بلاغت وفصاحت سے دور ہے درباطن یہ آنحضرت ﷺ پر ایک حملہ ہے کہ ایسے خفیف خفیف امور کو حضرت عظیم الشان سمجھتے تھے اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس شخص میں عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات ہوں گے جب بھی بقول مرزا صاحب وہ کمال ہی کیا۔ دارومدار ان کے معجزوں کا مسمریزم پر تھا جس کو خود مرزا صاحب قابل نفرت سمجھتے ہیں ایسے قابل نفرت شخص کی امامت کوئی وقعت کی بات نہیں ہوسکتی۔ اب رہا یہ کہ احیاء اموات وغیرہ سے ہدایت مراد لی جائے تو وہ بھی کوئی نئی بات نہیں **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** فرما کر حضرت نے ہر ایک عالم متدین کو انبیائے بنی اسرائیل کا مثیل قرار دیا جن میں موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

۳۳......امام مہدی جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوں گے وہ خاندان اہل بیت کرام سے ہوں گے جن کا حلیہ بھی بتلا دیا گیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

۳۴......اٹھارہ سال کی عمر میں امام مہدی رضی اللہ عنہ دمشق میں جا کر خطبہ پڑھیں گے جیسا کہ معلوم ہوا۔

۳۵......امام مہدی رضی اللہ عنہ قسطنطنیہ فتح کریں گے اور ساتھ ہی دجال نکلے گا۔ **کما مر**

۳۶......امیر المومنین رضی اللہ عنہ عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کیلئے کہیں گے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوں گے۔

۳۷......عیسیٰ علیہ السلام نماز کے بعد مسجد کا دروازہ کھلوا دیں گے اور اس وقت دجال وہاں موجود ہوگا۔ **کما مر**

۳۸......دجال کے ساتھ ستر ہزار یہود ہوں گے اور سب بھاگیں گے۔ **کما مر**

۳۹......پتھر جھاڑ وغیرہ یہودیوں کی نشاندہی کریں گے تا کہ اہل اسلام ان کو قتل کر ڈالیں۔ **کما مر**

۴۰......امام مہدی کی تائید کے لئے حارث کا خراسان کی طرف سے نکلنا جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے **قال النبی ﷺ یخرج رجل من وراء النهر يقال له الحارث بن حراث على مقدمة رجل يقال له منصور يوطن او يمكن لآل محمد ﷺ كما مكنت قريش لرسول الله ﷺ وجب على كل مؤمن نصره اوقال اجابته** (رواہ ابوداؤد) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام حارث ہوگا جس کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص منصور نام ہوگا آل محمد ﷺ کو وہ ایسی مدد دے گا جیسے قریش نے نبی ﷺ کو مدد دی تھی ہر مسلمان پر اس کی مدد واجب ہے۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ **قال رسول الله ﷺ اذا رايتم الرايات السود جاءت من قبل خراسان فاتوها فان فيها خليفة الله المهدى** (رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم دیکھو کہ سیاہ نشان خراسان کی طرف سے آ رہے ہیں تو ان

لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ اس لئے کہ ان میں مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ حارث امام مہدی کی مدد کے لئے خراسان کی طرف سے فوج لے کر نکلے گا اور امام مہدی بھی اس کے ساتھ ہوں گے ان روایتوں میں کئی امور مذکور ہیں۔

۱......حارث کا خروج۔

۲......اس کا مقام خروج ماوراء النہر ہوگا۔

۳......اس کی فوج کے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا۔

۴......غرض اس کی آل محمد ﷺ کی تائید ہوگی۔

۵......امام مہدی بھی اس فوج میں موجود ہوں گے۔

۶......ہر شخص پر واجب ہوگا کہ ان کی مدد کرے۔

امر اول کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ حارث میں ہوں چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ انگریزی سلطنت میں تین گاؤں تعلقداری اور ملکیت قادیان کا حصہ جدی والد مرحوم کو ملے جواب تک ہیں اور حراث کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی ہیں۔ مرزا صاحب اپنی زمینداری سے یہاں یہ کام لینا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق بنیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ حارث مذکور ہے اور حارث زمیندار کو کہتے ہیں اور میں زمیندار ہوں۔

حارث کے معنی جو زمیندار کے بتلا رہے ہیں اس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا انہیں مقصود ہے کیونکہ کتب لغت میں مصرح ہے کہ حارث کسان کو کہتے ہیں اور اگر بالفرض وہ کسان بھی قرار دیئے جائیں جب بھی اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ حضرت محمد ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ **یخرج رجل حارث** بلکہ یہ فرمایا **رجل یقال له**

الحارث جس سے ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام حارث ہوگا کیونکہ **یقال له** اعلام کے مقام میں کہا جاتا ہے جیسا کہ یہ حدیث اس پر شہادت دے رہی ہے **قال النبی** ﷺ **لا تذهب اللیل والنهار حتی یملک رجل من الموالی یقال له الجهجاه** (رواہ الترمذی) غیاث اللغات میں لکھا ہے حارث اسد وشیر درندہ و بمعنی زراع کنندہ ومزارع نام ابن ہشام کہ از صنادید عرب بود۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں معنی مرزا صاحب پر صادق نہیں اگر حارث زمیندار کو کہنا صحیح ہو تو بادشاہ پر بطریق اولی یہ لفظ صادق آئیگا حالانکہ کسی کتاب میں وہ اس کی تصریح نہیں بتا سکتے۔ بہرحال لفظ حارث کے مصداق وہ کسی طرح بن نہیں سکتے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث میں ایک اور تصرف کیا ہے کہ **یقال له الحارث حراث علی مقدمة رجل** کا مطلب یہ بتایا کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلے گا جیسا کہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۹۷ میں فرماتے ہیں کہ اب میں وہ حدیث جو ابوداؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ناظرین کے سامنے پیش کر کے اس کے مصداق کی طرف ان کو توجہ دلاتا ہوں سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے یعنی سمرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول ﷺ کو تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔ اب دیکھئے کہ ان کا یہ قول کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء النہر سے نکلے گا، کس طرح صحیح ہوگا۔ اگر تفسیر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حارث مفرد ہے اور حراث جمع ہے مفرد کی تفسیر جمع کے ساتھ صحیح نہیں اور اگر جمع کا لحاظ کیا جائے تو من تبعیضیہ کی ضرورت ہے مگر مضاف الیہ حراث کا جو ماوراء النہر کو بتا رہے ہیں وہ خود مضاف سے بھی کئی درجے اوپر ہے

مضاف الیہ کے تحت میں کیونکر آسکے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ مرزا صاحب کے کئی درجہ اوپر کے جد بزگوار ماوراء النہر سے نکلے اور حارث مرزا صاحب بن رہے ہیں تو یہ توجیہ بن سکتی ہے مگر کلام یہاں عبارت حدیث میں ہے آیا نحو کی ترکیب بھی اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ سواد نیٰ درجے کا طالب علم بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ درست نہیں کیونکہ **یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث حراث علٰی مقدمۃ رجل** کے معنی **یخرج رجل یقال لہ الحارث ای من حراث ماوراء النھر** سمجھنا کسی نحوی کا کام نہیں۔ مرزا صاحب کی امت تو خوش ہوتی ہوگی کہ مرزا صاحب نے حدیثوں کے ساتھ نحو کو بھی باطل کردیا مگر اہل علم کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ اس دور میں علوم کی تباہی ہورہی ہے۔

اس کی ضرورت ان کو اس وجہ سے ہوئی کہ حدیث شریف میں حارث کی مدد کرنے کا حکم ہے انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح حارث بن جائیں تو ہر طرف سے مال آنے لگ جائیگا جو لوگ علم سے ناواقف تھے ان کو ترکیب نحوی سے کیا غرض؟ انہوں نے مرزا صاحب کے اعتبار پر ایک حارث ہی کیا مہدی مسیح موعود نبی رسول اور خدا کی اولاد کے برابر بھی مان لیا اور مرزا صاحب نے فوراً چندوں کی فہرست پیش کردی چنانچہ اسی تقریر کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عظیم الشان سلسلہ اس حارث کے سپرد کیا جائیگا جس میں قوم کی امداد کی ضرورت ہوگی جیسا کہ فتح اسلام میں اس سلسلہ کی پانچوں شاخوں کا مفصل ذکر کر آئے ہیں اور نیز اس جگہ بھی یہی اشارۃ سمجھایا گیا ہے کہ وہ حارث بادشاہوں یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے اور اس تاکید شدید کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس حارث کے ظہور کے وقت جو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کریگا لوگ امتحان میں پڑجائیں گے اور بہتیرے ان میں سے مخالفت پر کھڑے ہوں گے اور مدد دینے سے رکیں گے بلکہ کوشش کریں گے کہ اس کی

جماعت متفرق ہو جائے اس لئے آنحضرت ﷺ پہلے سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنو! تم پر اس حارث کی مدد واجب ہے ایسا نہ ہو کہ کسی کے بہکانے سے اس سعادت سے محروم رہ جاؤ۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ سب اشارات مرزا صاحب کے مفید مدعا کس صفائی سے نکالے جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ایک اعتبار سے درست بھی ہے اس لئے کہ جب تک ایسی تدابیر نہ کی جائیں کوئی روپیہ دیتا بھی تو نہیں ہے اور ایسا کون آدمی ہے جس کو روپیہ کی ضرورت نہ ہو خصوصاً زمینداری بلکہ موروثی شاہی خیال والوں کو تو بہت سی ضرورتیں لاحق رہتی ہیں اب اس حدیث پر اور بھی غور کیجئے۔ ابوداؤد کے نسخوں میں یہ عبارت **الحارث الحراث** دو طور پر ہے بعض نسخوں میں حارث ابن حراث ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ حارث کے باپ کا نام حراث ہوگا اور بعض نسخوں میں **حارث حراث علی مقدمة رجل** ہے یعنی حارث ایسی حالت میں نکلے گا کہ اسکے مقدمۃ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا اس نسخہ کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ **حراث کعلام ای امیر و عامل للحارث** یعنی حراث کے معنی کارگزار اور کاسب کے ہیں چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے **وفی الحدیث اصدق الاسماء الحارث لان الحارث الکاسب واحترث المال کسبه والانسان لایخلو من الکسب طبعا و اختیاراً**۔

امر دوم یعنی حارث کا مقام خروج ماوراء النہر ہونا جو حدیث شریف میں ہے اس کی نسبت مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں کہ بابر بادشاہ کے وقت میں جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجداد اس نیازمند کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دہلی میں پہنچے انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا تعلق خاص تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز تھے

چنانچہ بادشاہ وقت سے پنجاب میں بہت سے دیہات جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلقدار ٹھہرائے گئے۔

بابر بادشاہ کے زمانہ کو چار سو برس گزرتے ہیں اس عرصہ میں تخمیناً دس پندرہ پشت مرزا صاحب کے گزر گئے ہوں گے اور جد اعلیٰ جو دہلی تشریف لائے تھے مقصود اس سے سمرقند سے ہجرت کر کے اس غرض سے نکلنا تھا کہ بادشاہ سے کوئی دنیوی نفع حاصل کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاگیرات وغیرہ ملیں۔ اب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ سمرقند سے یعنی ماوراء النہر سے کوئی بھی نکلے مگر حارث تو میں ہی ہوں کیونکہ الہام سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔

مرزا صاحب نے اس موقع میں حسن ظن سے بہت ہی کام لیا ورنہ ملہم سے پوچھ لیتے کہ نبی ﷺ نے تو صاف فرما دیا ہے کہ حارث وراء النہر سے نکلے گا اور میں تو وراء النہر کہاں پنجاب سے بھی باہر نہیں نکلا پھر حارث ہونے کا کیوں کر دعویٰ کروں اور اگر اس حدیث کے معنی خلاف واقعہ بیان کر دوں تو نبی کریم ﷺ پر افترا ہوگا جس کے بارے میں سخت وعید وارد ہے کہ **قال النبی ﷺ من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار** (متفق علیہ) یعنی جو بات حضرت ﷺ نے نہیں کہی وہ حضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا دوزخ میں ٹھکانا بنا لینا ہے۔ اس سوال کے بعد جب ملہم کوئی تشفی بخش جواب نہ دیتا اور یقیناً نہ دے سکتا تو اس پر **لاحول ولا قوۃ الا باللہ** پڑھ کر سمجھ جاتے کہ یہ شیطانی الہام ہے جو مخالف حدیث ہے بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو چندوں کی ضرورت ہے اور صبح و شام اسی کا خیال لگا رہتا ہے اس لئے جس طرح مرزا صاحب کی اپنی ذاتی تحقیق سے قاعدہ قرار دیا ہے شیطان نے موقع پا کر الہام کر دیا اور مرزا صاحب کو ضرورت کے لحاظ سے اس کے رد کرنے کا موقع نہ ملا۔

تیسرا امر یعنی حارث کے مقدمۃ الجیش پر منصور نام سردار ہونا جو حدیث میں مذکور

ہے اس کی نسبت ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار وسر گروہ ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جاوے گا کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا اس جگہ اگر چہ اس منصور کو سپہ سالار کے طور پر بیان کیا مگر اس مقام میں در حقیقت کوئی ظاہری جنگ وجدل مراد نہیں بلکہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حارث کو دی جائیگی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا۔

حدیث شریف میں **علی مقدمة رجل یقال له منصور** مذکور ہے اور لغت میں مقدمہ فوج کے اس حصے کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے آگے رہتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حارث معمولی آدمی نہ ہوگا بلکہ لشکر جرار لیکر امام مہدی کی مدد کو نکلے گا اور ایک نامی سردار اس کے مقدمۃ الجیش پر ہوگا اور دوسری روایت میں جو اسی کی تائید میں ہے صراحۃً یہ بھی مذکور ہے کہ اس فوج کے نشان سیاہ ہوں گے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب سب کی نفی کر کے فرماتے ہیں کہ وہ ایک معمولی پنجابی آدمی ہوگا جس کے ساتھ نہ فوج ہے، نہ حشم البتہ اس کے مریدوں میں ایک شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور پکارا جائیگا۔

مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارۃً سمجھا گیا کہ وہ حارث یا بادشاہ یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے غالباً اشارہ اسی سے نکالا ہوگا کہ حارث کی نصرت کا حکم ہے۔ انہوں نے نصرت کو چندہ میں منحصر کر دیا حالانکہ چندہ دینے کا نام نصرت نہیں بلکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرة** کیا مرزا صاحب اس آیت کی تفسیر میں بھی یہ فرمادیں گے کہ خدائے تعالیٰ نے چندہ دیا تھا۔ مرزا صاحب لفظ **وجب نصرة** سے اشارۃً یہ نکالتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور امیر نہ ہوگا اور جو صراحۃً لشکر و آیات وغیرہ مذکور ہے اس سے انکار ہے۔

تومرت کے زمانے کے مسلمانوں کو آفرین کہنا چاہیے کہ باوجودیکہ انہیں حدیثوں پر استدلال کر کے اپنی مہدویت کے ثبوت پر ایک لشکر جرار پیش کرتا ہوگا مگر جو خالص ایماندار تھے وہ نورِ ایمان سے اس کی کاروائیوں پر نظر کر کے اس کے دام میں نہ آئے برخلاف اس کے کہ ہمارے زمانے کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ایک علامت بھی پائی نہیں جاتی مگر مرزا صاحب کی تصنیفات و تالیفات پر ایمان لا کر انہی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جو لوگ ان کو مکائد پر ان کے مطلع کرتے ہیں انہی کو دشمن سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مرزا صاحب کا لشکر تو روحانی ہے، نہ جسمانی، فوج ہے، نہ جنگ و جدل پھر چندوں کی کیا ضرورت ایسے لطیف لشکر کی نصرت کثیف چیز سے طلب کرنا اور مال جس کا فتنہ ہونا مسلّم ہے اس کے لئے ہاتھ پھیلانا کس قدر نامناسب اور بدنما ہے ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں کہ مسیح دنیا میں آ کر مال اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو بمصداق آیت **انما اموالکم و اولادکم فتنة** ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنے میں ڈالے گا۔

مرزا صاحب کا حزم و احتیاط بھی قابل دید ہے کہ مال میں دو جہتیں ہیں محمود و مذموم جب دینے کی کوئی روایت آ جاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بہت مال دیں گے تو مال نہایت مذموم اور فتنہ ہو جاتا ہے کہ اگر دیا جائے تو لوگ فتنے میں پڑیں گے اور لینے کا موقع آتا ہے تو نہایت محمود اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے دست سوال دراز کیا جائے اور اس کے دینے کی حدیثوں میں فرماتے ہیں کہ ان سے مراد باتیں کرنا اور لینے کے وقت وہی خاص جسم قرار دیا جاتا ہے جس میں استعارہ اور کنایہ کو دخل نہیں۔

امر چہارم یعنی حارث کی غرض آل محمد ﷺ کی تائید ہو گی اس کی نسبت ازالۃ

الاوہام میں لکھتے ہیں کہ حارث ایسے وقت میں ظاہر ہوگا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی اتقیا مسلمین جو سادات قوم و شرفائے ملت ہیں کسی حامی دین اور مبارز میدان کے محتاج ہوں گے۔ آل محمد کے لفظ میں ایک افضل اور طیب جزو کو ذکر کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اس جزو سے مناسبت رکھتے ہیں اسی کے اندر داخل کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جزو کو ذکر کر کے کل اس سے مراد لیتے ہیں۔

ابھی معلوم ہوا کہ آل محمد ﷺ سے مراد امام مہدی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے ظاہر ہے مرزا صاحب نے اس روایت سے اغماض کر کے صرف آل محمد ﷺ والی حدیث کو لے لیا اور اس میں یہ تصرف کیا کہ اس سے مراد تمام مسلمان ہیں جن کی تائید کے لئے وہ خراسان یعنی سمرقند سے نکلے ہیں اور تائید یہ کی کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو بلکہ صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمانوں کو مشرک بنا دیا جس کا حال مذکور ہوا۔

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ مجازی معنی وہیں لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی نہ بنیں اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس پیش گوئی کے حقیقی معنی چھوڑنے کی کیا ضرورت اگر آنحضرت ﷺ یہ فرماتے کہ فلان سنہ میں یہ واقعہ ہوگا پھر اگر وہ سنہ قریب الختم ہوتا تو اس وقت اس حدیث کی تصحیح کے لئے مجازی معنی لے سکتے تھے۔ امام مہدی حارث اور عیسیٰ علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا نکلنا تو قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہے جن کے متصل قیامت ہوگی اور یہ علم کسی کو نہیں دیا گیا کہ قیامت کس سنہ میں ہوگی یہاں تک کہ کفار آنحضرت ﷺ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ ان سے صاف کہہ دو کہ اس کا علم خدا ہی کو ہے جب چاہیگا قائم کر دیگا چنانچہ ارشاد ہے **یسئلونک عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لا یجلیها لوقتها الا هو**۔ اور ابھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت ﷺ سے شب معراج کہا تھا کہ قیامت کب ہوگی یہ تو

سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں البتہ دجال کا قتل میرے ذمہ ہے جو وقت پر عمل میں آ جائیگا۔ جب قیامت کا علم کسی کو نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس زمانہ میں اگر اُن احادیث کے معنی مجازی نہ لئے جائیں تو وقت منقضی ہو جائے گا اور وہ حدیثیں (نعوذ باللہ) جھوٹی ثابت ہوں گی تو پھر کیا ضرورت ہے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جائیں۔ اگر مجازی معنی ہر موقع میں لینے کی اجازت شرعاً اور لغتاً ہو جائے تو ہر شخص قرآن وحدیث میں خود غرضی سے مجازی معنی لے کر اپنا مطلب نکالے گا اور جتنے مفتری اور کذاب ہیں اپنا اپنا دین علیحدہ بنالیں گے جس طرح مرزا صاحب بنا رہے ہیں کہ عیسیٰ مجازی، دجال مجازی، قتل مجازی، مہدی مجازی، آل محمد مجازی، حارث مجازی، منصور مجازی، جنگ وغیرہ سب مجازی جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ کل کارخانہ جو جمایا گیا ہے محض بے اصل و بے حقیقت ہے۔

امر پنجم و ششم یعنی امام مہدی کا اس لشکر میں ہونا اور ان کی مدد کی ضرورت اس مقام میں ان کو صرف حارث بننا منظور تھا ان حدیثوں سے اگر اپنی مہدویت ثابت کرتے تو کوئی دوسرا شخص حارث بن کر چندوں کا مستحق ہوتا۔ چونکہ اس حدیث سے چندوں کی کاروائی کو تائید پہنچتی ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بڑا ہی زور لگایا اور چار جز تک اس میں خامہ فرسائی کی مگر یہ ثابت نہ کر سکے کہ حارث قادیان سے نکلے گا۔ اگر مرزا صاحب چاہتے تو چند روز میں اپنے خاص خاص مریدوں کے ساتھ ماوراء النہر تک جا کر چلے آتے جس سے ماوراء النہر یا خراسان سے نکلنا صادق آ جاتا اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملتی کہ مرزا صاحب ماوراء النہر سے نہیں نکلے مگر وہ ان سے نہ ہو سکا اور کیونکر ہو سکتا وہ تو مخبر صادق کا کلام ہے جو سوائے اپنے مصداق کے کسی دوسرے پر صادق آ ہی نہیں سکتا باطن میں فی الحقیقت یہی وجہ تھی مگر ظاہراً افغانستان کا خوف سد راہ ہوا ہوگا۔ جب یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **فتمنوا الموت ان کنتم صادقین** مگر خدا

جانے ان پر کس قسم کا خوف طاری ہو گیا تھا کہ ان کے منہ سے کوئی تمنا کا کلمہ نکل ہی نہ سکا آخران کا جھوٹا ہونا خودان کے طرز عمل سے مسلّم ہو گیا۔

یہ چند علامتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ہیں اگر چہ اور بہت سی علامات احادیث سے ثابت ہیں مگر طالبین حق کے لئے چالیس علامتیں بھی کم نہیں۔ **اگر زردہ کس است یك حرف بس است.** آپ نے دیکھ لیا کہ ان علامتوں سے ایک بھی مرزا صاحب پر صادق نہیں آتی اب وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح ان علامات کو اپنے پر چسپاں کر لیں ورنہ عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اسلئے اقسام کی تدبیریں کیں۔ مثلاً ناموں میں تحریف کر دی اپنا نام عیسیٰ مہدی حارث وغیرہ رکھ لیا اور قادیان کو دمشق اور پادریوں اور ابن صیاد کو دجال اور نصاریٰ کو یاجوج ماجوج قرار دیا اور کہیں معنوں میں تحریف کی مثلاً قتل دجال اور کسر صلیب سے مراد رد مذہب اور معمولی سوال و جواب اور بے حساب مال تقسیم کرنے سے مراد علمی باتیں بیان کرنا اور کسی حدیث کی نسبت کہہ دیا کہ وہ حضرت کا خواب تعبیر طلب تھا اس کے وہ معنی نہیں جو ظاہر میں سمجھے جاتے ہیں اور کبھی عقل سے حدیث کو رد کر دیا جیسا کہ لکھا ہے۔ کیا عیسیٰ مہدی اور ہدایت یافتہ نہیں پھر مہدی کی کیا ضرورت اور جہاں کچھ نہ بنا تو کہہ دیا کہ وہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ دجال کے شام و عراق کے درمیان سے نکلنے کے باب میں لکھا ہے اور سردار لشکر کا نام جو حدیث میں منصور مذکور ہے کہا کہ خدا کے نزدیک اس کا نام منصور ہوگا۔ بلکہ کہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث ہی غلط ہے جیسا کہ نواس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی نسبت معلوم ہوا بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف غلطی کی نسبت کر دی اور کہیں اغماض ہی کر گئے مثلاً حدیث شریف میں مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کل اسلام ہی اسلام ہو جائیگا اور درندے اور گزندے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے وہاں کہہ تو دیا کہ شیر اور بکری کو ایک ہی جگہ بٹھائے گا مگر اس میں کچھ گفتگو نہ کی کہ

عیسیٰ ہیں تو ان پیشگوئیوں کا وقوع کیوں نہ ہوا غرض کہ اقسام کی بدنما تدبیریں کیں کہ کوئی سمجھدار آدمی اس کورضا مندی کی نگاہ سے دیکھ نہیں سکتا۔افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جس میں **العاقل تکفیه الاشارة** کے مصداق بکثرت موجود تھے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اشارہ تو درکنار سخن سازیاں بآواز بلند کہتی ہیں کہ کل تصنع ہی تصنع ہے مگر کسی کو جنبش نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب کیا کررہے ہیں۔معتقدین اتنا تو خیال کر لیتے کہ جب آنحضرت ﷺ کے کشف میں غلطی ٹھہری تو اس کی تصدیق کیوں کی جائے کہ ایک نقلی عیسیٰ پنجابی شخص ہونا ضروری ہے آخر وہ بھی کشفی بات ہے **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**.اور کشف جب تعبیر طلب ہو تو کسی شخص کے مثیل مسیح ہونے کی کیا ضرورت؟ ممکن ہے کہ اس کی تعبیر یہ ہو کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں امت مرحومہ من جانب اللہ راہ راست پر آجائیگی کیونکہ عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کلمہ کن سے سب کچھ کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے **لآتینا کل نفس ھدٰھا** اس تعبیر میں جیسے عیسیٰ کی ضرورت نہیں ویسے ہی مثیل عیسیٰ کی بھی ضرورت نہیں اور ازالۃ الاوہام میں انہوں نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ **لکل دجال عیسٰی** تو جس طرح پادریوں کی قوم دجال بتائی گئی اسی طرح ان کی رد کرنے والی قوم عیسیٰ ہوگی اور اگر وہاں افراد قوم دجال ہیں تو ادھر بھی افراد قوم عیسیٰ ہوں گے اس کا کیا ثبوت کہ ادھر تو دجال قوم ہو اور ادھر ایک ہی شخص ہو۔الحاصل بیسوں قرینے شاہد حال ہیں کہ نہ ان کو حدیث سے کام ہے، نہ قرآن سے مطلب صرف اپنی عیسویت مقصود بالذات ہے۔جس سے بوضاحت ثابت ہے کہ جتنے الہام انہوں نے اپنی عیسویت وغیرہ سے متعلق لکھے ہیں وہ سب دل سے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ جب آیا تو حدیث میں تصرفات کر کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جن کا احتمال بھی نہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ دیکھنے والے کیا کہیں گے۔تو الہام بنالینا کون سی بڑی بات ہے اس پر تو دوسرا کوئی مطلع ہی نہیں ہوسکتا آخر قرآن وحدیث کے خلاف

مراد معنی بیان کرنا بھی تو افتراء ہی ہے۔ جس نے **حرمت علیکم المیتة** کے معنی یہ لئے تھے کہ میتہ کسی بزرگ کا نام تھا جس کی تعظیم کی گئی تھی اس کو مردار سے کوئی تعلق نہیں کیا یہ افترا علی اللہ نہیں۔ مرزا صاحب بھی تو اس قسم کے تصرفات کر رہے ہیں پھر ان کے افترا کرنے میں کیا تامل اور جب یہ افترا انہوں نے جائز رکھا تو الہام بنا لینے میں کون مانع ہے۔ پھر جو دلائل انہوں نے اپنی عیسویت پر پیش کئے ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو قابل توجہ ہو جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔ اس سے یقیناً ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر انہوں نے اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ ان کی حیات میں خدشے پیدا کر کے خود مسیح موعود بن جائیں کیونکہ جب تک ان کی موت ثابت نہ ہو وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کیسی ہی یقینی بات ہو جب آدمی اس میں خدشے ڈالنے کے درپے ہوتا ہے تو سخن سازیوں سے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں تیرہ سو سال سے آج تک کسی کو اختلاف نہیں۔ شیعہ، سنی، ہندو، عیسائی وغیرہ سب کے نزدیک وہ مسلّم ہے اور تمام تاریخی کتابیں اس پر گواہی دے رہی ہیں مگر مرزا حیرت صاحب نے اس میں خدشے ڈال ہی دیئے چنانچہ جاہلوں میں ہر طرف چرچے ہو رہے ہیں کہ مرزا حیرت صاحب نے خوب ہی دلائل قائم کئے آج کل کے مباحثوں کا حال بعینہ اس مباحثے کا سا ہے۔

کسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کوئی واقعہ بیان کیا جو ظاہراً غیر مربوط سا تھا۔ اس پر ایک شاعر صاحب نے ہنس کر یہ شعر پڑھا۔

ع چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا

الا یاایها الساقی ادر کاساً وناولها

مولوی صاحب نے بگڑ کر کہا کیسا غلط پڑھتے ہو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ایک مصرعہ چھوٹا ایک بڑا

ہے اس پر شاعری کا دعویٰ۔

شاعر: حضرت مجھے تو ایسا ہی یاد ہے صحیح آپ ارشاد فرمائیں۔

مولوی صاحب: خیر ہم ہی صحیح بتائے دیتے ہیں۔

ع چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یاایھا الساقی اَدِر کا

شاعر: اَدِر کا چہ معنی دارد۔

مولوی صاحب: عربی پڑھیں تو معلوم ہو کہ **اَدِر** امر کا صیغہ ہے اور کاف کا خطاب کا جو اشباع کی وجہ سے **ادر کا** پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ساقی پیالہ کے دور کرانے میں کیا لگا ہے اپنے کو پھیر اور ادھر متوجہ کر۔

شاعر: دیوان حافظ میں تو اس مصرعہ میں یہ ہے **ادر کاساً وناولھا**۔

مولوی صاحب: سبحان اللہ ترجمہ کا بھی آپ کو خوب سلیقہ ہے کیا سعدی کے معنی حافظ اور زلیخا کے معنی دیوان ہیں جو دیوان حافظ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ شاعر تو یہ خبر دے رہا ہے کہ سعدی نے زلیخا میں یہ مصرعہ لکھا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دیوان حافظ میں ایسا نہیں ہے، نہ ہوا کرے۔

شاعر: کیا سعدی نے زلیخا بھی لکھی ہے۔

مولوی صاحب: کیا سعدی کو زلیخا لکھنا منع تھا۔

شاعر: اگر لکھی ہے تو وہ زلیخا کہاں ہے۔

مولوی صاحب: کیا ساری دنیا کی کتابیں آپ کے شہر میں موجود ہیں یا آپ نے سب کا مطالعہ کر لیا ہے اور صرف وہی ایک باقی رہ گئی۔

شاعر: حضرت آپ یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ شعر کس موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ جب کوئی

بے ربط بات کہی جائے تو مضحکہ کے طور پر پڑھتے ہیں جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ بات ایسی ہے جیسے اس شعر کا مضمون۔

مولوی صاحب: یہ آپ کا خیال ہے مضحکہ سے کیا تعلق جب کوئی دلچسپ بات سنتے ہیں تو بے اختیار ہنس کر اس کی داد دیتے ہیں کہ ادھر متوجہ ہو کر پھر فرمائے جناب اتنا تو خیال کر لیجئے کہ یہ شعر حد تواتر کو پہنچ گیا ہے ہزاروں ذی علم اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ مصرعہ سعدی نے اپنی زلیخا میں لکھا ہے کیا وہ سب جھوٹے ہیں کیا ان میں سے کسی نے بھی سعدی کی زلیخا کو نہ دیکھا ہوگا آپ کی عقل پر افسوس ہے۔

الغرض شاعر صاحب سے کچھ نہ بن پڑی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور آخر یہی کہنا پڑا کہ شاید ایسا ہی ہوگا۔

کلام اس میں یہ تھا کہ تیرہ سو برس سے جو بات بلا خلاف ہم تک پہنچی اور جس پر ہر ملک وملت کے لوگ گواہی دے رہے ہیں اور کسی کو اس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ مرزا حیرت صاحب نے باتیں بنا کر جاہلوں کو چونکتے تو کر دیا اور بعض متزلزل بھی ہو گئے اور تعجب نہیں کہ رفتہ رفتہ ایک جماعت بھی قائم ہو جائے۔

اسی طرح مرزا صاحب اور ان کے امتی ہمہ تن متوجہ ہو کر اپنی پوری ذکاوتیں مسئلہ وفات مسیح میں صرف کر رہے ہیں جس سے جاہلوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ مرزا صاحب جب منصب عیسویت اپنے لئے تجویز کر رہے ہیں اور اس کا مدار انہیں خدشات پر ہے تو ان کی غرض اس سے متعلق ہوئی اور خود غرضی کارروائی عقلاً قابل التفات ہو سکتی ہے یا نہیں؟ پھر جب ان کا مقصود یعنی ان کی عیسویت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو سکی تو عیسیٰ علیہ السلام کی موت وحیات میں گفتگو سے کیا فائدہ؟ ان کو ضرور ہے کہ اپنی عیسویت بدلائل ثابت کر دیں اور جب وہ بدلائل ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کی موت

خود بالضرور ثابت ہو جائیگی کیونکہ مسیح موعود تو ایک ہی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ ان کی موت ثابت ہونے سے مرزا صاحب کی عیسویت ثابت ہو جائے اس لئے کہ یہ ضرور نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مرتے ہی یہ مرزا صاحب عیسیٰ بن جائیں آخر مرزا صاحب بھی اس کے قائل نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ۱۳۰۰ ہجری میں ہوئی اور وہ ان کے جانشین ہوئے اور یہ بات بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتی کہ ایک عیسیٰ کے مرنے کے بعد دوسرے عیسیٰ کے نکلنے کی اس قدر مدت مقرر ہے۔ الحاصل مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں اپنا دعویٰ مع شرائط ولوازم ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہمارے دین میں طے شدہ اجماعی مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو از سرنو ثابت کریں البتہ بحسب قواعد مناظرہ ہمارا کام ہوگا کہ مدعی کے دلائل میں غور کر کے بحسب موقع وضرورت جرح کریں۔ مرزا صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے اور آپ مسیح موعود ہونے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ پہلے یہ ثابت کرنا انہوں نے ضروری سمجھا کہ کوئی شخص زندہ آسمان پر جا ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ دقت پیش آئی کہ قرآن وحدیث صحیحہ سے نبی کریم ﷺ کا معراج ثابت ہے اگر قرآن وحدیث کی رعایت کرتے ہیں تو اپنی بات بگڑتی ہے اور اگر بات کی رعایت کرتے ہیں تو ان آیات واحادیث سے ایمان رخصت ہوتا ہے بحکم **حبک للشیء یعمی ویصم** طبیعت نے یہی حکم کیا کہ بات بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ معراج جسمانی کا انکار ہی کر دیا اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ حضرت شب معراج مکہ سے باہر نہیں گئے بستر ہی پر بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا اور **سبحان الذی اسری بعبدہ** وغیرہ آیات کو تاویل کر کے ٹال دیا۔ اس کے بعد یہ خیال کیا کہ شاید کوئی یہ کہہ دے کہ عیسیٰ علیہ السلام مر تو گئے مگر ممکن ہے کہ قیامت کے قریب زندہ ہو کر آجائیں اس کی پیش بندی یوں کی کہ کوئی شخص مرنے کے بعد اس عالم میں زندہ ہو ہی نہیں سکتا اور قرآن شریف میں جو ہزار ہا مُردوں کا زندہ ہونا مذکور

ہے اس کا عقل سے ایسا مقابلہ کیا کہ انہی کا کام تھا۔ کسی واقعہ میں کہا کہ مسمریزم سے صرف حرکت ہوگئی تھی اور کبھی معنی بدل دیئے مثلاً **فاماته الله مائة عام** میں کہا کہ اس سے موت مراد نہیں بلکہ نیند ہے کہ سو برس تک سوتے رہے۔ اس کے بعد یہ سوچا کہ ایسا کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں بھی زمین پر نہ آنے پائیں اس لئے حشر اجساد ہی کا انکار کر دیا اس دلیل سے کہ مرنے کے بعد قبر میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جس کی راہ سے جنتی آدمی جنت میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اب صدہا آیات واحادیث جو حشر اجساد اور قبر سے مردے نکلنے کے باب میں وارد ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ رکھی ہیں اور سب پر ایمان بھی ہے مگر ان کے معنی سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا وہ قول بھی صحیح ہو گیا کہ قرآن کے ایک نقطے کی کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی کیونکہ مسلمانوں کو بتلانے کے لئے الفاظ پر پورا پورا ایمان ہے جو کچھ تصرف اور حکومت ہے سو معنی پر ہے۔ الغرض ان مقامات میں اور ان کے سوا جو جو آیات واحادیث ان کو مقصود کے مخالف نظر آئیں سب کے معنی میں تحریف کر ڈالی اور جن آیات واحادیث کو دیکھا کہ تغیر معنی سے اپنا مطلب نکل سکتا ہے ان میں نئے معنی پیدا کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

یوں تو مرزا صاحب کی طبیعت خود جدت پسند اور موجد مضامین تازہ ہے مگر ظاہراً تقدم کی وجہ سے سر سید احمد خان صاحب کو مقتدا ہونے کا فخر حاصل ہے کیونکہ انہوں نے ایسے طریقے بتلا دیئے کہ کہنے کو قرآن پر ایمان بھی مسلّم رہے اور اپنی مطلب برآری میں قرآن خلل انداز بھی نہ ہو مثلاً انہوں نے دیکھا کہ جب تک گورنمنٹ کے ہم خیال نہ ہوں مقصود حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے قرآن کو حکمت جدیدہ کے تابع کر دیا اور جتنی آیتوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہوتا ہے سب میں تاویلیں کر کے آسمانوں کی جگہ موہوم دوائر قائم کر دیئے اور جنت و دوزخ کے باب میں جتنی آیات وارد ہیں سب کو عالم خیال میں پہنچا دیا۔

قرآن میں فرشتوں کا ذکر بہت جگہ ہے اس کی تصدیق یوں کی کہ آدمی وغیرہ میں جو قوتیں ہیں وہی ملائکہ ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ آسمان پر بھی کوئی فرشتہ ہو۔ بہر حال خاں صاحب اور مرزا صاحب الفاظ قرآن کی جہاں تک حد ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور جہاں معنی کا موقع آیا علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت سوائے اپنی خواہش کے مسلمان تو کیا اگر نبی ﷺ بھی فرمادیں تو نہیں سنتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک احادیث ساقط الاعتبار ہیں البتہ وہ حدیثیں تو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن کو اپنے مفید مدعا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات یادر ہے کہ ان حضرات نے جو ایمان کا طریقہ نکالا ہے وہ شرعاً ایمان نہیں ہوسکتا اسلئے کہ جو قرآن نازل ہوا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط الفاظ ہی پر ایمان لایا جائے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص عمر بھر **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** پڑھا کرے اور اس کے معنی توحید کا قائل نہ ہو تو وہ شرعاً ہرگز مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا اگر معنی میں تعمیم کر دی جائے کہ حسب مرضی جو جی چاہے سمجھ لینا کافی ہے تو اس قسم کی تاویلوں میں تعجب نہیں کہ کفار کے اعتقاد بھی داخل ہو جائیں۔ منصور نے **حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر** میں تاویل کر کے مردار خنزیر وغیرہ کو حلال کر دیا تھا حالانکہ اس آیت کو وہ کلام الٰہی کہتا تھا کیا اس قسم کے ایمان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کو اس آیت پر ایمان تھا۔

اب ہم خیر خواہانہ اہل اسلام سے عرض کرتے ہیں کہ ایمان بڑی نعمت عظمیٰ ہے آخرت کی نجات اور راحت ابدی کا مدار اسی پر ہے اس کی حفاظت اور احتیاط کی بڑی ضرورت ہے ہر کس و ناکس کو اپنے ایمان پر تصرف دینا نہایت خلاف عقل ہے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ع اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان ہے جس سے امتیوں کو کمال درجہ کا افتخار حاصل ہے کہ سوائے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ مگر مرزا صاحب خودغرضی سے اس میں کلام یہ کرتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر چہ ظاہر میں وہ اس کی تصریح نہیں کرتے مگر قرائن و دلائل واضحہ اسکی خبر دے رہے ہیں بہر حال ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا کشف تھا اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ واجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

مرزا صاحب کے کشف و تجربہ کا کیا کہنا اسی کتاب میں آپ کے کشفوں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے اگر ناظرین ان کا تذکر فرمالیں تو مرزا صاحب کی اس تقریر کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ان کا غالباً پیشتر کا ہوگا ورنہ انہوں نے تو اپنے باب میں قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ خود بدولت مردود ہیں، ملعون ہیں، بے دین ہیں، خائن ہیں، اور اس فیصلہ کو خدائے تعالیٰ نے بھی منظور فرمالیا جس کا حال معلوم ہوا اس کے بعد اب وہ کسی عامی مسلمان کی بھی مساوات کا دعویٰ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ سید المرسلین ﷺ کی ہمسری۔ اگر چہ مسئلہ معراج نہایت وسیع اور طویل الذیل ہے جس کی گنجائش اس مختصر میں دشوار ہے مگر **ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ** کے لحاظ سے تھوڑی سی بحث اس میں بھی کی جاتی ہے **اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی** بشرط انصاف اہل ایمان پر منکشف ہو جائیگا کہ اہل سنت کا مذہب اس مسئلہ میں کیسا قوی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کئی امور اس مسئلہ میں ایسے ہیں کہ معمولی عقول پر ان کا تسلیم کرنا شاق ہوتا ہے۔ مثلاً سینہ مبارک آنحضرت ﷺ کا شب معراج شق کیا جانا اور حکمت و

ایمان سے اس کو بھرنا پھر بسواری براق بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانا اور یہ سب معاملات ایک ہی شب میں طے ہو جانا وغیرہ امور ایسے ہیں کہ ان کی نظیر مل نہیں سکتی اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے عقل کے خلاف ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عالم میں بہت سے بلکہ تقریباً کل کام ایسے ہیں کہ ان کا ادراک عقل سے ممکن نہیں مگر عادت کی وجہ سے ان میں غور تدبر کی نوبت آتی ہے، نہ خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نے کتاب العقل میں بشرح وبسط لکھا ہے اس کے ملاحظہ سے منکشف ہو سکتا ہے کہ جو معمولی امور ہیں ان کے بھی ادراک میں حکماء کی عقلیں حیران ہیں اور جن چیزوں کو ہم بدیہی سمجھتے ہیں ان کی حقیقتیں ایسی نظری ہیں کہ ان کا ادراک اب تک نہ ہو سکا۔ پھر جیسے وہ عادت کی وجہ سے مطابق عقل معلوم ہوتے ہیں اسی طرح اگر بالفرض آسمانوں پر آنا جانا بھی عادی ہوتا تو ان میں بھی عقل کو استبعاد کا موقع نہ ملتا۔ یہاں بطور مثال ایک نور ہی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کس قدر ظاہر بلکہ مظہر ہے اور ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے ہر شخص اس کو بدیہی سمجھتا ہے مگر اس کی حقیقت ایسی نظری ہے کہ تمام حکماء اس کے ادراک میں حیران ہیں یہی وجہ ہے کہ کوئی اس کو جوہر بلکہ جسم کہتا ہے اور کوئی عرض۔ حالانکہ جوہر وعرض میں جس قدر فرق اور تباین ہے ظاہر ہے ایسی روشن چیز میں جب یہ اندھیر ہو تو اور چیزوں کا کیا حال ہوگا اگر ایسے شخص سے جس نے کبھی نور نہ دیکھا ہو یعنی مادرزاد نابینا سے اس کا حال بیان کیا جائے تو یہی کہے گا کہ ایسی چیز کا وجود محال ہے۔ اہل حکمت جدیدہ نے نور کو جوہر بلکہ جسم مان لیا ہے اور کمال تحقیق سے تصریح کرتے ہیں کہ وہ ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل کی مسافت طے کرتا ہے جیسا کہ ریوری رنٹ چارلس صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور پیسہ اخبار مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۰ ہجری میں تحقیق جدید کو بیان کیا گیا ہے کہ بجلی ایک منٹ میں پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے اور ستہ شمسیہ میں جو چارلس صاحب مذکور کی کتاب کا

ترجمہ ہے لکھا ہے کہ بعض دم دار ستارے اتنے بڑے ہیں کہ فقط ان کی دم تین کروڑ تیس لاکھ میل کی ہے اور ان کی رفتار ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار میل تک ثابت ہوئی ہے اور محققین ہیئت قدیمہ نے تصریح کی ہے کہ فلک تاسع کے مقعر کا ہر نقطہ ایک ساعت میں دس کروڑ اکہتر لاکھ میل حرکت کرتا ہے اور لکھا ہے کہ آدمی جس عرصے میں ایک لفظ کا تلفظ کرے مثلاً ''الف'' یا ''ب'' کہے وہ پانچ ہزار ایک سو چھیانوے میل طے کرتا ہے۔ اب دیکھئے کہ کیسے بڑے بڑے اجسام کی حرکت ایک ساعت میں لاکھوں بلکہ کروڑوں میل تسلیم کرلی جاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ حکماء کا قول ہے اور معراج کی خبر خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس میں اقسام کے احتمالات پیدا کر کے تاویلیں کی جاتی ہیں کہ جسم کثیف اس مدت قلیل میں اتنی مسافت کیونکر طے کرسکتا ہے اس لئے برائے نام اس پر ایمان لانے کی یہ تدبیر نکالی گئی کہ وہ ایک کشفی واقعہ ہے۔ اب اگر کوئی ایماندار جس کو خدا کی قدرت پر پورا ایمان ہو اور یقین سمجھتا ہو کہ حق تعالیٰ صرف کن سے جو چاہتا ہے کرسکتا ہے یہ اعتقاد رکھے کہ وہ قادر مطلق جو بعض اجسام کثیفہ کو ایک منٹ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل چلا سکتا ہے۔ اپنے حبیب ﷺ جن کا جسم مبارک ہماری جان سے بھی زیادہ تر لطیف تھا ان کو تھوڑے عرصہ میں آسمانوں کی سیر کرا لائے تو کون سی بڑی بات ہوگی؟ کیا ان مسلمانوں کے نزدیک خدا کی اور اپنے نبی کریم ﷺ کی بات کی اتنی بھی وقعت نہ ہونی چاہیے جو اہل یورپ کی بات کی آج کل ہو رہی ہے۔ مقتضائے ایمان تو یہ تھا کہ اگر کوئی ضعیف حدیث بھی اس باب میں وارد ہوتی تو اس خیال سے مان لی جاتی کہ آخر حدیث تو ہے کسی کی بنائی ہوئی بات نہیں چہ جائیکہ قرآن کی آیتوں اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے مگر ہر کسی کو یہ گراں بہا دولت ایمانی کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ ہزار ہا معجزات دیکھنے پر بھی تو اشقیاء اس دولت سے محروم ہی رہے۔ دراصل خود حق تعالیٰ کو منظور نہیں کہ یہ دولت عام اور بے قدر ہو جائے اسی وجہ سے خود کتاب ہدایت یعنی

قرآن شریف کی خاصیت یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا رکھی گئی۔اور معراج شریف کی نسبت بھی اسی قسم کا ارشاد ہے قولہ تعالیٰ وماجعلنا الرؤیا التی ارینا ک الا فتنة للناس یعنی جوتم کوشب معراج ہم نے دکھلایا اس سے لوگوں کی آزمائش مقصود ہے احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب میں نازل ہوئی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر کسی کا کام نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے امتحان میں پورا اتر سکے اس موقع میں تو ایمانداروں کا ایمان ہی سلامت رہ جائے تو غنیمت ہے کافروں کے ایمان کی کیا توقع چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجودیکہ حضرت ﷺ نے بیت المقدس کی پوری نشانیاں بتلا دیں اور کفاراس کا انکار بھی نہ کر سکے مگر ایمان کسی نے نہ لایا اور صحابہ جو ہمیشہ معجزات دیکھتے تھے باوجوداس فیضان معنوی کے وہ بھی متزلزل ہو گئے اور بعض تو (نعوذ باللہ) مرتد ہی ہو گئے۔ اوراسی واقعہ کی عمدہ طور پر تصدیق کرنے کی بدولت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''صدیق'' کہلائے ان مضامین کی تصدیق روایات ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ اخرج ابن جریر عن قتادة رضی اللہ عنہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس یقول اراه من الأیات والعیر فی میسرة الی بیت المقدس و ذکر لنا ان ناسا ارتدوا بعد اسلامهم حین حدثهم رسول اللہ ﷺ بمسیرة انکروا ذلک وکذبوا به وعجبوا منه وقالوا اتحدثنا انک سرت میسرة شهرین فی لیلة واحدة (کذا فی الدر المنثور)۔یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ آیۂ شریفہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو بیت المقدس کے جانے میں حضرت کو دکھلائی گئیں۔ جب حضرت نے وہ حالات بیان کئے تو بہت سے لوگوں نے تکذیب کر کے براہ انکار کہا کہ اب ایسی باتیں کرنے لگے کہ ایک رات میں دو مہینے کی راہ طے کی غرض باوجودیکہ وہ لوگ اسلام لا چکے تھے مگر واقعہ معراج سن کر مرتد ہو گئے۔واخرج احمد وابو یعلی وابن

مردویة وابو نعیم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اسری بالنبی ﷺ الیٰ بیت المقدس ثم جاء من اللیلة فحدثهم بمسیرة وبعلامة بیت المقدس وبعیرهم فقال ناس نحن لانصدق محمدا (ﷺ) بما یقول فارتدوا کفارا فضرب اللّٰہ رقابهم مع ابی جهل (کذا فی الدر المنثور)۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ﷺ بیت المقدس جا کر اسی شب واپس تشریف لائے اور واقعہ جانے کا اور علامت بیت المقدس کی اور کفار کے قافلہ کا حال بیان فرمایا تو بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہم محمد ﷺ کی تصدیق ان امور میں نہیں کر سکتے چنانچہ وہ مرتد ہو گئے اور آخر ابوجہل کے ساتھ ان کی گردنیں ماری گئیں انتہی۔ ان روایات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ظاہراً خلاف عقل ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اس کی تصدیق نہ کر سکے جس سے ان کا ایمان سلب کر لیا گیا۔ یہاں غور کیا جائے کہ کیا خواب میں بیت المقدس کو جانا اس قدر خلاف عقل تھا کہ اس کے سننے سے مسلمانوں کا ایمان جاتا رہے عقل سلیم اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی یہ واقعہ خلاف عقل اسی وقت ہو سکتا ہے کہ عالم بیداری میں ہوا ہو۔ جس کی تصدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کر کے لقب صدیق کے مستحق ہوئے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ واخرج ابو یعلی وابن عسا کر عن ام هانی رضی اللہ عنہا قالت دخل علی النبی ﷺ الیٰ ان قالت فقال مطعم کل امرک قبل الیوم کان امما غیر قولک الیوم انا اشهد انک کاذب نحن نضرب اکباد الابل الیٰ بیت المقدس مصعدًا شهرًا ومنحدرًا شهرًا تزعم انک اتیته فی لیلة واللات العزّیٰ لااصدقک فقال ابوبکر یامطعم بئس ما قلت لابن اخیک حیهته وکذبته انا اشهد انه صادق فقالوا یامحمد صف لنا بیت المقدس قال دخلته لیلا وخرجت منه لیلا فاتاه جبرئیل علیہ السلام فصوره فی جناحه فجعل یقول باب منه کذا فی

موضع کذا وباب منه کذا فی موضع کذا وابوبکر رضی اللہ عنہ یقول صدقت صدقت فقال رسول اللہ ﷺ یومئذ یاابابکر ان اللہ قد سماک الصدیق
(الحدیث، کذا فی الدر المنثور) یعنی ام ہانی رضی اللہ عنہا نے معراج کا واقعہ بیان کر کے کہا کہ جب یہ واقعہ حضرت نے کفار سے بیان کیا تو مطعم نے کہا کہ اب تک آپ کا معاملہ ٹھیک چل رہا تھا سوائے اس بات کے جواب کہہ رہے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو ہم تو اونٹوں کو مار مار کے دو مہینے میں بیت المقدس کو جا کر آتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات میں جا کر آ گئے ہولات وعزیٰ کی قسم ہے کہ یہ تو میں ہرگز نہ مانوں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے مطعم تو نے بری بات کہی اپنے بھتیجے کو شرمندہ کیا اور ان کی تکذیب کی میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ پھر کفار نے حضرت سے کہا کہ بیت المقدس کا حال تو بیان کیجئے آپ نے فرمایا کہ میں رات کے وقت اس میں داخل ہوا تھا اور رات ہی میں اس سے نکلا یہ فرما ہی رہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور اپنے بازو میں بیت المقدس کا نقشہ پیش نظر کر دیا جس کو دیکھ دیکھ کر آپ علامتیں فرماتے کہ فلاں دروازہ فلاں مقام میں ہے اور فلاں دروازہ فلاں مقام میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ اس روز آنحضرت ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ نے تمہارا نام صدیق رکھا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسمانی کی تصدیق کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لقب صدیق عطا فرمایا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار کو بھی اس میں کلام نہ ہوتا کیونکہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کیا ہی کرتے ہیں۔

الحاصل اسلام میں معراج کا واقعہ گویا محک امتحان ہے جس نے اس کا انکار کیا اس کی شقاوت ازلی کا حال کھل گیا اس سے بڑھ کر اور کیا شقاوت ہوگی کہ سب جانتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا باوجود اس کے جو جو نشانیاں پوچھتے

گئے سب بتلا دیں اور رستے کے قافلے کا حال پوچھا وہ بھی بیان کر دیا جس کی تصدیق بھی ہو گئی پھر بھی تصدیق نہ کی اور مثل دوسرے معجزات کے اس کو بھی سحر ہی قرار دیا جیسا کہ ان روایات سے ظاہر ہے **واخرج مسلم و النسائی و ابن مردویۃ عن ابی ھریرۃ** ﷛ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **لقد رایتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرائی فسالونی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتھا فکربت کرباً ماکربت مثلہ قط فرفعہ اللّٰہ لی انظر الیہ ماسالونی عن شئ الا انبأھم بہ** (کذا فی الدر المنثور) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش مجھ سے بیت المقدس کے جانے کا حال دریافت کرنے لگے میں حطیم میں تھا بہت سی چیزیں بیت المقدس کی انہوں نے ایسی پوچھیں جو مجھے بخوبی یاد نہ تھیں اس وقت مجھ کو ایسی فکر ہوئی کہ کبھی ہوئی نہ تھی تب حق تعالیٰ نے اس کو میرے پیش نظر کر دیا پھر تو وہ جو سوال کرتے میں دیکھ کر فوراً جواب دے دیتا۔ **واخرج ابو یعلی و ابن عساکر عن ام ھانی** رضی اللہ عنہا **ثم انتھیت الی عیر بنی فلان فی التنعیم یقدمھا جمل اورق وھاھی تطلع علیکم من الثنیۃ فقال الولید ابن المغیرۃ ساحر فانطلقوا فوجدوا کما قال فرموہ بالسحر وقالوا صدق الولید فانزل اللّٰہ وماجعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس** (کذا فی الدر المنثور). یعنی سفر بیت المقدس کے واقعہ کے اخیر میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ واپسی کے وقت تنعیم میں مجھے ایک قافلہ ملا جس کے آگے آگے ایک اونٹ ہے جس کا رنگ خاکستری ہے اور وہ یہیں قریب میں ہے ابھی ثنیہ پر تمہیں نظر آئے گا یہ سن کر ولید نے کہا کہ یہ ساحر ہیں اور لوگ قافلہ کی خبر لانے کو گئے چنانچہ جس طور پر حضرت ﷺ نے فرمایا تھا سب باتوں کی تصدیق ہو گئی اس پر سب نے کہا ولید نے جو حضرت کو ساحر کہا تھا وہ سچ ہے تب یہ آیت نازل ہوئی **وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس**۔

اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نیند کی حالت میں ہوا تھا کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کے مرزا صاحب قائل ہیں ان کو کتنے واقعات کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ خواب کیسا ہی عجیب وغریب ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور نہ سننے والا اس کا انکار کرتا ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اس واقعے کا بیان کرنا بخوف تکذیب قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا تھا جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ **واخرج الطبرانی و ابن مریم عن ام ھانی** رضی اللہ عنھا **قالت فقال رسول اللہ** ﷺ **وانا ارید ان اخرج الٰی قریش فاخبرھم مارایت فاخذت بثوبہ فقلت انی اذکرک اللّٰہ انک تاتی قوما یکذبونک وینکرون مقالتک فاخاف ان یسطوا بک قالت فضرب ثوبہ من یدی ثم خرج الیھم واتاھم جلوس فاخبر ھم الحدیث** (کذا فی الدر المنثور والحدیث مذکور فیہ بطولہ) یہ حدیث بہت طویل ہے یہاں مقصود اسی حصے سے متعلق ہے جو لکھا گیا۔ ماحصل اس کا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے ام ہانی رضی اللہ عنھا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے رات دیکھا ہے سب قریش سے بیان کردوں میں نے حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہو لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب اور آپ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر کہیں حملہ نہ کر بیٹھیں۔ حضرت نے جھٹکا مار کر دامن چھڑا لیا اور ان کے مجمع میں جا کر سب واقعہ بیان فرمایا انتہی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر ام ہانی رضی اللہ عنھا کو اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار کیوں تھا اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب کفار نے یہ واقعہ سنا تو بہت کچھ خوشیاں منائیں اور یہ سمجھ لیا کہ اب حضرت ﷺ کی کسی بات کو فروغ نہ ہو گا۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ **واخرج ابن شیبۃ واحمد**

والنسائی والبزاز والطبرانی وابن مردویة وابونعیم فی الدلائل وایضا فی المختارة وابن عساکر بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لما کان لیلة اسری بی فاصبحت فی مکة قطعت وعرفت ان الناس مکذبی فقعدت معزلا حزینا فمر بی عدو اللّٰہ ابوجھل فجاء حتی جلس الیه فقال له کالمستھزی ھل کان من شیٔ قال نعم قال وما ھو قال انی اسری بی اللیلة قال الی این قال الی بیت المقدس قال ثم اصبحت بین ظھرانینا قال نعم فلم یرد ان یکذبه مخافة ان یجحده الحدیث ان دعا قومه الیه قال ارایت ان دعوت قومک اتحدثھم بما حدثنی قال نعم قال ھیا معشر بنی کعب بن لوی فانقضت الیه المجالس وجاءوا حتی جلسوا الیھما قال حدث قومک بما حدثتنی فقال رسول اللّٰہ ﷺ انی اسری بی اللیلة قالوا الیٰ این قال الیٰ بیت المقدس قالوا ایلیا قال نعم قالوا ثم اصبحت بعد ظھرانینا قال نعم قال فمن بین مصفق وبین واضع یدہ علی راسه متعجبا قالوا و تستطیع ان تنعت المسجد وفی القوم من قد سافر الیه قال رسول اللّٰہ ﷺ فذھبت انعت فمازلت حتی التبس علی بعض النعت فجیٔ بالمسجد وانا انظر الیه حتی وضع دون دار عقیل او عقال فنعته وانا انظر الیه فقال القوم اما النعت فواللّٰہ لقد اصاب (کذا فی الدر المنثور)۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات میں بیت المقدس جا کر صبح مکہ میں آ گیا مجھے یقین ہوا کہ اس واقعہ میں لوگ میری تکذیب ضرور کریں گے۔ اسی خیال میں میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمنِ خدا ابوجہل آ کر میرے پاس بیٹھ گیا اور بطور استہزاء پوچھا کیوں کیا کوئی نئی بات ہے؟ فرمایا ہاں۔ کہا کیا ہے؟ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ کہا کہاں؟

فرمایا بیت المقدس۔ کہا پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کر جائیں تکذیب نہیں کی اور کہا کیا یہ بات آپ لوگوں کے روبرو بیان کرو گے؟ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی باآواز بلند پکارا اے گروہ بنی کعب بن لوی اور فوراً جوق در جوق لوگ وہاں ٹوٹ پڑے پھر حضرت سے کہا کہ جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہئے۔ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا بیت المقدس۔ کہا کیا ایلیا؟ فرمایا ہاں۔ کہا پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ کوئی تو تالیاں بجانے لگا کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر انہوں نے کہا کیا آپ مسجد کا حال بیان کر سکتے ہیں؟ اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسجد کا حال بیان کرنے لگا یہاں تک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتباہ سا ہو گیا ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی گئی جس کو میں دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا ان لوگوں نے جب پوری علامتیں سُن لیں تو بے ساختہ کہہ اٹھے کہ واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں انتہی۔

یہاں چند امور قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

۱...... یہ حدیث صحاح اور مسند امام احمد اور مختارہ میں ہے اور بحسب تصریح محدثین ثابت ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

۲...... حضرت کا یقین کرنا کہ اس واقعہ کی تکذیب کریں گے، یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب وغریب خلاف عقل واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

۳...... حضرت بجائے اس کے کہ اس واقعہ معراج شریف سے شاداں وفرحاں رہتے بیان کرنے کے پہلے نہایت غمگین رہے اس وجہ سے کہ کفار اس خلاف عقل واقعہ کی ضرور تکذیب

کریں گے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہی خیال تھا تو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر ضرور بھی تھا تو صرف راسخ الاعتقاد چند مسلمانوں سے بطور راز کہا جاتا بخلاف اس کے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کفار کے روبرو بیان کرنے سے بہت روکا اور خود حضرت کو بھی یہ کمال درجے کی فکر دامنگیر تھی یہاں تک کہ حزین و غمگین بہت دیر بیٹھے رہے مگر آخر بیان کرنا پڑا۔ ان امور میں غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور مکلّف تھے۔ اگرچہ اصل مقصود عجائب قدرت حضرت کو دکھلانا تھا مگر اس کے بعد اس مسئلہ کی حیثیت ہی کچھ دوسری ہوگئی اور ایک دینی مسئلہ ٹھہر گیا۔ پہلے حضرت مامور ہوئے کہ کفار و مسلمانوں میں اس کا اعلان کردیں پھر قرآن شریف میں اس کا ذکر فرما کر قیامت تک آنے والوں کو اس کی اطلاع دی گئی اور منجملہ ان مسائل کے ٹھہرایا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے گو خلاف عقل ہوں جیسے مسائل بعث و نشر و مقدورات الٰہی وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من اٰیاتنا** (الآیۃ) یعنی وہ خدا پاک ہے جو اپنے بندے محمد مصطفی ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں دیں اور اس لے جانے سے مقصود یہ تھا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے چند نمونہ معائنہ کرائیں انتہی۔

اور اس واقعہ کے بعد اغراض اس طرح بیان کئے قولہ تعالیٰ **وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس** یعنی یہ جو تم کو دکھایا گیا اے محمد ﷺ اس واسطے کہ لوگوں کی آزمائش ہوجائے۔ چنانچہ آزمائش اور فتنے کا حال بھی ابھی معلوم ہوگیا کہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہوگئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا۔

۴...... کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جا کر صبح ہم میں موجود ہوگئے؟

تو آپ نے اس کی تصدیق کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کیساتھ حالت بیداری میں تشریف لے گئے تھے ورنہ جواب میں فرماتے کہ یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ یہاں سے گیا ہی کب تھا جو پوچھا جاتا کہ **ثم اصبحت بین ظھرانینا** یعنی صبح یہاں موجود ہو گئے۔

۵......ایسے موقع میں تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور خصم کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی اپنی وہ اسی میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ ثابت کریں اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل خواب سننے سے یہ جوش طبائع میں ہرگز نہیں پیدا ہوتا اس میں تو توہین مقصود ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اضغاث احلام یعنی پریشان خواب ہیں جو قابل اعتبار نہیں ہو سکتے حالانکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہ کیا جائے گا کہ کسی مخالف نے اس واقعہ کو سن کر پریشان خواب کہا ہو۔

۶......مقامی علامتیں بطور امتحان دریافت کرنا خواب کے واقعہ میں نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ خواب کے بیان کرنے والے کو یہ دعویٰ ہی نہیں ہوتا کہ جو دیکھا ہے وہ واقع کے مطابق ہے اسی وجہ سے اس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ واقعہ خواب میں دیکھا گیا ہے تو نہ ان کو علامات پوچھنے کا موقع ملتا، نہ حضرت کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی اور نہ فکر و کرب طبع غیور کو لاحق ہوتی۔

۷......امتحان کے وقت نقشہ مسجد کا پیش نظر ہونے سے ظاہر ہے کہ کشف اس موقع میں ہوا تھا جس کی تصریح فرمادی اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اسی طرح صراحۃً فرما دیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہو گئے تھے۔

الحاصل حدیث موصوف میں غور کرنے سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا ہے۔

کفار نے جب حضرت سے یہ واقعہ سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر ایسی کھلی

جھوٹ ہے کہ جو سنے گا عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اس کی تکذیب کردیگا اس لئے انہوں نے پہلے یہ خیال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتنے میں ڈالیں۔ جب (نعوذ باللہ) وہ حضرت سے پھر جائیں گے تو پھر کوئی حضرت کی رفاقت نہ دیگا اس لئے فوراً وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے اور کہا کہ لیجئے آپ کے رفیق اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس جا کر آ گئے کیا اس کی بھی تصدیق کی جائیگی مگر وہاں شان صدیقی جلوہ گر تھی ایسے یا دہوائی شبہات سے کب جنبش ہوسکتی تھی آپ نے فرمایا کہ اس کی بھی تصدیق میں کوئی تامل نہیں بشرطیکہ حضرت نے فرمایا ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے **واخرج الحاکم وصححه وابن مردویة والبیهقی فی الدلائل عن عائشة** رضی اللہ عنہا **قالت لما اسری بالنبی** ﷺ **الی المسجد الاقصیٰ اصبح یحدث الناس بذٰلک فارتد ناس ممن کانوا امنوا به وصدقوه وسعوا بذٰلک الیٰ ابی بکر** رضی اللہ عنہ **فقالوا هل لک فی صاحبک یزعم انه اسریٰ به اللیلة الی بیت المقدس قال او قال ذٰلک قالوا نعم قال لئن قال ذٰلک لقد صدق قالوا فتصدقه انه ذهب اللیلة الی بیت المقدس وجاء قبل ان یصبح قال نعم انی لاصدقه بما هو ابعد من ذٰلک اصدقه بخبر السماء فی غدوة او روحة فلذٰلک سمی ابا بکر الصدیق** (کذا فی الدر المنثور)۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات نبی کریم ﷺ بیت المقدس جا کر واپس تشریف لائے اس کی صبح وہ واقعہ لوگوں سے بیان فرمایا جس سے بہت لوگ جو حضرت پر ایمان لا کر ہر طرح کی تصدیق کر چکے تھے مرتد ہو گئے پھر کفار ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے کیا اب بھی اپنے رفیق یعنی آنحضرت ﷺ کی تصدیق کرو گے؟ لیجئے وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آج رات وہ بیت المقدس جا کر آ گئے۔ کہا: کیا حضرت نے یہ فرمایا ہے؟ کہا: ہاں۔ کہا: اگر فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔

کہا: کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات بیت المقدس تک گئے اور صبح سے پہلے واپس آ گئے؟ فرمایا: ہاں میں تو بیت المقدس سے دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں یعنی جو صبح، شام آسمان کی خبریں بیان فرماتے ہیں ان کو صحیح جانتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا انتہی۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ذہن نشین یہی کرایا گیا تھا کہ حضرت حالت بیداری میں بیت المقدس جا کر تشریف لائے اور اسی کی تصدیق پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلقب صدیق ملقب ہوئے اگر کفار نے سمجھا نہ تھا یا بہتان کیا تھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی تصریح فرما دیتیں کہ یہ کفار نے بہتان کیا تھا در حقیقت وہ خواب تھا۔

اب اس روایت کی قوت کو دیکھئے کہ باوجودیکہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا میلان تشیع کی طرف تھا جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ بستان المحدثین میں لکھتے ہیں اور اس حدیث سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت صدیقیت ثابت ہوتی ہے مگر قوت اسناد کے لحاظ سے مستدرک میں اس کو لکھ کر تصریح کر دی کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں۔ پھر جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہیں ہیں کیونکر صحیح ہوگا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے مرتد ہونے اور دین اسلام کو چھوڑ دینے کو گوارا کیا مگر معراج جسمانی کو نہ مان سکے جیسا کہ دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوا واضح رہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا مجازی طور پر ہے حقیقت میں تو وہ کفار ازلی تھے اور تعجب نہیں کہ برائے نام مسلمان کہلاتے ہوں کیونکہ مسلمانوں کے ایسے بودے اعتقاد نہیں ہوا کرتے۔ **واخرج البزاز وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویة والبیهقی فی الدلائل وصححه عن شداد بن اوس قال قلنا یارسول اللّٰه**

كيف اسرى بک فقال صليت لاصحابى العتمة بمكة معتما فاتانى جبرئيل بدابة بيضاء لى ان قال ثم انصرف بى فمررنا بعير قريش بمكان كذا وكذا وقد ضلوا بعيرا لهم قد جمعه فلان فسلمت عليهم فقال بعضهم هذا صوت محمد (ﷺ) ثم اتيت اصحابى قبل الصبح بمكة فاتانى ابوبكر فقال يارسول الله اين كنت الليلة قد التمسک فى مكانک فقلت اعلمت انى اتيت بيت المقدس الليلة فقال يارسول الله انه مسيرة شهر فصفه لى قال ففتح لى صراط كانى انظر اليه لاتسالونى عن شئ الا انبئكم عنه فقال ابوبكر رضی اللہ عنہ اشهد انک رسول الله وقال المشركون انظروا الى ابن ابى كبشة زعم انه اتى بيت المقدس الليلة فقال ان من اٰية ما اقول لكم انى مررت بعيراً لكم بمكان كذا وكذا وقد اضلوا بعيرا لهم فجمعه فلان وان مسيرهم ينزلون بكذا ثم كذا وياتونكم يوم كذا وكذا يقدمهم جمل ادم عليه شيخ اسود و غرارتان سوداوتان فلما كان ذلک اليوم اشرف القوم ينظرون حتى كان قريبا من نصف النهار قدمت العير يقدمهم ذلک الجمل الذى وصفه رسول الله ﷺ (ذکرہ الامام السیوطی بطولہ فی الدر المنثور) یعنی شداد بن اوس سے، کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بیت المقدس کس طرح لے گئے؟ فرمایا میں جب صحابہ کے ساتھ عشاء پڑھ چکا تو جبرئیل میرے لئے سواری لائے پھر تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس سے لوٹے تو فلاں مقام میں ایک قافلہ پر ہمارا گزر ہوا جو مکہ کو جا رہا تھا ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کو فلاں شخص نے گھیر لایا اس حالت میں میں نے ان پر سلام کیا بعضوں نے کہا یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے غرض کہ صبح سے پہلے میں مکہ کو اپنے صحابہ میں پہنچ گیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے

پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ رات کہاں تھے میں نے آپ کو آپ کے مقام پر تلاش کیا۔ میں نے کہا تم جانتے ہو میں رات بیت المقدس گیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ وہ تو ایک مہینے کی راہ ہے اس کا کچھ حال بیان کیجئے فرمایا وہ دور تو ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے ایک راستہ میرے لئے ایسا نزدیک کا کھول دیا کہ وہ میرے پیش نظر ہو گیا وہاں کی جو بات تم پوچھو میں بتادوں گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور مشرکوں نے کہا دیکھو ابن ابی کبشہ یعنی محمد ﷺ کہتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس کو جا کر آ گئے۔ حضرت نے فرمایا میں ایک نشانی اس کی تمہیں بتلاتا ہوں کہ میرا گزر فلاں مقام میں تمہارے قافلہ پر ایسے وقت ہوا کہ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کو فلاں شخص گھیر لایا اور ان کی رفتار ایسی تھی کہ فلاں مقام میں اتریں گے اس کے بعد فلاں مقام میں اتریں گے اور فلاں روز وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ قافلہ کے آگے ایک سفید اونٹ ہے اور جس کے پیٹ پر دو کالے گوں اور اس پر ایک بوڑھا سیاہ رنگ سوار ہے جب وہ دن آیا تو لوگ اس قافلہ کو دیکھنے نکلے چنانچہ دوپہر کے قریب وہ قافلہ آپہنچا اور جس طرح حضرت نے فرمایا تھا وہی اونٹ اس کے آگے تھا انتہی۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت نے طے مکان کو اشارۃً بیان فرمایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسالت کی شہادت دے کر اس کی تصدیق کر لی کیونکہ جب رسالت مان لی جائے تو اس کے سب لوازم مان لئے جاتے ہیں۔ دیکھئے لفظ **انصرفت** اور **ثم اتیت قبل الصبح بمكة** سے ظاہر ہے کہ اس رات حضرت مکہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت کو اس رات تلاش کیا اور نہ پایا اگر حضرت وہاں ہوتے تو فرمادیتے کہ میں تو وہاں تھا یا فلاں مقام میں تھا بجائے اس کے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ رات کہاں تھے یہ فرمانا کہ میں بیت المقدس گیا

تھا باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ حضرت مع جسم تشریف لے گئے تھے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس قافلہ والوں پر ایسی جلدی کی حالت میں کہ سرعت سیر برق سے کم نہ تھی سلام کرنا اسی غرض سے تھا کہ خبر معراج سن کر ان کے دل اس کی صحت پر گواہی دیں کیونکہ اپنے کانوں سے انہوں نے حضرت کی آواز سن لی تھی۔

اور نیز جب کافروں نے کہا کہ حضرت بیت المقدس کے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ ارشاد کہ جانے کی نشانی میں تمہیں بتلاتا ہوں علانیہ ثابت کر رہا ہے کہ ان کے قول کی تسلیم کی گئی کہ بیشک ہم گئے تھے اور اس کی نشانیاں سن لو اگر خواب وغیرہ میں گئے ہوتے تو فرمادیتے کہ یہ میرا دعویٰ ہی نہیں۔ اور جس طرح اس حدیث سے ثابت ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ان احادیث سے بھی ثابت ہے **اخرج ابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردوية والبيهقی فی الدلائل وابن عساكر عن ابی سعيد الخدری ﷺ قال حدثنا رسول الله ﷺ بالمدينة عن ليلة اسری به من مكة الی المسجد الاقصٰی قال بينما انا نائم عشاء بالمسجد الحرام اذ أتانی ات فايقظنی فاستيقظت** (كذافی الدر المنثور)

یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہم لوگوں سے واقعہ معراج کا جو بیان فرمایا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اس رات میں مسجد میں سویا تھا کہ یکایک کوئی شخص آ کر مجھے بیدار کیا اس کے بعد کا پورا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ **عن ابی اسحٰق وابن جرير وابن المنذر عن الحسن بن الحسين** رضی اللہ عنہما **قال قال رسول الله ﷺ بينما انا نائم فی الحجر جاءنی جبريل فهمزنی برجله فجلست فلم ار شيئا فعدت لمضجعی فجاءنی الثانية فهمزنی بقدمه فجلست فلم ارشيئا فعدت لمضجعی**

فجاءنی فھمزنی بقدمه فجلست فاخذ بعضدی فقمت معه (الحدیث، ذکرہ فی الدر المنثور) یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا جو مسجد الحرام میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے جگایا مگر کوئی نظر نہ آیا اس لئے پھر سو رہا پھر جگایا پھر بھی کوئی نظر نہ آیا اور پھر سو رہا تیسرے بار کے جگانے میں اٹھ بیٹھا اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں ان کے ساتھ چلا اس کے بعد براق وغیرہ کا قصہ مذکور ہے۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ** اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس اس رات میں جا کر آیا اور قرآن وحدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے خواب پر دلالت ہو اور مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں یہ مسلّم ہے کہ **النصوص یحمل علی ظواھرھا** اور خود آنحضرت ﷺ تصریح فرمارہے ہیں کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا اور اس پر اتنے قرائن موجود ہیں جو مذکور ہوئے پھر کسی ایماندار کو اس کے ماننے میں کیونکر تامل ہوسکتا ہے اسی وجہ سے صحابہ کو اس مسئلہ میں ذرا بھی شبہ نہ تھا چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو تفسیر درمنثور میں ہے **اخرج عبدالرزاق وسعید بن منصور واحمد والبخاری والترمذی والنسائی وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی والحاکم وابن مردویۃ والبیھقی فی الدلائل عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قوله وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس قال ھی رؤیا عین راھا رسول اللّٰه** ﷺ **لیلة اسری به الی بیت المقدس ولیست برؤیا منام.** یعنی آیہ شریف **وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس** کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رؤیا سے مراد یہاں رویت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی شب معراج جو نشانیاں حضرت ﷺ کو بیت المقدس وغیرہ میں دکھلائی گئی تھیں وہ خواب نہ تھا۔

اب یہ دیکھئے کہ باوجودیکہ رؤیا خواب کے معنی میں کثیر الاستعمال ہے مگر چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواہ تواتر کی وجہ سے یا خود آنحضرت ﷺ سے سن لیا تھا معراج جسمانی کا یقین تھا اس لئے رؤیا کی تفسیر رؤیت چشم کے ساتھ کی جو لازمہ معراج جسمانی ہے اگر ان کو اس بات میں ذرا بھی تامل ہوتا تو قرآن کی تفسیر اس جزم کے ساتھ ہرگز نہ کرتے اور نہ اس کو جائز رکھتے کیونکہ تفسیر بالرائے کو یہ حضرات کفر سمجھتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے **انی متوفیک** کے معنی **ممیتک** جو مروی ہیں اس کو مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان کر کے لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کی دعائے علم قرآن ان کے حق میں قبول ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں وہ صحیح اور قابل وثوق ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ مرزا صاحب اس تفسیر پر اعتماد کر کے معراج جسمانی کے قائل ہوئے ہوتے مگر افسوس ہے کہ اس کو قابل اعتبار نہ سمجھا اس پر توجہ تک نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث فضیلت پر ایمان زبانی تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت مذکورہ میں رؤیت کو دو قسموں میں منحصر کیا رؤیت عینی اور رؤیت منامی، اگر رؤیت کشفی جو مرزا صاحب کہتے ہیں کوئی علیحدہ چیز ہوتی تو اس کو بھی بیان کر دیتے اس سے معلوم ہوا کہ رؤیت کشفی کو انہوں نے انہیں دو میں سے کسی ایک میں داخل کر دیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگرچہ منام میں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں مگر فی الواقع وہ چشم سر سے نہیں دیکھتا یہی حال کشفی رؤیت کا بھی ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کشف سے قیامت تک کے حالات کو بیان فرمایا ہے حالانکہ ان چیزوں کا وجود ہی اس زمانہ میں نہ تھا پھر کیونکر کہا جائے کہ حضرت نے آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھا تھا حالانکہ ابصار کی شرط جو قابل رائی ومرئی ہے فوت ہے اس سے ثابت ہے

کہ رؤیت کشفی، رؤیت عینی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رؤیت کشفی کو رؤیت منامی میں داخل کر کے اس کی بھی نفی کر دی اور رؤیت عینی کو ثابت کیا۔

اس موقع پر تعجب نہیں کہ مرزا صاحب اس کو بھی قبول کر لیں گے کہ حضرت ﷺ نے وہیں بیٹھے ہوئے آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں ہے کیونکہ مرزا صاحب کو انکار یا تاویل یا ردوقدح کی ضرورت صرف وہاں ہوتی ہے جہاں ان کی عیسویت وغیرہ پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہوں تو احادیث کی رو سے لوگ انہیں کے انتظار میں لگ جائیں گے اور مرزا صاحب کو کون پوچھے گا اس وجہ سے معراج کا انکار ہی کر دیا اور شق القمر کے معجزہ کا کوئی اثر ان کے مباحث پر نہ تھا اس لئے اس کو مان لیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ معجزہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض سماوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولانا نبی ﷺ کا معجزہ تھا اور خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راست باز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے اس کو دکھایا تھا انتہیٰ۔

اور اس کے بہت سی نظائر ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں کلام اس میں تھا کہ تعجب نہیں مرزا صاحب رؤیت عینی کو بھی مان لیں کیونکہ اس سے کوئی ان کا حرج نہیں البتہ حرکت جسمانی کو وہ اس خیال سے محال سمجھتے ہیں کہ کہیں معراج کے ضمن میں عیسیٰ بھی آسمان پر نہ چڑھ جائیں مگر رؤیت عینی کو اگر مان لیں تو کہا جائے گا کہ علم مناظرہ و مرایا میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرائی رائی سے اس قدر دور ہو کہ اس کی نسبت اس بعد کی طرف ایسی ہو جیسے ایک کی نسبت پانچ ہزار تین سو کی طرف ہے تو وہ شے نظر نہ آئیگی اس صورت میں مرزا صاحب کے اس قول پر بھی حکماء ہنسیں گے جس کا ان کو بہت خوف ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام

میں لکھتے ہیں کہ مسیح کے بارہ میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں ہنسیں گے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم عنصری کے ساتھ آسمان تک کیونکر پہنچ گئے انتہی۔

میری رائے میں اس فکر کی ضرورت نہیں اگر طبعی اور فلسفی لوگ یہ سن لیں گے کہ مہینوں کی راہ سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا آنکھوں سے دیکھ لینا اور انگشت کے اشارہ سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دینا وقوع میں آگیا ہے تو ایسی حیرت اور پریشانی میں پڑ جائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے عروج پر ہنسنے کی نوبت ہی نہ آئیگی۔ غرض عجائب قدرت کو شب معراج اپنے مقام میں بیٹھے ہوئے دیکھنا نہ عقلاً ثابت ہوسکتا ہے، نہ نقلاً۔ اور اگر معجزہ کے طور پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو قرآن کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **سبحان الذی اسریٰ بعبدہ** اس سے تو صراحۃً حضرت کو لیجانا ثابت ہے پھر اگر لے جانا روحانی اور رؤیت جسمانی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت کی روح مبارک بیت المقدس بلکہ آسمانوں پر گئی اور جسمانی آنکھیں بغیر روح کے مکہ میں پڑی دیکھ رہی تھیں اور نیز اس تقدیر پر لفظ اسریٰ بے معنی ہوئے جاتا ہے وہاں تو توفی کے معنی پورے صادق آجاتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخری** جس کا مطلب یہ کہ نیند بھی ایک قسم کی وفات ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر چھوڑ دی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی کہ بغیر روح کے بھی آنکھوں کو ادراک ہو سکتا ہے جو اس معراج میں مقصود بالذات تھا کما قال تعالیٰ: **لنریہ من ایاتنا**۔

شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ آیۂ شریفہ **وما جعلنا الرؤیا** کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محققین، مفسرین و محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ

عنہما کا ترجمان القرآن ہونا مسلّم ہے اس لئے بہ نسبت اور تفسیروں کے ان کی تفسیر زیادہ تر قابل قبول ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سابق سے بھی یہی امر مستفاد ہے پھر وہ روایت بھی کوئی ضعیف نہیں بلکہ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں موجود ہے اور مرزا صاحب بھی بخاری و مسلم کی صحت اور قابل استدلال ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار باران کو پیش کرتا انتہی۔

غرض کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور بخاری شریف کی روایت دونوں مرزاصاحب کے مسلّمات سے ہیں اور ان سے معراج جسمانی ثابت ہوگئی۔ **وهو المقصود۔**

کفار نے آنحضرت ﷺ پر اسی قدر اعتراض کیا تھا کہ اگر آپ بیت المقدس جا کر آئے ہیں تو وہاں کی نشانیاں بتلایئے پھر جب نشانیاں بتلائی گئیں تو اور کوئی اعتراض ان کو نہ سوجھا سوائے اس کے کہ عناد کی راہ سے ساحر کہہ دیا۔ مگر مرزا صاحب چونکہ پڑھے ہوئے اور فہم و ذکاء میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں ضرورت سے زیادہ موشگافیاں کر کے ایسے اعتراضات قائم کئے کہ اب تک کسی کو سوجھے نہ تھے چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض واقع ہے کسی حدیث میں ہے کہ چھت کو کھول کر جبرئیل آئے اور میرے سینہ کو کھولا پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینے میں ڈالا گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالے کیا گیا اور کسی حدیث میں، میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان میں تھا اور تین فرشتے آئے اور ایک جانور بھی لایا گیا اور کسی میں براق کا کوئی ذکر

نہیں اور کسی میں ہے کہ میں حطیم میں تھا یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں ہے بعثت کے پہلے یہ واقعہ ہوا اور بغیر براق کے آسمان پر گئے اور آخر میں آنکھ کھل گئی اور ان پانچوں واقعوں میں لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور بعد میں تخفیف پانچ منظور کرائیں اور ترتیب رؤیت انبیاء میں بڑا اختلاف ہے انتہی ملخصاً۔

یہ جتنی باتیں مرزا صاحب نے لکھی ہیں بے شک بخاری کی احادیث میں موجود ہیں باوجود اس کے کسی مسلمان کا ذہن ان کے ابطال کی طرف منتقل نہ ہوا اور صحابہ کے زمانہ سے آج تک باوجود ان روایات متعارضہ کے وجود معراج پر اجماع ہی رہا اس لئے کہ جب یقینی طور پر کوئی چیز ثابت ہو جاتی ہے تو اس کے عوارض میں اختلاف ہونے سے اس یقین پر کوئی اثر پڑ نہیں سکتا مگر چونکہ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت ثابت کرنے کی غرض سے اس کے ابطال کی ضرورت ہے اس لئے جن امور میں اغماض ہو رہا تھا ان کو ظاہر کر دیا تا کہ ضعیف الایمان لوگوں کو اصل معراج ہی میں شک پڑ جائے بہت خیر گزری کہ مرزا صاحب احادیث ہی میں تعارض پیدا کرنے کے درپے ہوئے اور اگر قرآن کی طرف توجہ کرتے تو اس قسم کے بہت سارے اعتراض اس میں بھی پیدا کر دیتے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ دیکھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ کو فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف بھیجا کما قال تعالیٰ **ثم بعثنا من بعدهم موسٰى بأيٰتنا الى فرعون وملائه** اور کہیں فرماتا ہے کہ صرف قوم فرعون کی طرف بھیجا **کما قال تعالٰی واذ نادٰى ربک موسٰى ان ائت القوم الظالمين قوم فرعون** اور کہیں فرماتا ہے کہ انہیں کی قوم کی ہدایت کو بھیجا **کما قال تعالٰی ولقد ارسلنا موسٰى بأيٰتنا ان اخرج قومک من الظلمات الى النور.** کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا **کما قال تعالٰی فاتيا فرعون فقولا انا رسول رب العلمين۔**

اور کہیں فرماتا ہے صرف موسیٰ کو بھیجا **کما قال واذ نادی ربک موسیٰ ان ائت القوم الظّٰلمین.** کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ نے ساحروں سے ابتداء فرمایا کہ جوتم کو ڈالنا منظور ہو ڈال دو **کما قال تعالیٰ وقال لھم موسیٰ القوا ما انتم ملقون** اور کہیں فرماتا ہے کہ پہلے ساحروں نے اس بات میں تحریک کی **کما قال تعالیٰ قالوا یاموسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین**۔ کہیں فرماتا ہے کہ فرعون کی قوم کوڈبودیا **کما قال تعالیٰ ثم اغرقنا الاخرین.** اور کہیں فرماتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا **کما قال فاخذناہ وجنودہ فنبذناھم فی الیم**۔ اور اس کے نظائر قرآن میں بکثرت ہیں ہر چند یہ ظاہر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تعارض کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک) ممکن نہیں کہ اہل ایمان کے دل میں اس تعارض کا ذرا بھی اثر ہو یا اس کو تعارض سمجھیں۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ شارع کو واقعات بیان کرنے سے کہانی مقصود نہیں ہوتی کہ جب بیان کی جائے پوری بیان کی جائے بلکہ وہاں ہر بیان میں ایک مقصود خاص پیش نظر ہوا کرتا ہے پھر متعدد بیانوں سے پورا قصہ بھی معلوم ہوجاتا ہے۔

اب معراج کے قصہ میں غور کیجئے کہ جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو کیا اس کو ان امور میں جو اس میں مذکور ہیں کچھ تامل ہوگا یا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں متفرق امور مربوط ومرتب کئے جاتے ہیں یہاں ممکن نہیں۔ کیا یہ تصدیق ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے کسی مصلحت سے چھت کھول کر فرشتوں کو حضرت کے مکان میں اتارا ہو اور پھر چھت کو ملا دیا ہو جس میں ظاہراً ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اجسام کی خرق والتیام کو پہلے ہی سے حضرت کو مشاہدہ ہوجائے اور شق صدر کے وقت کسی قسم کا تردّد نہ ہو اور آسمانوں کے خرق والتیام کا

استبعاد بھی جاتا رہے۔ کیا یہ محال ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو گھر سے مسجد میں اس غرض سے لایا ہو کہ معراج اس متبرک مقام سے ہو اور تھوڑی دیر آپ کے آرام فرمانے کے بعد وقت مقررہ پر جبرئیل امین نے آپ کو جگایا ہو اور کیا جبرئیل علیہ السلام کو سونے کا طشت ملنا محال تھا یا محال سمجھا گیا کہ اتنا بوجھ اٹھا کر وہ یا ان کے ساتھ فرشتے آسمان پر کیسے چڑھ گئے اور یہ تو کسی حدیث میں نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت کو وہ طشت ہبہ کر دیا تھا پھر مرزا صاحب جو اس سونے کے طشت کی تلاش کرتے ہیں کہ جو بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا معلوم نہیں کس خیال پر مبنی ہے۔ جب طشت کا آسمان پر اٹھایا جانا مرزا صاحب کی سمجھ سے باہر ہے تو فی الواقع آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا ہرگز ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی خلاف عادت اور خلاف عقل باتوں پر ایمان لانا ہر کسی کا کام نہیں جب تک فضل الٰہی شامل حال نہ ہو ممکن نہیں کہ آدمی خدا اور رسول کے ارشادات پر ایمان لا سکے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **بل اللّٰه یمن علیکم ان هداکم للایمان ان کنتم صادقین** یعنی بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم دعویٰ اسلام میں سچے ہو۔ اگر آدمی کو ایمان لانا منظور ہو تو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو پیش نظر رکھ کر اور اپنے قصور فہم کا اعتراف کر کے ایمان لا سکتا ہے جیسے کروڑہا مسلمان باجود ان تمام مضامین مذکورہ کے جن کو مرزا صاحب اپنی کامیابی کا سامان سمجھ رہے ہیں ایمان لاتے رہے اور جب ایمان لانا منظور نہیں ہوتا تو مشاہدہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا چنانچہ کفار نے باوجودیکہ دیکھ لیا کہ حضرت نے ان کے تمام شبہات کے جواب دے دیئے مگر جب بھی ایمان نہ لائے۔

تقریر بالا میں اگر غور کیا جائے تو مرزا صاحب کے اکثر شبہات کے جواب ہو گئے۔ مثلاً بعض احادیث معراج میں براق کا نام چھوٹ گیا اور بعضوں میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پہلے آرام فرمانا اور بعضوں میں حطیم کا ذکر اور بعضوں میں جبرئیل امین علیہ السلام کا

حضرت کو جگانا ترک ہو گیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی ہر آیت میں بعض بعض امور فروگذاشت کیے گئے باوجود اس کے تعارض کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ بعض روایات میں جو وارد ہے کہ معراج قبل بعثت ہوئی ہو، خلاف واقع ہے بجائے قبل ہجرت قبل بعثت کہا گیا ہے جیسے متعدد احادیث سے اور اجماع سے ثابت ہے مگر اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی بعض تحقیقات سے مستفاد ہے کہ کبھی مؤخر چیز مقدم بھی کہی جاتی ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ **انی متوفیک ورافعک** میں تقدیم وتاخیر ممکن نہیں جس ترتیب سے حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہی واقعی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے رفع ہوا اور وفات بعد میں ہوگی وہ اپنے لئے خدا کی استادی کا منصب تجویز کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو ترتیب لفظی واؤ کے ساتھ ہوتی ہے مرزا صاحب کے نزدیک وہ واقع کے مطابق ہوتی ہے یعنی واؤ بھی ترتیب کیلئے ہے اس قاعدہ کی بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے تھے اور ان کے بعد ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام وجود میں آئے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **واوحینا الی ابراھیم و اسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وعیسٰی وایوب ویونس وھارون و سلیمان** جب بحسب تحقیق مرزا صاحب اس آیہ شریفہ میں اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے تھے اور ایوب وغیرہ بعد میں حالانکہ توراۃ و انجیل واحادیث وغیرہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بعدیت یقیناً ثابت ہے اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی نے اسی طرح معراج کو بعثت پر مقدم بیان کیا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام ایوب و یونس وہارون علیہم السلام پر مقدم بیان کئے گئے جس سے نہ کذب لازم آتا ہے، نہ خلاف واقع خبر دینے کا الزام۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام میں معراج ایک ایسا مشہور واقعہ ہے کہ ابتدا سے آج تک ہر کسی کے زبان زد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس واقعہ کی کیفیت طولانی ہو اور اس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوں تو بعض امور میں ضرور اختلاف پیدا ہو جاتا

ہے مگر اس اختلاف جزئی سے دراصل واقعہ کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ہر فریق اس واقعہ کے وجود پر گواہ سمجھا جائیگا۔ دیکھئے جو لوگ قائل ہیں کہ معراج قبل بعثت ہوا وہ بھی معراج کے ایسے ہی مثبت ہیں جیسے بعد بعثت کے قائلین۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ کسی نے تاریخ میں غلطی کی ہے جو اصل واقعہ سے خارج ہے پھر وہ غلطی بھی دوسرے قرائن سے نکل سکتی ہے جیسا کہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ بہت سی روایتوں اور اتفاق جمہور اور اجماع سے ثابت ہے کہ معراج بعد بعثت اور قبل ہجرت ہوا ہے اس لئے قبل بعثت کی روایت قابل تاویل ہے۔

اصل منشا اس قسم کے اختلافوں کا یہ ہے کہ اوائل اسلام میں ہر امر میں مقصود بالذات پیش نظر رہا کرتا اور اسی کا پورا پورا اہتمام ہوا کرتا تھا اور جن امور کو مقصود میں چنداں دخل نہیں ان کے یاد رکھنے میں بھی چنداں اہتمام نہ ہوتا اس بات کا ثبوت اس سے ہوسکتا ہے کہ فی زمانا ادنیٰ ادنیٰ شیوخ و مشائخین کی تواریخ وفات وغیرہ میں کس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ روز تو کیا وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف اس کے وہاں خود آنحضرت ﷺ کی وفات شریف میں اختلاف پڑا ہوا ہے کسی روایت میں دوسری ربیع الاول کی ہے اور کسی میں تیرہویں اور کسی میں چودہویں۔ اسی طرح بعثت کے وقت میں بھی بڑا ہی اختلاف ہے کسی روایت میں ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف برابر چالیس سال کی تھی کسی میں ہے کہ ایک روز زیادہ ہوا تھا اور کسی میں زیادتی دس روز کی اور کسی میں دو مہینے کی کسی میں تین برس کی اور کسی میں پانچ سال کی لکھی ہے اور سال ہجرت میں بھی بڑا اختلاف ہے بخاری میں ہے کہ نبوت سے تیرہ برس کے بعد ہجرت ہوئی اور مسلم میں پندرہ برس کے بعد اور مسند امام احمد اور نیز بخاری میں دس برس کے بعد جیسا کہ مواہب اللدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے۔

الحاصل واقعات کی تاریخ اس زمانہ میں چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اسی

وجہ سے صحابہ اور تابعین نے تاریخ معراج کی تحقیق میں کوشش نہ کی اور یہ سمجھ لیا کہ مقصود بالذات معراج ہے خواہ قبل بعثت ہو یا بعد بعثت، اس کا وقوع ضرور ہوا۔ مرزا صاحب کے جرحی سوالوں کے لحاظ سے ایک معراج ہی کیا نہ آنحضرت ﷺ کی وفات ثابت ہوگی، نہ ہجرت وغیرہ۔ سیرۃ حلبیہ میں امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چونتیس بار معراج ہوئی ایک حالت بیداری میں جسم کے ساتھ اور باقی روحانی۔ اور تفسیر روح البیان میں لکھا ہے **قال الشیخ الاکبر الاظهران معراجه** ﷺ **اربع وثلثون مرة واحدة بجسده والباقی بروحه** یعنی شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ معراج چونتیس بار ہوئی ایک بار بیداری کی حالت میں اور باقی روحانی۔ اس صورت میں جو معراج قبل بعثت ہوئی تھی اور جن معراجوں کا خواب میں ہونا معلوم ہوتا ہے وہ سب روحانی معراجوں میں داخل ہیں اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ قبل بعثت معراج ہونے کی حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲ میں ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں **انه جاءه ثلثة نفر قبل ان یوحٰی الیه وهو نائم فی المسجد**۔ اور اسی کے آخر میں **فاستیقظ وهو فی المسجد الحرام** موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسجد میں آرام فرماتے تھے اس وقت تین فرشتے خواب میں آئے اور سب واقعہ دیکھنے کے بعد حضرت بیدار ہو گئے اور یہ واقعہ قبل نزول وحی ہوا انتہی۔

اس حدیث کے سوا ان پانچوں حدیثوں میں جن کو مرزا صاحب نے ذکر کیا ہے اس صراحت سے کسی میں خواب مذکور نہیں البتہ صفحہ ۴۵۵ کی حدیث میں **بین النوم والیقظة** مذکور ہے مگر اس کے آخر میں **فاستیقظ** یا اس کا مترادف کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ حالت آخر تک مستمر رہی کیونکہ اس میں تو صرف ابتدائے حالت کا ذکر ہے کہ غنودگی تھی اور ظاہر ہے کہ بیدار مغز ادنیٰ حرکت سے چونک پڑتے ہیں یہاں مرزا صاحب

یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ خواب کی حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو بیداری میں معراج ہونے کی حدیثوں میں ہے اور اس میں بھی پچاس وقت کی نمازیں ابتداء فرض ہونا اور بعد کمی کے پانچ مقرر ہونا موجود ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ نمازیں دو وقت فرض ہوئیں مگر اس کا جواب ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ جب قبل بعثت نبوت ملی ہی نہ تھی تو اس کے لوازم اور کسی چیز کا فرض ہونا کیسا۔ وہ خواب تو صرف تمہیداً دکھایا گیا تھا کہ آئندہ ایسی خصوصیات اور وہ وہ فضائل حاصل ہونیوالے ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئے جس کے دیکھنے سے آنحضرت ﷺ کو ایک خاص توقع اور اشتیاق پیدا ہوگیا اور یہ تو کتب تاریخ سے بھی واضح ہے کہ سلاطین وغیرہم جن کو غیر معمولی مدارج حاصل ہونے والے ہوتے ہیں ان کو عالم رؤیا میں اکثر اطلاع ہو جاتی ہے چنانچہ اس قسم کے خواب رسالہ ''عجیب وغریب خواب'' میں بہت سے مذکور ہیں اور اس خواب سے بہت بڑا نفع یہ بھی ہوا کہ جب بیداری میں حضرت تشریف لے گئے تو کسی مقام سے اجنبیت اور ناآشنائی نہ رہی جو باعث توحش ہو۔ پھر خواب فقط معراج ہی کے پہلے نہیں بلکہ ہجرت وغیرہ کے پہلے بھی ہوا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے **عن ابی موسٰی عن النبی** ﷺ **رأیت فی المنام انی ھاجر من مکۃ الی ارض بھا نخل فذھب وھلی لی انھا الیمامۃ اوھجر فاذا ھی المدینۃ یثرب** (متفق علیہ) یعنی نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے اس طرف جارہا ہوں جہاں نخلستان ہے اس وقت میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا پھر یکایک جو دیکھا تو وہ مدینہ یثرب تھا۔ مقصود یہ کہ ہجرت کا واقعہ قبل ہجرت معلوم کرایا گیا اور مقام ہجرت بھی دکھلایا گیا مگر چونکہ حضرت نے پیشتر مدینہ طیبہ کو غالباً دیکھا نہ تھا اور یمامہ اور ہجر کا نخلستان مشہور تھا اس سبب سے خیال ان شہروں کی طرف منتقل ہوا مگر ساتھ ہی معلوم ہوگیا کہ وہ مدینہ ہے۔

الحاصل جس طرح ہجرت سے پہلے ہجرت خواب میں ہوئی اسی طرح معراج سے پہلے معراج خواب میں ہوئی۔ اب اہل اسلام اس بات پر بھی غور کر لیں کہ کیا اس حدیث ہجرت میں کوئی ایسی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی غلطی پکڑی جائے مگر چونکہ مرزا صاحب اسی فکر اور تلاش میں رہتے ہیں کہ حضرت کی غلطیاں پکڑیں ان کو یہاں اتنا موقع مل گیا کہ حضرت نے **ذهب وهلی** فرمایا جس کے معنی وہم وخلاف واقع ہیں پھر کیا تھا جھٹ سے غلطی ثابت ہی کر دی چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۶۸۹ میں لکھتے ہیں وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں **فذهب وهلی الی انه الیمامة او هجر فاذا هی المدینة یثرب** صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا انتہی۔

غور کیجئے کہ حضرت نے کب پیشگوئی کا دعویٰ کیا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر یمامہ ہجر جاؤنگا۔ بلکہ وہ تو بر سبیل حکایت فرمایا کہ خواب میں نخلستان دیکھ کر ہجر کا خیال تو ہوا تھا مگر اسی وقت وہ مدینہ ثابت ہوا جو **فاذا هی المدینة** سے ظاہر ہے اس سے تو کمال درجے کا صدق ثابت ہو رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس خیال کو جو خواب میں پیدا ہوا تھا خواب ہی میں فوراً بدل دیا تاکہ وہ خواب اگر پیشگوئی کے لباس میں سمجھا جائے تو بھی اس غلطی کا احتمال باقی نہ رہے مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو حضرت سرور دو عالم ﷺ کی غلطی پکڑنے کی خوشی میں اپنی غلط فہمی پر نظر نہ پڑی اور مصرعہ

ع "عیب نماید ہنرش در نظر"

کا مضمون صادق کر بتایا۔ یہ ضمنی بحث تھی کلام اس میں یہ تھا کہ قبل وقوع واقعہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں اطلاع ہو جاتی تھی اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے **عن عائشة** رضی اللہ عنہا **قالت اول ما بدئ به رسول الله** ﷺ **من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم**

وكان لا يرى رؤيا الا جاءته مثل فلق الصبح (رواه البخاری) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابتداء وحی کی رؤیائے صالحہ سے ہوئی جو کچھ حضرت خواب میں دیکھتے اس کا ظہور روشن طور پر ہوتا جس میں کوئی اشتباہ نہ رہتا چنانچہ معراج کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جو واقعات خواب میں دیکھے تھے بلاکم وکاست بیداری میں بھی ملاحظہ فرمالیا۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مقامات انبیاء میں بڑا ہی اختلاف ہے اس کا جواب تقریر بالا سے واضح ہے کہ نفس معراج میں ان امور کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ کل روایات مثبت معراج ہیں البتہ اس اختلاف کا اثر نفس مقامات پر پڑیگا جس سے یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ کس نبی کا کون سا مقام ہے اور وہ کوئی ضروری بات بھی نہیں اسی وجہ سے راویوں نے اس کے یادرکھنے میں اہتمام نہ کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقامات انبیاء کا مسئلہ منجملہ اسرار اور ایک لایدرک بھید ہے اسی وجہ سے بعض متکلمین نے اس میں کلام کرنے کو مناسب نہیں سمجھا جیسا کہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''الیواقیت والجواہر'' میں لکھا ہے کہ معراج کے کئی فوائد ہیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جسم کو آن واحد میں دو مکانوں میں دیکھ لیا چنانچہ حضرت ﷺ جب پہلے آسمان پر گئے آدم علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے داہنے طرف ان کی نیک بخت جنتی اولاد ہے اور بائیں طرف بدبخت دوزخی ہیں حضرت نے اپنی صورت نیک بخت جماعت میں دیکھ کر شکر کیا اور نیز موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر انہی کو دیکھا کہ آسمان پر بھی موجود ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کی روح کو دیکھا انتہی ملخصاً۔

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اختلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات میں وارد ہے وہ راویوں کی غلطی نہ تھی بلکہ فی الواقع متعدد مقامات ہی میں دیکھے گئے تھے اور یہ

کوئی مستبعد بات نہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مستقل رسالہ جس کا نام "**المتجلی فی تطور الولی**" ہے صرف اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ آن واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہوسکتے ہیں اور سبب تالیف یہ لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر طحطوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک شب کسی شخص کے مکان میں رہے اس نے ایک مجلس میں شیخ کی شب باشی کا ذکر کیا مجلس سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ تو تمام رات میرے گھر میں تھے ان دونوں میں رد و قدح کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ایک نے قسم کھائی کہ اگر وہ بزرگ میرے گھر پر رات بھر نہ رہے ہوں تو میری زوجہ پر طلاق ہے۔ جب شیخ سے پوچھا گیا تو انہوں نے دونوں کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر چار شخص کہیں کہ میں ان کے ساتھ مختلف مقامات میں وقت واحد میں رہا جب بھی تصدیق کرلو۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ کسی کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی اور کئی وقائع اور متقدمین علماء کے فتوے استدلال میں پیش کیے جن سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت دی جاتی ہے کہ جب چاہیں وقت واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہوسکیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ جب کفار نے بطور امتحان مسجد کی نشانیاں حضرت سے پوچھیں تو مسجد وہاں موجود ہوگئی جس کو دیکھ کر حضرت ان کے جواب دیتے گئے **کما ذکروا قال رسول اللہ ﷺ فذھبت انعت فمازلت حتی التبس علی بعض النعت فجیء بالمسجد وانا انظر الیہ حتی وضع دون دار عقیل او عقال**. یہ حدیث پوری اوپر مذکور ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بھی اسی قسم کی بات ہے کیونکہ اصل مسجد اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی اور یہاں بھی موجود تھی جس کو حضرت ان الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں **فجیء بالمسجد حتی وضع دون دار عقیل** اور تفسیر روح البیان میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ

محمد خضری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی روز پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ پڑھا اور امامت کی۔ روض الریاحین اور کتب طبقات اولیاء اللہ سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ پر اولیاء اللہ کا اجماع ہے۔

غور کیا جائے کہ جب اولیاء اللہ کو اس عالم کثیف میں یہ قدرت حاصل ہو کہ وقت واحد میں متعدد جگہ موجود ہو سکتے ہیں اور مسجد دو جگہ آن واحد میں موجود ہو گئی تو انبیاء علیہم السلام کو اس عالم لطیف میں وہ قدرت حاصل ہونا کون سی بڑی بات ہے؟ غرض کہ انبیاء علیہم السلام کا مختلف مقامات میں حضرت سے ملنا گو بظاہر تعارض کی شکل میں نمایاں ہے لیکن واقع میں وہ تعارض نہیں البتہ متوسط عقول اس کے سمجھنے میں قاصر ہیں مگر غنیمت یہ ہے کہ مرزا صاحب اس قسم کے اسرار کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۴۰ میں لکھتے ہیں کہ در حقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک **لا یدرک** بھید کے طور پر ہے جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی...... روحیں بن گئی ہیں کلمات اللہ ہی بحکم ربی لباس ارواح کا پہن لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں...... پھر وہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں انتہی۔

کلمات کا ارواح بن جانا نہ کہیں قرآن میں ہے، نہ حدیث میں باوجود اس کے جب وہ **لا یدرک** بھید قابل تصدیق ہے تو ارواح کا متعدد مقامات میں ہونا جو صراحۃً احادیث سے ثابت ہے **لا یدرک** بھید قابل تصدیق کیوں نہ ہو اور جب کسی جسم کا متعدد مقامات میں آن واحد میں ہونا احادیث صحیحہ اور اجماع اولیاء اللہ سے مستبعد نہ ہو تو ارواح مقدسہ کا متعدد مقامات میں پایا جانا کیوں مستبعد ہو۔ الحاصل بعض انبیاء کی ارواح کا متعدد

آسمانوں میں پایا جانا جو احادیث میں وارد ہے ایسی بات نہیں کہ اس کی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے بخاری شریف بے اعتبار کردی جائے یا معراج ہی کا انکار کردیا جائے اگر قصور فہم کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو قرآن شریف کا ایک معتد بہ حصہ (نعوذ باللہ) بیکار اور بے اعتبار ہوئے جاتا ہے۔ ایک تخت بلقیس ہی کا واقعہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر حیرت انگیز ہے ایک بڑا شاندار تخت شاہی صدہا کوس کے فاصلہ سے ایک لمحہ میں صحیح سالم سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ جانا کیا معمولی عقلوں میں آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفائے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ جس قدر مسافت مکہ معظمہ سے بیت المقدس کی ہے اس سے زیادہ مسافت کو اس تخت نے طرفۃ العین میں طے کیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی** ترجمہ: ایک شخص جس کو کتابی علم تھا بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ کے حضور میں لا حاضر کرتا ہوں انتہی۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی مسلمان اس تخت کی غیر معمولی سرعت سیر میں کلام کر سکے۔ پھر حبیب رب العالمین ﷺ کی سرعت سیر وغیرہ میں کلام کرنا کیسی بات ہے۔ ایماندار سے تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۸۹ میں لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ کے رفع جسمی کے بارے میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی انتہی۔ اس تقریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے دوسری یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر تھیں۔ کتب رجال وغیرہ سے ثابت ہے کہ صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ لفظ

تقریباً کے لحاظ سے اگر زیادتی حذف کی جائے تو بھی بقول مرزا صاحب ثابت ہے کہ لاکھ صحابہ معراج جسمانی کا اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس بات پر لاکھ صحابہ کا اعتقاد ہوا اسلام میں وہ کس قدر قابل وقعت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ فرقہ ناجیہ وہی ہے کہ ان کا اعتقاد صحابہ کے اعتقاد کے موافق ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے **عن ابن عمر** رضی اللہ عنہما **قال قال رسول اللّٰہ ﷺ وتفترق امتی علٰی ثلٰث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللّٰہ قال ما انا علیہ واصحابی** (متفق علیہ) اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہے **کما فی کنز العمال عن ابی داؤد قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من فارق الجماعۃ شبرا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ.** جب عموماً جماعت سے مخالفت کرنے والے کا یہ حال ہو تو لاکھ صحابہ کی جماعت کے مخالفت کرنے والے کا کیا حال ہوا اور آیہ شریفہ **ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہٖ ماتولّٰی** الآیۃ سے اس کی وعید ثابت ہے۔

اب رہا یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے منکر ہیں سو وہ بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ ابھی بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ شب معراج بیت المقدس جا کر تشریف لائے اور وہ واقعہ بیان فرمایا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور کفار نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کیا اس کی بھی تصدیق کرو گے اور انہوں نے تصدیق کی اسی روز سے آپ کا نام صدیق قرار پایا۔

ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ واقعہ اب کا ہوتا تو ضرور فرماتی کہ ان بے وقوفوں نے جو مرتد ہو گئے اتنا بھی نہ سمجھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے جو عادۃً ایسے خلاف عقل خواب ہر شخص کو ہوا کرتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کفار کا عار دلانا

کس قدر بے ہودگی اور حماقت تھی۔ پھر صرف خواب کی تصدیق پر لقب صدیق حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملنا کیسا بدنما تھا (نعوذ باللہ من ذٰلک) عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ کو بغیر تصریح خواب کے بیان کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ عالم بیداری میں تھا جس پر یہ آثار مرتب ہوئے پھر جوان سے یہ روایت ہے **واخرج ابن اسحق وابن جریر عن عائشة** رضی اللہ عنہا **قالت ما فقدت جسد رسول اللہ** ﷺ **ولکن اللہ اسری بروحه** یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ معراج حضرت ﷺ کی روح کو ہوئی اور جسم مبارک میرے پاس سے غائب نہ ہوا۔ کیونکر صحیح ہوگی۔ اول تو یہ روایت صحاح میں نہیں پھر اس میں اختلاف ہے کہ بعض **ما فقدت** کہتے ہیں اور بعض **مافقد** جیسا کہ شہاب خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

اور شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحٰق ہیں جن کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن دحیہ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کی غرض سے بنالیا ہے انتہی۔

قطع نظر اس کے **مافقدت** کی روایت تو کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اس زمانہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہی ہوا نہ تھا پھر ان کا یہ کہنا کہ حضرت میرے پاس سے مفقود نہ ہوئے کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ اور نہ وہ زمانہ ان کے سن شعور کا تھا اس لئے کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ڈیڑھ سال بعد ہوا اور بعض پانچ سال کے بعد اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشتر کہتے ہیں اگر اخیر کا قول بھی لیا جائے تو اس وقت ان کی عمر سات سال کی ہوگی کیونکہ بروایات صحیحہ

ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیق مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی اور دوسرے قول پر معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال ولادت ہے اس لئے کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ سال کے بعد ہوئی اور جب ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ (۸) سال کی تھی تو پانچواں سال جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے ان کی ولادت کا زمانہ ثابت ہوگا اور پہلے قول پر تو معراج ان کی ولادت باسعادت سے تخمیناً تین سال پیشتر ہو چکا تھا اور یہی قول درایۃً وروایۃً قابل وثوق معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں اور جمیع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمان بعثت سے نماز کی فرض ہونے کا زمانہ بہت ہی قریب ہوگا اور اس قول کی پوری تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو درمنثور میں ہے **واخرج الطبرانی عن عائشة** رضی اللہ عنہا **قالت قال رسول اللہ** ﷺ **لما اسری بی الی السماء ادخلت الجنة فوقعت علی شجرة من اشجار الجنة لم ارفی الجنة احسن منها ولا ابیض ورقا ولا اطیب ثمرة فتناولت ثمرة من ثمرتها فاکلتها فصارت نطفة فی صلبی فلما هبطت الی الارض واقعت خدیجة** رضی اللہ عنہا **فحملت بفاطمة** رضی اللہ عنہا **فاذا انا اشتقت الی ریح الجنة شممت ریح فاطمة.** یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جب میں شب معراج آسمان پر گیا تو مجھے جنت میں لے گئے وہاں ایک جھاڑ دیکھا جس کے پتے نہایت سفید اور پھل نہایت پاکیزہ تھے اس سے بہتر کوئی جھاڑ نظر نہ آیا میں نے اس کا ایک پھل لے کر کھایا جس سے نطفہ میری پشت میں بنا جب زمین پر آیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حمل قرار پایا اب جب کبھی مجھے جنت کی بوسونگھنے کا شوق ہوتا ہے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بوسونگھ لیتا

ہوں انتہی ۔

دیکھئے معراج کا بعثت سے دوسرے سال ہونا اس روایت سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مواہب اللدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فاطمۃ الزہرا علیہا وعلی ابیہا الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف اکتالیس سال کی تھی چونکہ عرب کی عادت ہے کہ سال پر جو مہینے زیادہ ہوتے ہیں اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے جائز ہے کہ بعثت کے دوسرے سال کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی ہو اور معراج اسی سال کے نصف اول میں ہوئی ہو جس سے مدت حمل دونوں کے مابین میں پوری ہو جاتی ہے۔ الحاصل اس روایت کے لحاظ سے تاریخ معراج کے تین قولوں میں یہی قول مناسب تر ثابت ہوتا ہے ورنہ دوسرے اقوال پر یہ روایت بے ضرورت خلاف واقع ٹھہرتی ہے۔ اب دیکھئے کہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی یہ حدیث روایت **مافقدت جسد رسول اللہ ﷺ** کو غیر صحیح ثابت کر رہی ہے اور لطف خاص یہ ہے کہ روایت تناول میوہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے اور نیز یہ بات اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معراج جسمانی کی قائل تھیں اس لئے کہ عقلاً اور عادتاً محال ہے کہ کوئی چیز خواب میں کھائی جائے اور اس سے نطفہ بنے۔ اگر کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت میں وہ محال نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ اس حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضرت نے بیداری میں جنت کا پھل تناول فرمایا جو نطفہ بن گیا دوسرا خواب میں اس کا تناول فرمانا۔ مگر احتمال اول صرف احتمال ہی نہیں بلکہ الفاظ وعبارت اسی پر دال ہیں اور قرینہ بھی اسی کا شاہد ہے اور دوسرا احتمال نہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے، نہ کوئی اس پر لفظی قرینہ ہے بلکہ صرف اس خیال سے پیدا کیا جاتا ہے کہ معراج جسمانی عادۃً جائز نہیں حالانکہ عقلاً اس کا جواز اور قرآن وحدیث واجماع صحابہ سے اس کا وقوع ثابت ہے اس صورت میں وہ معنی جو

عبارت النص اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں چھوڑ کر ایک ضعیف مردود احتمال پیدا کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اب رہا یہ کہ قدرت الٰہی سے خواب میں کھایا ہوا پھل نطفہ بن جانا، سو ہمیں بھی اس قدرت میں کلام نہیں مگر جیسی یہ قدرت ہے ویسا ہی بیداری میں جسمانی معراج کرانا بھی قدرت الٰہی میں داخل ہے پھر ایک قدرت کا ماننا اور دوسری کو نہ مان کر قرآن واحادیث واجماع صحابہ وغیرہم کا انکار کرنا کس قسم کی بات ہے۔ الحاصل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت مرفوع سے بھی **مافقدت جسدہ** والی حدیث موقوف غیر صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اب غور کیا جائے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا خود یہ حدیثیں روایت کر رہی ہیں کہ حضرت رات بھر میں بیت المقدس جا کر تشریف لائے جس کو سن کر بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور صدیقیت کا لقب اسی کی تصدیق سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا اور اپنی ولادت سے پیشتر جسمانی معراج ہوئی تو کیونکر خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے انہوں نے یہ بھی کہا ہوگا کہ شب معراج حضرت کا جسم مبارک اپنے پاس سے غائب نہ ہوا یا روحانی معراج تھی غرض ان متعدد قرائن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب تصریح علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث **ما فقد جسمه** ﷺ موضوع ہے۔

اصل منشا اس حدیث کے بنانے کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا انہوں نے کہا کہ تمہارے اس سوال سے میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اگر یہ بات کوئی تم سے کہے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ **لا تدركه الابصار** اس پر کسی نے خیال کیا ہوگا کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ رؤیت آنحضرت ﷺ کو شب معراج ہوئی ہے اس قرینے سے ان کو یہ حدیث بنانے کا موقع ہاتھ آ گیا جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ احادیث میں تعارض پیدا کر دیں ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ رؤیت قلبی معراج

جسمانی کے منافی نہیں جیسا کہ شفاء، قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ بعض اصحاب اشارات کا قول ہے کہ معراج تو جسمانی تھا مگر اس لحاظ سے کہ کہیں محسوسات اور عجائب کی طرف دل مائل نہ ہو حضرت نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسی حالت میں دیدار الٰہی ہوا۔

بحث معراج میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کئی امور مقصود بالذات تھے ایک اظہار معجزہ جس سے کفار کو الزام دینا مقصود تھا چنانچہ اس کا ظہور یوں ہوا کہ سب جانتے تھے کہ حضرت بیت المقدس کبھی گئے نہ تھے مگر جو نشانیاں اس کی وہ پوچھتے گئے حضرت نے پوری پوری بتلا دیں جس سے وہ قائل ہو گئے۔

دوسرا مسلمانوں کا امتحان **کما قال تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس** چنانچہ اس واقعہ سے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

تیسرا قدرت کی نشانیاں دکھلانا جیسا کہ ارشاد ہے **لنریہ من ایاتنا وقولہ تعالیٰ لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ۔**

چوتھا تقرب اور دنوئے بلا کیف سے ایک خاص غیر معمولی طور پر حضرت کو مشرف کرنا جیسا کہ ارشاد ہے **ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ.** اس واقعہ میں معجزہ کی حیثیت صرف بیت المقدس تک جا کر آنے میں ختم ہو جاتی ہے کیونکہ آسمانوں کے وقائع بیان کرنے سے کفار پر کوئی الزام قائم نہیں ہوتا اسی وجہ سے جن احادیث میں ذکر ہے کہ کفار کے روبرو حضرت نے اسریٰ کا حال بیان کیا ان میں صرف بیت المقدس اور اس کے رستہ ہی کے وقائع مذکور ہیں اور قرآن شریف میں بھی صراحۃً اسی کا ذکر ہے اگر کفار سے کہا جاتا کہ آسمانوں پر گئے اور انبیائے کرام سے ملاقات کی اور جنت و دوزخ وغیرہ دیکھے تو کوئی حجت قائم نہ ہوتی جیسے بیت المقدس کی نشانیاں دیکھی ہوئی بیان کرنے میں حجت قائم ہو گئی اور ان کو نادم ہونا پڑا۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر جانا گو اعلیٰ درجہ کا معجزہ ہے لیکن

اس میں تحدی اور کسی کو الزام دینا مقصود نہیں بلکہ وہ منجملہ ان فضائل وخصوصیات کے ہے جو حق تعالی نے اپنے حبیب کریم ﷺ کے واسطے خاص کی تھیں درحقیقت وہ ایک راز کی بات تھی جس کے سننے کے مستحق وہی ہوا خواہ تھے جو اپنے ولی نعمت کی ترقی مدارج اور فضائل سن کر خوش ہوا کرتے تھے پھر وہاں کی باتیں سب ایسی نہ تھیں کہ ہر شخص کی عقل ان کو قبول کر سکے اور حضرت ہر شخص کی طبیعت اور حالت سے خوب واقف اور حکیم تھے اس لئے بمقتضائے حکمت ہر ایک کو علی قدر مراتب عقول ان اسرار پر مطلع فرمایا اسی وجہ سے رؤیت کے مسئلہ میں بہت اختلاف ہے بعضے رؤیت عینی کے قائل ہیں اور بہت سے رؤیت قلبی کے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں ترمذی سے نقل کیا ہے۔ **روی عبداللہ بن الحارث قال اجتمع ابن عباس** رضی اللہ عنہما **وکعب** رضی اللہ عنہ **فقال ابن عباس اما نحن بنو هاشم فنقول ان محمداً اری ربه فکبر کعب حتی جاوبة الجبال وقال ان الله قسم رؤیته وکلامه بین محمد** ﷺ **و موسی وراه محمد بقلبه** انتہی۔

وقال ابن عباس فیما روی الحاکم والنسائی والطبرانی ان الله اختص موسی بالکلام وابراهیم بالخلة و محمداً ﷺ **بالرؤیة وعن ابن عباس انه راه بعینه هذا کله فی الشفاء و شرحه للخفاجی** رحمۃ اللہ علیہ۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کچھ بھی کہیں ہم بنی ہاشم تو یہی کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ حضرت کی خصوصیت تھی جو کسی نبی کو حاصل نہ ہوئی۔ اب دیکھئے بنی ہاشم خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بظاہر **لاتدرکه الابصار** کے معارض ہے پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حضرت کی قرابت یا محبت کی وجہ سے اس نص قطعی کے مخالف یہ رائے قائم کئے

ہوئے ہوں گے؟ ہر گز نہیں۔ ان حضرات نے ضرور آنحضرت ﷺ سے وہ سنا ہوگا اگر یہ حسن ظن نہ کیا جائے تو بہت بڑا الزام تفسیر بالرائے کا ان کے ذمہ عائد ہوگا اور اس حسن ظن پر یہ قرینہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا کہ علاوہ کامل الایمان ہونے کے بمقتضائے قرابت اور فرط محبت خصوصیات وفضائل کاملہ اپنے سن کر سب سے زیادہ خوش ہونے والے یہی لوگ ہیں اس لئے ان کو اس قابل سمجھا کہ اس راز پر مطلع کئے جائیں اور حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں بطور راز حضرت کی تصدیق فرمادی تا کہ ان راز دانوں کا ایمان اور مستحکم ہوجائے **کما قال تعالیٰ والنجم اذا ھویٰo ما ضل صاحبکم وما غویٰo وما ینطق عن الھویٰo ان ھو الا وحی یوحیٰo علمه شدید القویٰo ذومرة فاستویٰo وھو بالافق الاعلیٰo ثم دنا فتدلّٰیo فکان قاب قوسین او ادنیٰo فاوحیٰ الیٰ عبده ما اوحیٰo ماکذب الفؤاد ما رایٰo افتمٰرونه علیٰ ما یریٰo ولقد راٰه نزلة اخریٰo** ترجمہ: قسم ہے تارے کی جب گرے بہکے نہیں تمہارے رفیق یعنی محمد ﷺ اور بے راہ نہیں چلے اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے یہ تو حکم ہے جو پہنچاتے ہیں سکھایا ان کو سخت قوتوں والے زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا کنارہ بلند پر پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا پھر رہ گیا فرق دو کمان کے برابر پھر جو پیغام اپنے بندے کی طرف بھیجنا تھا بھیجا ان کے دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا اب کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو انہوں نے دیکھا ہے اس کو ایک دوسری بار انتہی۔

دیکھئے اس آیہ شریفہ میں ضمائر وغیرہ کیسے پہلو دار ہیں جن سے موافق مخالف دونوں استدلال کرسکیں اسی وجہ سے **دنا فتدلّٰی** اور **ولقد راٰه** کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ تفسیر کرتے ہیں کہ محمد ﷺ اپنے رب سے قریب ہوئے اور اپنے رب کو دیکھا **کما فی الدر المنثور للامام السیوطی** رحمۃ اللہ علیہ **واخرج ابن**

ابی حاتم والطبرانی وابن مردویة عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ ثم دنا فتدلّٰی قال ھو محمد ﷺ دنا فتدلّٰی الٰی ربہ عزوجل۔ اور نیز درمنثور میں ہے واخرج الترمذی وحسنہ الطبرانی وابن مردویة والبیھقی فی الاسماء والصفات عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قول اللّٰہ ولقد راٰہ نزلة اخرٰی قال ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رای النبی ﷺ ربہ عزوجل۔ غرض کہ اختلاف آثار و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسے امور میں ہر ایک کے فہم اور حوصلہ کے مطابق کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ بعثنا معاشر الانبیاء نخاطب الناس علی قدر عقولھم۔ (ذکرہ الامام السخاوی رحمۃ اللہ علیہ فی المقاصد الحسنہ مع نظائرہ)

اس میں شک نہیں کہ تمام صحابہ کامل الایمان تھے مگر پھر بھی اس کو ماننا پڑے گا کہ جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوصیت تھی وہ عموماً دوسروں کو نہ تھی اسی طرح جو اہل بیت اور بنی ہاشم کو خصوصیت تھی وہ بنی امیہ کو حاصل نہ تھی دیکھ لیجئے تقریباً تمام صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی بات پر رہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا جیسا کہ شفاء میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ﷺ نے ان حضرات سے یہ بیان ہی نہیں کیا تھا ورنہ ممکن نہیں کہ حضرت سے سن کر بھی اس کے خلاف اعتقاد رکھتے۔ غرض وہ راز چند بنی ہاشم میں رہا پھر انہوں نے بحسب صلاحیت اپنے ہم مشربوں سے کہا یہاں تک شدہ شدہ خاص خاص مجلسوں میں اس کا ذکر ہونے لگا پھر بمصداق نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ وہ راز طشت از بام ہوگیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض علماء نے تصریح کر دی کہ وہی مذہب صحیح ہے چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے وفی کشف الاسرار قال بعضھم راٰہ بقلبہ دون عینہ وھذا خلاف السنة والمذھب

الصحیح انه علیه السلام رای ربه بعین راسه انتہی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کما فی الشفاء للقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وحکی النقاش عن احمد بن حنبل انه قال اقول بحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بعینه رای ربه راٰہ راٰہ حتٰی انقطع نفسه یعنی نفس احمد۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رای ربه کہہ کر لفظ راٰہ کو اتنی دیر تک مکرر کرتے رہے جب تک سانس نے یاری دی۔ یہ بات وجدان سے دریافت کرنے کے قابل ہے کہ لفظ راٰہ کی تکرار کے وقت اس امام جلیل القدر پر کیسی حالت وجد طاری تھی کہ اس بے خودانہ غیر معمولی حرکت صادر ہونے پر مجبور تھے۔ یا یہ بات تھی کہ کمال غضب سے دیر تک اس لفظ کو مکرر کیا تا کہ مخالفوں پر ہیبت طاری ہو اور کوئی دم نہ مار سکے اور ان کے پہلے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا چنانچہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں لکھا ہے اخبرنا عباد بن یعنی بن منصور قال سالت عکرمة رضی اللہ عنہ عن قوله ما کذب الفؤاد مارای قال اترید ان اقول لک قد راٰہ نعم قد راٰہ ثم قد راٰہ ثم قد راٰہ حتٰی انقطع النفس۔ اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے فقد کان الحسن علیه الرحمة یحلف باللّٰہ تعالٰی لقد رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه۔ یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ حضرت نے اپنے رب کو دیکھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب جو روایت کے باب میں بنی ہاشم کے خلاف ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی مصلحت سے نہ فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمایا ہو مگر انہوں نے عقول کی رعایت سے بیان نہ کیا ہو کیونکہ ایسے امور کے بیان کرنے میں احتیاط کرنے کا حکم ہے جیسا کہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تحدثوا

امتی من احادیثی الا ما یحتمله عقولهم فیکون فتنة علیهم فکان ابن عباس رضی اللہ عنہما **یخفی اشیاء من حدیثه ویفشینها الٰی اهل العلم**۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری حدیثوں میں سے وہی حدیثیں میری امت سے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں تحمل کرسکیں اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما بہت سی حدیثیں عام لوگوں سے چھپاتے اور اہل علم پر ظاہر کرتے تھے انتہی۔

یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اکثر اقوال تفاسیر میں باہم متعارض وارد ہیں چنانچہ اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ رؤیت قلبی کی بھی ان سے وارد ہے جیسا کہ درمنثور میں ہے **واخرج مسلم واحمد عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قوله ما کذب الفؤاد ما رای ولقد راٰہ نزلة اخرٰی قال راٰی محمد ربه بقلبه مرّتین** یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ رؤیت قلبی اور رؤیت عینی ایک نہیں تو ایک قول ضرور واقع کے خلاف ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رؤیت الٰہی کی حقیقت عقول سے خارج ہے اس لئے ممکن نہیں کہ رؤیت ایسی ہو جیسے ہم اجسام کو دیکھتے ہیں۔ جائز ہے کہ وہاں رؤیت عینی، رؤیت قلبی کے مقارن ہو اور دونوں صادق آجائیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے **قال** علیہ السلام **رایت ربی بعینی وبقلبی** (رواہ مسلم فی صحیحہ) اور اسی میں لکھا ہے۔

کلام سرمدی بے نقل بشنید — خداوند جہاں را بے جہت دید
دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود — دلش در چشم و چشمش در دلش بود

اور یہ بھی لکھا ہے شیخ ابوالحسین نوری راقدس سرہ از معنی این آیہ یعنی **افتمارونه علٰی ما یرٰی** پرسیدند جواب داد جائیکہ جبرئیل نگنجد نوری کیست کہ ازاں سخن تواند گفت۔

خیمہ بروں زوز حدود جہات — پردہ او شد تتق نور ذات
تیرگی ہستی ازو دور گشت — پردگی پردۂ آں نور گشت

کیست کزاں پردہ شود پردہ ساز　　　زمزمۂ گوید ازاں پردہ باز

الغرض اخفائے راز کے مقام میں رؤیت قلبی کہہ دیا تا کہ عقول متحمل ہوسکیں اور وہ بھی خلاف واقعہ نہیں۔ رؤیت کی تقریر ایک مناسبت سے ضمناً لکھی گئی اصل کلام اس میں تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کی منکر ہیں یا نہیں؟ سو یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کو اس کا اقرار ہے اور جو انکار ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بے اصل اور موضوع روایت ہے۔ پھر جو مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ تھی، قابل تسلیم نہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام صفحہ ۴۸ میں لکھتے ہیں کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ واجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے انتہی۔

افسوس ہے مرزا صاحب نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کی کچھ قدر نہ کی اور اپنے جیسا کثیف سمجھا حالانکہ وہ جسم لطیف درحقیقت نور محض تھا۔ چنانچہ شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیہ شریفہ **اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض مثل نورہ** میں نور ثانی سے مراد محمد مصطفی ﷺ کی ذات پاک ہے اور اسی میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ حضرت کو نور اور سراج فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **قد جاء کم من اللّٰہ نور و کتاب** وقولہ تعالیٰ: **یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا و مبشرا ونذیرا و داعیا الی اللّٰہ باذنہ وسراجا منیرا۔**

اور اس کی تصدیق اس سے کھلے طور پر ہوتی ہے کہ حضرت دھوپ یا چاندنی میں

نکلتے تو آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے **اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع من خصائصہ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا اذا مشی فی الشمس اوالقمر لا ینظر لہ ظل قال بعضھم ویشھد لہ حدیث قولہ ﷺ فی دعائہ (واجعلنی نورا)** یعنی نبی کریم ﷺ کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں نہیں پڑتا تھا اس لئے کہ آپ نور تھے اور یہ اثر اس دعا کا بھی تھا جو حضرت ﷺ کیا کرتے تھے۔ **واجعلنی نورا۔**

مرزا صاحب مسئلہ معراج میں بوعلی سینا کے مقلد ہیں کیونکہ ''دبستان مذاہب'' میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث معراج میں جبرئیل کا جو ذکر ہے اس سے قوت روح قدسی مراد ہے اور براق سے عقل ہے اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ میرے پیچھے ایک شخص چلا آرہا تھا اس نے آواز دی کہ ٹھہرو اور جبرئیل نے کہا کہ اس سے بات نہ کیجئے اور چلے چلئے اس سے یہ اشارہ ہے کہ قوت وہم پیچھے آرہی تھی جب حضرت اعضاء و جوارح کے مطالعہ سے فارغ ہوئے اور ہنوز حواس میں تامل نہ کیا تھا کہ قوت وہم نے آواز دی کہ آگے نہ بڑھئے اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت واہمہ متصرف ہے اور غالب ہے ہر وقت عقل کو ترقی سے روکتی رہتی ہے اور جو فرمایا کہ بیت المقدس پہنچے اور موذن نے اذان کہی اور میں آگے بڑھا دیکھا کہ جماعت انبیاء اور اولیاء داہنے بائیں کھڑی ہے یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حیوانی اور طبعی قوتوں کے مطالعہ سے جب حضرت فارغ ہوئے تو دماغ کے قریب پہنچے قوت ذاکرہ متوجہ اعلام ہوئی اور حضرت تفکر کی طرف بڑھے اور قوائے دماغی مثلاً تمیز حفظ ذکر اور فکر وغیرہ داہنے بائیں موجود تھیں اسی طرح آسمانی معراج کا حال بھی بیان کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ بیت المقدس گئے، نہ آسمانوں پر۔ جتنی باتیں قرآن و حدیث میں مذکور ہیں سب کو وہیں

مکہ میں بیٹھے ہوئے نمٹا دیا۔ مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں صرف فرق مراقبہ اور مکاشفہ کا ہے یعنی بوعلی سینا اس کو مراقبہ کہتے ہیں کہ قوائے جسمانی وغیرہ میں اس وقت حضرت غور فرمارہے تھے اور مرزا صاحب مکاشفہ کہتے ہیں کہ وہیں بیٹھے ہوئے بیت المقدس اور آسمانوں کو کشف سے دیکھ رہے تھے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ ان دونوں کو معراج کا انکار ہے مگر جس طرح بوعلی سینا نے تمام واقعات کو عقل کے مطابق کر دیا مرزا صاحب نہ کر سکے بھلا کوئی پابند عقل اس کو مان سکتا ہے کہ آنکھیں جن پر مدار رؤیت ہے تو بند ہوں لاکھوں بلکہ کروڑوں کوس پرکی چیزیں ایسی دکھائی دے جیسے کوئی آنکھوں سے دیکھتا ہو بلکہ اس سے بھی اصفی اور اجلی؟ ہرگز نہیں۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے ایک حد تک درست ہے کیونکہ عام تجربہ ہے کہ جب آدمی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اقسام کے خیالات آنے لگتے ہیں اور اپنے اختیار سے بھی ذہن سے کام لیتا ہے مرزا صاحب کے خیالات چونکہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں عرش کو ایک بڑا چمکتا ہوا تخت خیال کرتے ہوں گے اور اس پر رب العالمین بیٹھا ہوا اپنے روشن چہرے سے پردہ اتار کر اپنے سے باتیں کرتا ہوا دیکھ لیتے ہوں گے جیسا کہ ضرورۃ الامام صفحہ ۱۳ میں خود تحریر فرماتے ہیں مگر اس کو کشف سمجھنا غلطی ہے۔ اس قسم کے مشاہدات کو عقلا اختراعات ذہنیہ کہتے ہیں جن کو واقع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر مرزا صاحب دعویٰ کریں کہ یہ خیالات مطابق واقع کے ہوتے ہیں تو جب تک دلائل عقلیہ سے اس کو ثابت نہ کریں ایک خیالی بات سے اس کا درجہ بڑھ نہیں سکتا اور اگر اہل کشف کے اقوال پیش کریں تو جس معرکہ میں خدا اور رسول کی بات کو وہ نہیں مانتے اہل کشف کا مجرد بیان کون مانے گا ان کی تصدیق کا درجہ تو خدا اور رسول کی تصدیق کے بعد ہے اور اگر کوئی ایسا ہی خوش اعتقاد شخص ہے کہ خلاف عقل بات بھی اہل کشف کی بلا دلیل مان لیتا ہے تو خدا اور رسول کی باتیں بلا دلیل مان لینا اس

پر کیا دشوار ہے۔اب دیکھئے کہ جس طرح جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا خلاف عقل ہے کشف سے واقعی حالات معلوم کرنا بھی خلاف عقل ہے پھر جب اہل کشف کی بات پر اس قدر وثوق ہے کہ ان کے مجرد قول سے کشف مان لیا جاتا ہے تو خدا اور رسول کی بات پر مسلمان کو اس سے زیادہ وثوق چاہیے کہ نہیں۔

مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا جو دعویٰ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ وہ ایک معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہو سکتی۔البتہ آثار سے کسی قدر اس کا ثبوت مل سکتا ہے مگر ہم جب یہاں آثار پر نظر ڈالتے ہیں تو بجائے ثبوت کے اس کا ابطال ہوا جاتا ہے اس لئے کہ مرزا صاحب ہمیشہ پیش گوئیاں کیا کرتے ہیں اور ہمارے علم میں مرزا صاحب نجومی یا کاہن یا رمال نہیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان پیشگوئیوں کا مدار ان کے کشف پر ہے (یعنی جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے کشف کے ذریعہ سے پیش از پیش دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسا ہوگا مثلاً فلاں شخص تین برس کی مدت میں مرے گا) پیش گوئیوں کا مدار کشف پر اس وجہ سے ہے کہ بغیر کشف کے رجماً بالغیب وہ حکم لگا دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔ ممکن ہے کہ وہ پچاس برس کے بعد مرے پھر خود مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا دعویٰ بھی ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ ہر پیشین گوئی ان کی صحیح نکلتی جس سے کشف کی صحت ثابت ہوتی مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا۔ دیکھئے مولوی ابو الوفا ثناء اللہ صاحب (اہلحدیث) نے رسالہ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے جن پیشین گوئیوں کو معیار اپنی صداقت اور مدار بطالت قرار دیا ہے وہ کل جھوٹی ثابت ہوئیں۔ پھر جب مولوی صاحب ان کا کذب ثابت کرنے کو قادیان گئے تو بجائے اس کے کہ مرزا صاحب خوش ہو کر اپنے کمالات ظاہر فرماتے اور پیشگوئیوں کا وقوع ثابت کرتے، الٹے ناراض ہو گئے اور مناظرہ سے گریز کی۔اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے وہ

رسالہ لکھ کر ان پیشگوئیوں کا عدم وقوع اور بطلان بدلائل ثابت کر دیا جس کا جواب نہ مرزا صاحب سے ہوا، نہ ان کے ہواخواہوں سے۔ چنانچہ اسی رسالہ کے عنوان پر یہ عبارت لکھ دی کہ اس رسالہ میں مرزا صاحب قادیانی کے الہاموں پر مفصل بحث کر کے ان کو محض غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے جواب کے لئے طبع اول پر مرزا صاحب کو پانسو روپیہ انعام تھا، طبع ثانی پر ہزار کیا گیا، اب طبع ثالث پر پورے مبلغ دو ہزار کیا جاتا ہے اگر وہ ایک سال تک جواب دیں تو انعام مذکور ان کے پیش کش کیا جائیگا انتہی۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کے اثبات میں مرزا صاحب ہی کا نفع تھا پھر اس پر جب انعام بھی ملتا تھا تو چاہیے تھا کہ سب کام چھوڑ کر اس رسالہ کے جواب میں مصروف ہو جاتے اور وہ رسالہ بھی کتنا؟ پورے سات جزو کا بھی نہیں پھر جواب میں نہ کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے، نہ اجتہاد کی حاجت ہر پیشین گوئی سے متعلق جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا وقوع اس طرح ہوا اور اس کے فلاں فلاں گواہ موجود ہیں جس کے لئے ایک دو ورق سے زیادہ درکار نہیں مگر جواب تو جب لکھا جائے گا کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع بھی ہوا ہو وہاں تو سرے سے وجود ہی ندارد۔ اور جو تقریروں میں ملمع سازیاں کی گئی تھیں ان کی قلعی مولوی صاحب نے کھول دی اب ان پیشین گوئیوں کا اثبات حیز امکان سے کس قدر خارج دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہمسری کا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کے یعنی معراج جیسے کشفوں میں خود صاحب تجربہ ہیں، غلط محض ہے۔

یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ الحکم مطبوعہ ۱۰ صفر ۱۳۲۳ھ، نمبر ۱۳ میں مرزا صاحب کی تقریر درج ہے کہ جیسا کہ بت پوجنا شرک ہے ویسے ہی جھوٹ بولنا بھی شرک ہے بت پوجنے والا اس خیال سے بت پوجتا ہے کہ یہ میری مرادیں بر لاتا ہے ایسا ہی جھوٹ بولنے

والا بھی اسی خیال سے جھوٹ بولتا ہے کہ جھوٹ سے میرا کام نکلتا ہے۔ مقدمہ جیت لیتا ہوں بیوپار ہوتا ہے اور آفات و بلا سے بچ جاتا ہوں ان دونوں باتوں میں کچھ فرق ہے انتہی۔

جب مرزا صاحب جھوٹ کو شرک سمجھتے ہیں تو وہ اس کے مرتکب کیونکر ہوئے ہوں گے اس کا جواب حقیقۃً نہایت دشوار ہے مگر عقلاء خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب جو اپنے کشف کی خبر دیتے ہیں سو وہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کی تعلیوں کی ان کی عادت ہے چنانچہ رسالہ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل مرزا صاحب سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں، میرا منکر کافر اور مردود ہے، میرے معجزات اور نشانیاں انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں، میری پیشگوئیاں نبیوں کی پیشگوئیوں سے زیادہ ہیں، میرے معجزات اور نشانات کے انکار سے سب نبیوں کے معجزات سے انکار کرنا پڑے گا، میرے منکروں اور متر ددوں کے پیچھے نماز درست نہیں بلکہ ان پر سلام نہ کرنا چاہیے۔ اور لکھتے ہیں کہ خدا بے پردہ ہو کر ان سے ٹھٹھے کیا کرتا ہے وغیرہ ذلک۔ جب مرزا صاحب کی جبلت میں تعلیاں داخل ہیں جن کا وجود ممکن نہیں تو ان کا یہ قول کہ معراج کے جیسے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے، کون اعتبار کرے۔ البتہ اہل کشف کی تحقیق قابل تسلیم ہے جن کے کشف کو اہل کشف اور صلحاء اور اولیاء اللہ نے تسلیم کرلیا ہے۔ دیکھئے شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ کے تین سو چودھویں باب میں لکھتے ہیں۔ **وقد اعطته المعرفة انه لا يصح الانس الا بالمناسب ولا مناسبة بين اللّٰه وعبده واذا اضيف الموانسة فانما ذلک علی وجه خاص يرجع الی الکون فاعطته ﷺ هذا لمعرفة الوحشة لانفراده وهذا مما يدلک ان الاسراء کان بجسمه ﷺ لان الارواح لا تتصف بالوحشة والاستيحاش فلما علم اللّٰه ذلک وکيف لا يعلمه وهو الذی خلقه فی نفسه وطلب عليه السلام الدنو بقوة**

المقام الذی هو فیه فنودی بصوت یشبه صوت ابی بکر رضی اللہ عنہ تانیسا له به اذ کان انیسه فی المعهود فحن لذلک وانس به. فلهذا المعراج خطاب خاص تعطیه خاصیة هذا المعراج لا یکون الا للرسل فلو عرج علیه الولی لاعطاه هذا المعراج بخاصیة ما عنده وخاصیة ما تنفرد به الرسالة فکان الولی اذا عرج به فیه یکون رسولا وقد اخبر رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم ان باب الرسالة والنبوة قد اغلق فتبین ان هذا المعراج لا سبیل للولی الیه البتة انتہی۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج آسمانوں پر وحشت ہوئی اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز سنائی گئی جس سے حضرت کی وحشت جاتی رہی اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسم کے ساتھ تھی کیونکہ ارواح وحشت کے ساتھ متصف نہیں ہوتیں۔ پھر اس جسمانی معراج کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کا خطاب ہوا کرتا ہے جو رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کسی ولی کو بھی اس قسم کی معراج ہو جائے تو اس خاصہ کی وجہ سے لازم آئیگا کہ وہ ولی بھی رسول ہو جائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ رسالت اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی معراج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تھی کسی ولی کو ہرگز نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے نزدیک مسلّم ہے کہ حضرت کی معراج جسمانی تھی اور وہ حضرت کا خاصہ تھا کہ کسی ولی کو وہ نصیب نہیں ہوسکتا اور جو کوئی نبوت ورسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

مسئلہ معراج میں مرزا صاحب کی کارسازیاں آپ نے دیکھ لیں۔ اب مسئلہ قیامت کو دیکھئے کہ کیسی کیسی کارستانیاں کر رہے ہیں۔ ازالۃ الاوہام صفحہ ۳۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں بحضور رب العالمین ان کا حاضر ہونا ان کو بہشت سے نہیں نکالتا کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے باہر کوئی لکڑی لوہے یا چاندی وغیرہ کا تخت بچھایا

جائے گا اور خدائے تعالیٰ مجازی حکام اور سلاطین کی طرح اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طے کر کے اس کے حضور میں حاضر ہونا ہوگا تا یہ اعتراض لازم آئے گا کہ اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لق ودق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا ایسا خیال تو سراسر جسمانی یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان تو لاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ اور رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ خدائے تعالیٰ کے تقدس اور تنزہ میں کوئی فرق نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اس دن بھی بہشتی بہشت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں ہوں گے لیکن رحم الٰہی کی تجلی عظمیٰ راست بازوں اور ایمان داروں پر ایک جدید طور سے لذات کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور جسمانی طور پر ان کو دکھا کر اس نئے طور کے دار السلام میں ان کو داخل کردیگی۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ نہ نفخ صور ہوگا، نہ مردے زندہ ہوں گے، نہ حساب وکتاب ہے، نہ صحائف اعمال کی جانچ، نہ پل صراط کا معرکہ درپیش ہے، نہ کسی قسم کی پریشانی اس روز ہوگی، نہ کسی کی شفاعت کی ضرورت ہے اور ہزارہا آیات واحادیث وآثار میں جن چیزوں کا ذکر بڑے اہتمام سے خدا اور رسول نے کیا ہے سب (نعوذ باللہ) بے اصل ہے۔

خالص ایمان اسے کہتے ہیں کہ فقط ایمان ہی ایمان ہے جو اس آمیزش واختلاط سے بھی منزہ ہے جو مومن بہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ فرمادیتے کہ ایسی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اس وجہ سے ہم ان پر ایمان نہ لائیں گے تو مسلمانوں کو بے فکری ہوجاتی اور سمجھ جاتے کہ فی الحقیقت قیامت کا مسئلہ ایسا ہی ہے کہ ہر

شخص کی سمجھ سے باہر ہے۔ نزول قرآن کے وقت جب عقلاء اس کو تسلیم نہ کر سکے تو تیرہ سو برس کے بعد مرزا صاحب کا تسلیم نہ کرنا چنداں بعید نہیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے ایمان کا جھگڑا لگا رکھا۔

مرزا صاحب تخت رب العالمین پر ایمان تو لاتے ہیں مگر لکڑی وغیرہ کے تخت پر نہیں لاتے کیونکہ جب جنت کے باہر لق ودق جنگل میں وہ تخت آئیگا تو لکڑی وغیرہ کا ہو جائیگا جو اس قابل نہیں کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ البتہ جب وہ جنت میں بچھے گا تو ایمان لانے کے قابل ہوگا اس لئے کہ نہ وہ لکڑی کا ہوگا، نہ کسی چیز کا۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ وہ تخت کیسا ہوگا کہ تخت تو ہوگا مگر کسی چیز کا نہ ہوگا۔ پھر اگر ایسا تخت ہو سکتا ہے تو جنت کے باہر آنے میں اس کو کون سی چیز مانع ہے بہر حال مرزا صاحب کو اگر قرآن پر ایمان لانا منظور ہوتا تو جس قسم کا تخت جنت میں تجویز کر رہے ہیں جنت کے باہر بھی تجویز کر سکتے مگر ان کو قیامت کا انکار ہی منظور ہے اس لئے اس کی یہ تمہید کی کہ جب تخت رب العالمین آ ہی نہیں سکتا تو قیامت کے دوسرے واقعات جو اس روز حق تعالیٰ کے روبرو ہوں گے کہاں۔ اس وجہ سے جتنی آیات واحادیث قیامت کے باب میں وارد ہیں (نعوذ باللہ) سب خلاف واقع ہیں۔ یہاں مرزا صاحب کی اس تقریر کو بھی یاد کر لیجئے کہ قرآن کا ایک نقطہ کم نہیں ہو سکتا۔

اب ہم محشر کا تھوڑا حال بیان کرتے ہیں تا کہ اہل ایمان کو اس کا تذکر ہو جائے اور معلوم ہو کہ حشر کا مسئلہ ہمارے دین میں کس قدر مہتم بالشان ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در منثور میں لکھتے ہیں **اخرج احمد والترمذی وابن منذر والحاکم وصححہ ابن مردویۃ عن ابن عمر** رضی اللہ عنہما **قال قال رسو ل اللہ** ﷺ **من سرہ ان ینظر الی یوم القیٰمۃ کا نہ رای عین فلیقرأ اذا الشمس کورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت**. یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے اگر کوئی چاہے کہ قیامت کا حال برائی

العین مشاہدہ کر لے تو سورۂ **اذا الشمس کورت** اور **اذا السماء انفطرت** اور **اذا السماء انشقت** کو پڑھے۔ ان سورتوں میں مجملاً قیامت کا بیان ہے کہ اس روز آسمان پھٹ جائیں گے، آفتاب اور تمام تارے تیرہ و تار ہو کر گر جائیں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے، دوزخ خوب سلگائی جائے گی، مردے زندہ ہوں گے، نامہ اعمال ہر ایک کے اڑ اڑ کر اس کے ہاتھ میں آ جائیں گے۔ چونکہ حشر زمین پر ہوگا اس لئے اس کی درستی اور صفائی کا یہ اہتمام اس روز ہوگا کہ جتنے سمندر اور دریا ہیں سب خشک کر کے اور پہاڑوں اور جھاڑوں کو نکال دے کر زمین کی وسعت بڑھا دی جائے گی اور ایسی مسطح بنائی جائیگی کہ کہیں نشیب و فراز باقی نہ رہے اور چونکہ تمام فرشتے بھی زمین پر اتر آئینگے اسلئے وہ اور بھی کشادہ کی جائیگی جس میں تمام خلائق کی گنجائش ہوان تمام امور کا ذکر بالتفصیل قرآن شریف میں موجود ہے چند آیات یہاں لکھی جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ویسألونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفاo فیذرھا قاعاً صفصفاo لا تری فیھا عوجا ولا امتاo یومئذٍ یتبعون الداعی لاعوج لہ وخشعت الاصوات للرحمٰن فلا تسمع الا ھمسًاo** ترجمہ: پوچھتے ہیں تم سے پہاڑوں کا حال سو کہوان سے بکھیر دیگا ان کو میرا رب اڑا کر پھر کر دیگا زمین کو چپڑا میدان نہ دیکھو گے اس میں موڑ، نہ ٹیلا اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑی نہیں جس کی بات اور دب گئیں آوازیں رحمٰن کے ڈر سے مگر کھس کھسی آواز۔ اس آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ پہاڑ زمین سے نکال دیئے جائیں گے اور زمین مسطح بنا دی جائیگی۔ اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ: **یوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ وحشرناھم فلم نغادر منھم احداo وعرضوا علٰی ربک صفا لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرۃ بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعدًاo** ترجمہ: اور جس دن ہم چلاویں گے پہاڑ اور تم دیکھو گے زمین کھل گئی اور جمع کریں گے ہم ان کو پھر

نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو اور سامنے لائے جائیں گے تمہارے رب کے قطار کر کے آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلے بار بلکہ تم کہا کرتے تھے کہ نہ ٹھہرائیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ انتہی۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ اس مسطح اور ہموار زمین پر سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور وہ حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے اور منکرین حشر کو زجر و توبیخ ہوگی وقولہ تعالیٰ **واذا البحار سجرت** بخاری شریف میں ہے **قال الحسن سجرت ذهب ماؤها فلا يبقى قطرة** یعنی اس روز سمندر ایسے سوکھ جائیں گے کہ ان میں ایک قطرہ باقی نہ رہیگا۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بدور سافرہ فی احوال الآخرۃ'' میں لکھا ہے **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قوله تعالٰی يوم تبدل الارض غير الارض الأية قال يزاد فيها وينقص منها وتذهب اكامها وجبالها واوديتها وشجرها وما فيها وتمد مد الاديم** (الحدیث) یعنی حق تعالیٰ جو فرماتا ہے **يوم تبدل الارض** اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین میں کمی زیادتی ہو جائیگی ٹیلے پہاڑ وادیاں جھاڑ اور جو کچھ اس میں ہے یہ سب چیزیں نکال دی جائیں گی تا کہ ایک سطح ہو جائے پھر کھینچ کر مثل ادیم کے کشادہ کی جائیگی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **واذا الارض مدت**۔ الحاصل زمین جب مسطح اور ایسی وسیع کر دی جائیگی کہ تمام جن وانس وملائکہ وغیرہم کی اس میں گنجائش ہو اس وقت تمام مُردوں کو حکم ہوگا کہ سب زندہ ہو کر میدان حشر میں آ کھڑے ہوں **كما قال تعالٰی ثم نفخ فيه اخرٰى فاذا هم قيام ينظرون** یعنی دوسری بار صور پھونکا جائیگا جس سے سب مردے فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ **وقال تعالٰی يقولون اءنا لمردودون فى الحافرة ءاذا كنا عظاما نخرة قالوا تلك اذاً كرة خاسرة فانما هى زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة** ترجمہ: کہتے ہیں کفار کیا ہم

آویں گے الٹے پاؤں یعنی زمین پر جب ہوچکیں بوسیدہ ہڈیاں یہ تو پھر آنا ٹوٹا ہے پھر وہ تو ایک جھڑکی ہے جس سے یکا یک میدان میں آجائیں گے انتہی۔

حاصل یہ کہ کفار قیامت کی نسبت بہت باتیں بناتے اور استبعاد ظاہر کیا کرتے تھے کہ یہ کیسا اور وہ کیونکر ہوگا ارشاد ہوا یہ وہ کچھ نہیں ایک جھڑکی کے ساتھ سب زمین پر آرہیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے **بالساھرۃ** کی تفسیر میں لکھا ہے **عن الضحاک قال کانوا فی بطن الارض ثم صاروا علی ظھرھا** یعنی سب مردے زمین کے اندر سے نکل کر اوپر آجائیں گے۔ دیکھ لیجئے ان آیات سے مُردوں کا قبروں سے نکلنا اور حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہونا کس قدر ظاہر و واضح ہے۔

مرزا صاحب جواز الۃ الاوہام میں بار بار لکھتے ہیں کہ **یحمل النصوص علی الظواھر** سوان نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔ اگر فرمادیں کہ عقل مانع ہے تو کفار بھی یہی کہہ کر کھلے طور پر ایمان لانے سے منکر ہوگئے تھے۔ پھر ایمان کے دعوے کی کیا ضرورت یہ تو منافقوں کی عادت تھی کہ دل میں تو ایمان نہیں مگر کہتے ضرور تھے کہ ہم مومن ہیں اور جب عقل کو اس قدر غلبہ دیا جاتا ہے کہ خدا کا کلام بھی اسکے مقابلہ میں ہیچ ہے تو براہین احمدیہ میں کیوں فرمایا تھا کہ عقل مغیبات کے دریافت کا آلہ نہیں بن سکتی اور عقل خدا کی حکمتوں کا پیمانہ نہیں بن سکتی۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ اس وقت صرف مسلمانوں کو دھوکا دینا منظور تھا۔ یہ تو زمین کا حال تھا اب آسمانوں کا حال سنیئے کہ اس روز کیا ہوگا حق تعالیٰ فرماتا ہے: **اذا السماء انفطرت ۝ اذا السماء انشقت ۝ واذا السماء کشطت ۝ یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب ۝** یعنی آسمان چر جائیں گے پھٹ جائیں گے، ان کا پوست کھینچا جائیگا، لپیٹ دیئے جائیں گے جیسے طومار میں کاغذ لپیٹا جاتا ہے اور تاروں کی نسبت ارشاد ہے: **اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت**

واذا الکواکب انتثرت یعنی آفتاب اور تارے تیرہ و تار ہو کر جھڑ جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آسمانی نظم و نسق درہم برہم ہو کر وہ کارخانہ ہی طے کر دیا جائیگا اور کل ساکنین فلک کا مجمع زمین پر ہو جائیگا **کما قال تعالیٰ کلا اذا دکت الارض دکا دکاo وجاء ربک والملک صفا صفاo وجیٓء یومئذ بجھنم یومئذ یتذکر الانسان وانّٰی له الذکریٰo یقول یالیتنی قدمت لحیٰوتیo فیومئذ لا یعذب عذابه احدo ولا یوثق وثاقه احدo یاایتها النفس المطمئنةo ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیةo فادخلی فی عبادیo وادخلی جنتیo** ترجمہ: جب پست کرے زمین کو کوٹ کوٹ کر آوے تمہارا رب اور فرشتے آویں قطار قطار اور لائی جائے اس دن دوزخ یاد کریگا اس روز انسان اور کہاں ہے اس دن سوچنا کہے گا کاش میں کچھ آگے بھیجتا اپنی زندگی میں اور عذاب نہ کرے اس عذاب کی مانند کوئی اور باندھ نہ رکھے اس کا سا باندھنا کوئی کہا جائیگا مسلمانوں کی روح کو اے نفس مطمئنہ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی داخل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں انتہیٰ۔

حاصل یہ کہ تمام آسمانوں کے فرشتے زمین پر اتر آئیں گے اور ہر ہر آسمان کے فرشتے ایک ایک جدا صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اس وقت مسلمانوں کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ آیہ موصوفہ **وجاء ربک** سے اگرچہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا عرش زمین کی جانب نزول فرمائیگا مگر چونکہ ہمارے اذہان اس قسم کے الفاظ سے اسی معنی کی طرف منتقل ہوتے ہیں جو ہماری بول چال میں جسمانیات سے متعلق ہیں اور حقیقت مجئی جو لائق شان کبریائی ہے سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اس لئے اس مقام میں یہ تاویل کی جاتی ہے کہ حق تعالیٰ اس روز خاص طور پر کسی قسم کی تجلی

فرمادیگا اور ارشاد ہے **ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیة** یعنی تمہارے رب کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اٹھادیں گے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے **عن ابن زید قال قال رسول اللّٰہ ﷺ یحملہ الیوم اربعة ویوم القیٰمة ثمانیة** یعنی آج عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت کے روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور اس وجہ سے کہ آفتاب چاند اور تارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے زمین پر سوائے خدائے تعالیٰ کے نور کے کوئی نور نہ ہوگا **کما قال تعالیٰ واشرقت الارض بنور ربھا** یعنی روشن ہو جائیگی زمین اپنے رب کے نور سے اور ظاہر قربت کی یہ حالت ہوگی کہ ہر شخص کو دولت ہم کلامی نصیب ہوگی چنانچہ بخاری شریف میں ہے **عن عدی ابن حاتم قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ما منکم من احد الا سیکلمہ اللّٰہ یوم القیٰمة لیس بینہ وبینہ ترجمان** (الحدیث) یعنی تم میں سے ہر شخص کے ساتھ حق تعالیٰ ایسے طور پر کلام کریگا کہ کوئی ترجمان درمیان میں نہ ہوگا۔ علامہ زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ محشر کا روز جو پچاس ہزار سال کا ہوگا اس میں پچاس موطن مقامات ہوں گے ایک ایک مقام میں ہزار ہزار سال لوگ ٹھہریں رہیں گے۔ ہر مقام کے حالات ولوازم جداگانہ ہیں جو آیات و احادیث سے ثابت ہیں اگر وہ تمام ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک بڑی کتاب ہو جائے چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "بدور السافرة فی احوال الاٰخرة" میں یہی کام کیا ہے اور اس باب میں اور بھی کتابیں موجود ہیں طالبین حق کو ضرور ہے کہ ان کتابوں کو جو چھپ گئی ہیں دیکھ کر اپنے اسلامی عقائد کو مستحکم کرلیں کیونکہ علماء نے اپنی عمر عزیز کا ایک بیش بہا حصہ صرف کر کے مختلف مقامات سے آیات واحادیث کو جمع کرنے کی محنت اور تحقیق کی مشقت جو گوارہ کی ہے اس سے صرف ہماری خیر خواہی مقصود تھی اگر ہم اپنا تھوڑا سا وقت وہ بھی اپنے ہی نفع کیلئے صرف کر کے اس کو دیکھیں بھی نہیں تو کمال درجہ کی بے قدری ہے۔ غرض آیات و

احادیث تو اس باب میں بہت ہیں مگر تھوڑی سی یہاں بقدر ضرورت لکھی جاتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے **عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ یوم یقوم الناس لرب العالمین قال یوم احدھم فی رشحہ الٰی انصاف اذنیہ** یعنی لوگ جو خدائے تعالیٰ کے روبرو کھڑے ہوں گے ان میں بعضوں کا یہ حال ہوگا کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے **عن ابی ھریرۃ** رضی اللہ عنہ **ان رسول اللّٰہ ﷺ قال یعرق الناس یوم القیٰمۃ حتٰی یذھب عرقھم الی الارض سبعین ذراعا ویلجمھم حتی یبلغ اٰذانھم** یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کا پسینہ قیامت کے روز اس قدر ہوگا کہ ستر ہاتھ زمین کے اندر اتر جائیگا۔ اور پسینہ کی وجہ اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جس کو امام احمد نے مسند احمد پر اور طبرانی نے معجم کبیر پر روایت کی ہے **عن ابی امامۃ** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ ﷺ تدنو الشمس یوم القیٰمۃ علی قدر میل ویزداد فی حرھا کذا وکذا یغلی منہ الھوام کما تغلی القدور علی الاثافی یعرقون منھا علی قدر خطایاھم ومنھم من یبلغ الی کعبیہ ومنھم من یبلغ الی ساقیہ ومنھم من یبلغ الی وسطہ ومنھم من یلجمہ العرق** یعنی قیامت کے روز آفتاب زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آجائیگا اور اس کی گرمی اس قدر بڑھ جائیگی کہ حشرات الارض ایسے جوش کھائیں گے جیسے دیگ چولھے پر جوش کھاتی ہے لوگوں پر اس کا اثر بقدر گناہ ہوگا بعضوں کو پسینہ ٹخنے تک پہنچے گا اور بعضوں کو کمر اور بعضوں کو منہ تک پہنچے گا۔ جن کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں اس قسم کی باتوں پر وہ ایمان نہیں لاسکتے اور وجہ اس کی سوائے شقاوت کے اور کوئی نہیں ورنہ یہ امر مشاہد ہے کہ سخت دھوپ میں گرم مزاج لوگ ہلاک ہوجاتے ہیں اور جن کی طبیعت پر برودت غالب ہوتی ہے وہ اس سے انتفاع اور لذت اٹھاتے ہیں اگرچہ ظاہری

اسباب اسکے حرارت و برودت مزاج ہیں مگر آخری مدار ان کا تخلیق خالق ہی پر ہوگا۔ پھر اگر خالق اس روز بحسب اعمال پسینہ کی تخلیق مختلف طور پر کرے تو عقل کو اس میں کیا کلام۔ اس روز کی حالت کو حق تعالیٰ چند مختصر مگر نہایت پر اثر الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ **یوم یفر المرء من اخیه و امه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرء منهم یومئذ شان یغنیه** ترجمہ: جس دن بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ سے اور اپنی زوجہ سے اور اپنے بیٹوں سے ہر شخص کو اس روز ایک فکر لگا ہے جو اس کو بس ہے۔ ہر صاحب عقل سلیم اور تخیل صحیح طور پر غور کر سکتا ہے کہ اس روز کیسی حالت ہوگی جس کے یہ آثار ہوں گے۔ بخاری مسلم ترمذی وغیرہ میں یہ روایت ہے **عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم انا سید الناس یوم القیٰمة وهل تدرون مم ذلک یجمع اللّٰه الاولین والآخرین فی صعید واحد یسمعهم الداعی وینفذهم البصر وتدنو الشمس منهم فیبلغ الناس من الغم الکرب مالا یطیقون ولا یحتملون فیقول الناس الاترون ما قد بلغکم الاتنظرون من یشفع لکم الی ربکم فیقول بعض الناس لبعض ائتوا اٰدم فیاتون اٰدم فیقولون یااٰدم انت ابونا انت ابوالبشر خلقک اللّٰه بیده ونفخ فیک من روحه وامر الملٰئکة فسجدوا لک اشفع لنا الی ربک الاتری مانحن فیه الاتری الی ما قد بلغنا فیقول لهم اٰدم ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن یغضب بعده مثله وانه نهانی عن الشجرة فعصیته نفسی نفسی نفسی اذ هبوا الٰی غیری اذهبوا الی نوح فیاتون نوحاً فیقولون یانوح انت اول الرسل الی اهل الارض وسماک اللّٰه عبداً شکورًا اشفع لنا الی ربک الاتری مانحن فیه الا تری ما قد بلغنا فیقول لهم نوح ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبله مثله ولن**

يغضب بعده مثله وانه قد كانت لی دعوة دعوت بها علی قومی نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غيری اذهبوا الی ابراهيم فياتون ابراهيم فيقولون يا ابراهيم انت نبی اللّٰه وخليل اللّٰه من اهل الارض اشفع لنا الی ربک الاترى مانحن فيه الاترى ما قد بلغنا فيقول لهم ابراهيم ان ربی تعالٰی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانی قد كنت كذبت ثلث كذبات نفسی نفسی نفسی اذهبوا الٰی غيری اذهبوا الی موسٰی فياتون موسٰی فيقولون ياموسٰی انت رسول اللّٰه فضلک اللّٰه برسالاته وبتكليمه على الناس اشفع لنا الی ربک الاترى الی مانحن فيه الاترى الی ما قد بلغنا فيقول لهم موسٰی ا ن ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانی قد قتلت نفسا لم اؤمر بقتلها نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غيری اذهبوا الی عيسٰی فياتون عيسٰی فيقولون ياعيسٰی انت رسول اللّٰه وكلمة القاها الی مريم وروح منه وكلمت الناس فی المهد اشفع لنا الی ربک الاترى مانحن فيه الاترى ما قد بلغنا فيقول لهم عيسٰی ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله نفسی نفسی نفسی اذهبوا الی غيری اذهبوا الٰی محمد فياتون محمدا فيقولون يامحمد انت رسول اللّٰه وخاتم الانبياء وغفر اللّٰه لک ماتقدم من ذنبک وما تاخر اشفع لنا الی ربک الاترى ما نحن فيه الاترى الی ما قد بلغنا فانطلق فاتی تحت العرش فاقع ساجدا لربی ثم يفتح اللّٰه علیّ ويلهمنی من محامده وحسن الثناء عليه شيئا لم يفتح لاحد قبلی ثم يقال يامحمد ارفع راسک سل تعطه واشفع تشفع

فارفع راسي فاقول يارب امتي امتي فيقال يا محمد ادخل الجنة من امتك من الحساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس فيما سوى ذلك من الابواب والذي نفسي بيده ان ما بين المصراعين من مصاريع الجنة كما بين مكة وهجرا وكما بين مكة وبصرى (كذا فی کنز العمال)

یعنی بخاری مسلم وغیرہ میں روایت ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے روز میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں گا جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ خدائے تعالیٰ تمام اولین وآخرین کو ایک ایسی زمین میں جمع کریگا کہ پکارنے والے کی آواز سب سن لیں گے اور دیکھنے والا سب کو دیکھ لے اور آفتاب نہایت نزدیک آجائیگا جس سے لوگوں کو اس قدر غم اور سختی ہو کہ برداشت کی طاقت نہ رہے گی اس وقت لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کیا دیکھتے نہیں کیسی حالت گزر رہی ہے کسی ایسے شخص کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ہماری شفاعت کرے اور اس بلا سے ہمیں نجات دے آخر یہ رائے قرار پائیگی کہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں چنانچہ ان کے پاس جاکر کہیں گے حضرت آپ ہمارے اور تمام بشر کے باپ ہو حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم کیا کہ آپ کو سجدہ کریں۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس حالت میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ آدم علیہ السلام کہیں گے کہ آج خدائے تعالیٰ ایسا غضب ناک ہے کہ ایسا نہ کبھی پیشتر ہوا تھا، نہ آئندہ کبھی ہوگا مجھ کو اس جھاڑ کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا مگر مجھ سے نافرمانی ہوگئی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم لوگ اور کسی کے پاس جاؤ اور نوح علیہ السلام کے پس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے تھے آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے عبد شکور رکھا اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کہ کیا آپ نہیں

دیکھتے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں نوح علیہ السلام کہیں گے کہ خدا تعالیٰ آج ایسا غضبناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا، نہ کبھی ہوگا میرے لئے ایک دعا مقرر تھی جو ردنہ ہو سووہ دعا میں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لئے کی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضرت آپ نبی اللہ اور خلیل اللہ ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسی حالت میں مبتلا ہیں وہ بھی فرمائیں گے کہ جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا............ کسی اور کے پاس جاؤ اگر موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور کلام سے سب پر بزرگی دی کیا ہماری حالت آپ نہیں دیکھتے رحم کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی فرمائیں گے کہ خدائے تعالیٰ جیسے آج غضبناک ہے نہ کبھی ہوا، نہ ہوگا میں نے ایک شخص کو بغیر حکم کے مار ڈالا تھا مجھے آج اپنے ہی نفس کی پڑی ہے تم اور کہیں جاؤ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر کہیں گے حضرت آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہو جو مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح اللہ ہو۔ گہوارہ میں آپ نے لوگوں سے باتیں کی تھیں ہماری حالت پر رحم کر کے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی یہی کہیں گے جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا تھا، نہ ہوگا آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر محمد ﷺ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضرت آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے کہیں گے کہ دیکھئے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں ہماری شفاعت اپنے رب سے کیجئے اس وقت میں عرش

کے نیچے جا کر سجدہ میں گرونگا اور محامد و ثنائے الٰہی کے وہ الہامی مضامین میرے دل پر منکشف ہوں گے جو کسی پر کبھی ہوئے نہ تھے حکم ہوگا کہ اے محمد ﷺ سر اٹھاؤ جو تم چاہو گے وہ دیا جائیگا اور شفاعت کرو گے تو قبول کی جائیگی اس وقت میں سر اٹھاؤنگا اور عرض کرونگا اے رب امتی امتی یعنی میری امت کو نجات دے ارشاد ہوگا اے محمد ﷺ اپنی امت سے ان لوگوں کو جن پر حساب و کتاب نہیں ہے جنت کی سیدھی جانب کے دروازے سے جنت میں داخل کر دو اور اس کے سوا دوسرے دروازوں سے بھی وہ جاسکتے ہیں۔ قسم ہے خدائے تعالیٰ کی جنت کے دروازوں کی مسافت ایک پٹ سے دوسرے پٹ تک اتنی ہے کہ جتنی مکہ سے ہجر کی مکہ سے بصریٰ کی۔ انتہی۔

یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہے جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں اس سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز تمام انبیائے اولوالعزم اپنی اپنی لغزشیں یاد کر کے خائف و ترساں رہیں گے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے بےفکر کر دیا اور اب وہ آنحضرت ﷺ کے درجے میں ہیں۔ کیا فی الواقع ایسا الہام کر کے خدائے تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء سے افضل بنا دیا ہوگا؟ میری دانست میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہوگا کہ وہ تمام انبیاء سے افضل اور بارگاہ کبریائی میں سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایسے الہاموں میں اکثر شیطان دھوکا دے دیا کرتا ہے اور آدمی کو اپنی فضیلت کی خوشی میں کچھ نہیں سوجھتا اور سمجھ جاتا ہے کہ سچ مچ خدا ہی کی طرف سے وہ الہام ہے۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی زاہد پر شیطان نے وحی کی (بمصداق **یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا**) کہ میں جبرئیل ہوں اور آپ کے لئے براق لے آیا ہوں چلئے آج آپ کی معراج ہے۔ مگر آنکھوں کو پہلے پٹی باندھ لیجئے چنانچہ انہوں نے اس خوشی میں کہ آج اپنے نبی ﷺ کے ہم رتبہ ہوتے ہیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر خدا کا شکر کرتے

ہوئے براق پر سوار ہوئے جو دراصل گدھا تھا شیطان نے رسوائی کی غرض سے تمام شہر میں ان کی تشہیر کر کے کسی ویرانہ میں لیجا کر چھوڑ دیا۔ الغرض شیطان آدمی کا سخت دشمن ہے اقسام کی تدبیریں کر کے رسوا بلکہ خسر الدنیا والآخرہ بنا دیتا ہے۔

یہ بحث عارضی تھی اصل کلام روز قیامت کے احوال میں تھا بخاری شریف میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما **قال خطب النبی ﷺ فقال انکم محشورون الی اللّٰہ** عزوجل **عراۃ عزلا کما بدانا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین ثم ان اول من یکسی یوم القیٰمۃ ابراھیم الا انہ یجاء برجال من امتی فیؤخذ بھم ذات الشمال فاقول یاربّ اصحابی فیقال لا تدری مااحدثوا بعدک** (بخاری) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کا حشر اللہ تعالیٰ کے روبرو ایسے طور پر ہوگا کہ سب برہنہ اور بے ختنہ ہوں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **کما بدانا اول خلق** (الآیہ) یعنی جیسے اول خلقت میں ہم نے ان کو پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں۔ پھر قیامت کے روز پہلے ابراہیم علیہ السلام لباس پہنائے جائیں گے۔ میری امت سے چند شخصوں کو بائیں طرف یعنی دوزخ کی جانب لے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب یعنی امتی ہیں کہا جائیگا کہ آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی نئی باتیں نکالی تھیں انتہی۔ اور بخاری شریف میں ہے **عن انس** رضی اللہ عنہ **ان رجلا قال یا نبی اللّٰہ کیف یحشر الکافر علی وجھہ یوم القیٰمۃ قال الیس الذی امشاہ علی الرجلین فی الدنیا قادر علی ان یمشیہ علی وجھہ یوم القیٰمۃ**۔ نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ کافر حشر کے دن منہ کے بل چلے گا فرمایا جس نے دنیا میں اس کو پاؤں پر چلایا تھا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت میں اس

کومنہ پر چلائے انتہی۔ ان احادیث اور آیۂ موصوفہ سے ظاہر ہے کہ قیامت میں پورا جسمانی کارخانہ قائم ہو جائیگا کیونکہ قبروں سے بے ختنہ اور برہنہ اٹھنا اور منہ کے بل چلنا اور پسینہ جاری ہونا وغیرہ امور اس پر دلیل قطعی ہیں۔ اب اگر مرزا صاحب کو خدا و رسول کی بات ماننے میں یہودیت کا خوف ہے تو وہ یہودیت سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ کل کفار کا یہی طریقہ رہا کہ خدا اور رسول کی بات پر کوئی نہ کوئی الزام قائم کر دیا کرتے تھے اس کے بعد اعمال نامے ہر طرف سے اڑیں گے اور ہر ایک کے ہاتھ میں آجائیں گے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **واذا الصحف نشرتo وقوله تعالیٰ: یومئذٍ تعرضون لا تخفی منکم خافیةo فاما من اوتی کتابه بیمینه فیقول هاؤم اقرءوا کتٰبیهo انی ظننت انی مُلٰقٍ حسابیهo فهو فی عیشةٍ راضیةo فی جنة عالیةo قطوفها دانیةo کلوا واشربوا هنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیةo واما من اوتی کتابه بشماله فیقول یالیتنی لم اوت کتٰبیهo ولم ادر ماحسابیهo یالیتها کانت القاضیةo ما اغنی عنی مالیهo هلک عنی سلطٰنیهo خذوه فغلوهo ثم الجحیم صلوهo ثم فی سلسلة ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوهo** ترجمہ: اس دن سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا چھپنے والا سو جس کو ملا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں کہے گا لو پڑھو میرا نامہ مجھے اعتقاد تھا کہ مجھ کو ملتا ہے میرا حساب سو وہ پسندیدہ عیش میں رہے گا جنت میں جس کے میوے جھک رہے ہیں کھاؤ خوشگوار جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں اور جس کو ملا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں کہے گا کاش مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا حساب ہے میرا اے کاش موت ہی میرا کام آخر کر دیتی کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال زائل ہوگئی مجھ سے حکومت کہا جائیگا کہ اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو بٹھاؤ پھر ایک زنجیر میں جس کا ناپ ستر (۷۰) گز ہے اس کو جکڑ و انتہی۔

اور حدیث میں ہے جس کو احمد عبد بن حمید اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے **عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ یعرض الناس یوم القیٰمۃ ثلث عرضات فاما عرضتان فجدال ومُعاذیر واما الثالثۃ فعند ذلک تطائر الصحف فی الایدی فاخذ بیمینہ واخذ بشمالہ** (کذا فی الدر المنثور للامام السیوطی)۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ اعمال تین بار پیش کئے جائیں گے دوبار تو جھگڑے اور عذر خواہیاں رہیں گی تیسری بار اعمال نامے اڑ اڑ کر ہاتھوں میں آجائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ انتہی۔

اور اعمال کے تلنے کا بھی ایک بڑا معرکہ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والوزن یومئذ الحق فمن ثقلت موازینہ فاولٰئک ہم المفلحون ومن خفت موازینہ فاولٰئک الذین خسروا انفسہم فی جہنم خالدون** ترجمہ: جن کے بھاری ہوئی تولیں وہی رستگار ہوں گے اور جن کی ہلکی ہوئیں تولیں وہی ہیں جو ہار بیٹھے ہیں جان دوزخ میں رہیں گے۔ اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ **ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ فلا تظلم نفس شیئاً وان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفٰی بنا حاسبین** ترجمہ: اور رکھیں گے ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی ایک شخص پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابر رائی کے دانہ کے وہ بھی ہم لے آئیں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے والے انتہی۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **حتی اذا ما جاءوہا شہد علیہم سمعہم وابصارہم وجلودہم بماکانوا یعلمون. وقولہ تعالیٰ الیوم نختم علٰی افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بماکانوا یکسبون.** یعنی ان کے منہ پر اس روز مہر کردی جائیگی اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے گواہی طلب کی جائیگی اور ہر عضو جو کچھ دنیا میں کام کیا تھا پورا پورا کہہ دیگا۔ اور ارشاد ہے **وان منکم الا واردہا**

کان علی ربک حتماً مقضیاً ترجمہ: اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا دوزخ پر ہو چکا تمہارے رب پر ضرور مقرر انتہی۔ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں نقل کی ہے: عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ فی قولہ وان منکم الا واردھا قال قال رسول اللہ ﷺ یرد الناس کلھم النار ثم یصدرون عنھا باعمالھم فاولھم کلمح البرق ثم کالریح کحضر الفرس ثم کالراکب فی رحلہ ثم کشد الرجل ثم کمشیہ۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ کل آدمی دوزخ پر آئیں گے اور بقدر اعمال اس پر سے گزریں گے بعض برق کی طرح بعض ہوا کی بعض گھوڑے کے دوڑ کی طرح اور بعض اونٹ کی اور بعض آدمی کے دوڑنے اور چلنے کی طرح انتہی۔ اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ یقول اللہ یوم القیٰمۃ یا ادم یقول لبیک ربنا وسعدیک فینادی بصوت ان اللہ یامرک ان تخرج من ذریتک بعثا الی النار قال یا رب وما بعث النار قال من کل الف اراہ قال تسع مائۃ وتسعۃ وتسعین۔ یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز فرمادیگا یا آدم وہ جواب میں عرض کریں گے لبیک ربنا وسعدیک پھر ندا ہوگی بلند آواز سے کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر جدا کرو عرض کریں گے کس قدر ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار انتہی۔

پھر وہ مصیبت کا روز معمولی بھی نہ ہوگا کہ چار پہر کسی طرح گزر جائیں بلکہ ابتدائے تخلیق سے قیامت تک جتنی عمر اس عالم دنیوی کی ہے وہ ایک روز درازی میں گویا اس تمام کے برابر اور ہم پہلو ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا کما قال تعالیٰ سال سائل بعذاب واقع ○ للکافرین لیس لہ دافع ○ من اللہ ذی المعارج ○ تعرج الملئکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف

سنةo فاصبر صبراً جميلاًo ترجمہ: درخواست کرتا ہے درخواست کرنے والا اس عذاب کی جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے اللہ کی طرف سے جو مرتبوں والا ہے۔ چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے سو صبر کرو اچھا صبر انتہی۔

یعنی جتنے فرشتے دنیا میں مختلف کاموں پر مامور ہیں اس روز تمام آسمانوں پر چڑھ جائینگے غرض کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہونا اور اس میں اقسام کے مصائب کا پیش آنا قرآن شریف کی بیسوں آیات اور صدہا احادیث سے ثابت ہے۔ جس کو ذرا بھی ایمان ہو اس میں ہرگز شک نہیں کرسکتا اس پر بھی جن لوگوں کو شک ہو حق تعالیٰ ان کو عقلی طریقہ سے سمجھاتا ہے کماقال تعالیٰ یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام مانشاء الیٰ اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئاً وتری الارض هامدةً فاذا انزلنا علیها الماء اهتزت وربت وانبتت من کل زوج بهیجo ذلک بان اللّٰه هو الحق وانه یحی الموتیٰ وانه علی کل شیٔ قدیرo وان السّاعة اٰتیة لاریب فیها وان اللّٰه یبعث من فی القبورo ومن الناس من یجادل فی اللّٰه بغیر علم ولاهدی ولاکتاب منیرo ثانی عطفه لیضل عن سبیل اللّٰه له فی الدنیا خزی ونذیقه یوم القیٰمة عذاب الحریقo ترجمہ: اے لوگو اگر تم کو شک ہے جی اُٹھنے میں تو دیکھو کہ ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر مضغہ گوشت سے صورت بنی ہوئی اور نہ بنی ہوئی یہ اس واسطے کہ تم کو ظاہر طور پر معلوم کرادیں۔ اور ٹھہرا رکھتے ہیں ہم رحم

میں جو کچھ چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک پہنچو اپنی جوانی کے زور کو اور بعضے تم میں سے مر جاتے ہیں اور بعضے پھیرے جاتے ہیں ارذل عمر تک تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگیں۔ اور تم دیکھتے ہو زمین خشک پر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی تازی ہوئی اور ابھری اور اگائیں ہر قسم کی رونق کی چیزیں یہ اس واسطے کہ اللہ ہی ہے حق اور وہ جلاتا ہے مردے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ اٹھائیگا قبر میں پڑے ہوؤں کو اور بعض لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے اپنی گردن موڑ کر کے گمراہ کریں اللہ کی راہ سے ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور چکھادیں گے ہم ان کو قیامت کے دن جلن کا عذاب انتہی۔

اس آیۂ شریفہ میں حق تعالی ان لوگوں کو جو قیامت کے قائل نہیں کئی مثالوں سے سمجھاتا ہے کہ تم اپنی ہی پیدائش کو دیکھ لو کہ کس قدر عقل کے خلاف ہے مٹی سے نباتات اور اس سے نطفہ اور اس سے علقہ اور اس سے مضغہ اور اس سے آدمی بنتا ہے پھر تم پر کیسے کیسے انقلابات آتے ہیں کبھی لڑکے کبھی جوان کبھی بعد کمال عقل کے بے وقوف محض۔ اور زمین ہی کو دیکھ لو کہ خشک ہونے کے بعد ہمارے حکم سے کیسی لہلہانے لگتی ہے اس سے سمجھ سکتے ہو کہ خدائے تعالی جو ہمیشہ اس عالم میں انقلابات پیدا کیا کرتا ہے اس انقلاب اخروی پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں قائم کردے۔ اس پر بھی جو نہ مانے وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ حق تعالی جو فرماتا ہے **یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث**. سو مرزا صاحب کا شبہ اس میں داخل ہے کہ نہیں۔ انہوں نے تحریر سابق میں اپنا اعتقاد بیان کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک حالت مستمرہ رہیگی اور کوئی زندہ ہو کر زمین پر نہ آئیگا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جن

شبہات کے رفع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ان میں مرزا صاحب کا شبہ اوراعتقاد بھی داخل ہے۔اب مرزا صاحب کوخدا کا شکر یہ بجالانا چاہیے کہ کس طرح مثالیں دے دے کر حق تعالی نے موت کے بعد زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا۔اگر یہودیت کا خیال مانع ہے تو اس کی طرف کچھ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ شیطان ایسے ہی قیاس کر کے آدم علیہ السلام کے سجدہ سے رکا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے ارشاد کے بعد مسلمانوں کو چون وچرا کی کوئی ضرورت نہیں۔

اب اہل انصاف خود ہی غور کرلیں کہ مرزا صاحب جوفرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا ان کوبہشت سے نہیں نکالتا معاد جسمانی کا انکار ہے یانہیں؟ اور یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے مخالف ہے یانہیں؟ اوراس مخالفت سے آدمی کا ایمان باقی رہ سکتا ہے یانہیں۔خدائے تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ تو صاف فرمارہے ہیں کہ حشر زمین پر ہوگا اور اس کی تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ اس دن زمین جھاڑ پہاڑ وغیرہ سے خالی کردی جائیگی اور دریائیں خشک ہوجائیں گے وغیرہ وغیرہ۔مگر مرزا صاحب ایک نہیں مانتے۔قرآن و حدیث سے مُردوں کا قبروں سے نکل کے اپنے رب کی طرف جانا ثابت ہے قولہ تعالیٰ **ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الٰی ربھم ینسلون** یعنی صور پھونکے جانے کے ساتھ ہی سب آدمی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑیں گے۔اور نیز میدان حشر میں کھڑے ہونا اور پسینہ کی وہ حالت اوران کا ختنہ نہ کئے ہوئے ایسی حالت پر ہونا جیسے دنیا میں پیدا ہوئے تھے ثابت ہے جو صاف طور سے معاد جسمانی پر گواہی دے رہا ہے مگر مرزا صاحب اس کی تصدیق نہیں کرتے اور معرکہ حساب ومیزان و پل صراط اور انبیائے اولوالعزم کی پریشانی اور بکرات ومرات نفسی نفسی نفسی کہنا دلیل بین ہے اس پر کہ اسوقت کوئی جنت میں نہ ہوگا مگر مرزا صاحب اس کورد کر کے کہتے ہیں کہ بہشت سے کوئی نہ

نکلے گا۔ دیکھ لیجئے ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے کہتے ہیں کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور اس سے ایک نقطہ کم نہیں ہوسکتا۔ فی الحقیقت ایک نقطہ تو کم نہیں کیا مگر جزو کے جزو نکال دیئے۔ اب یہاں ایک اور مشکل درپیش ہے کہ مرزا صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ و رسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے طور پر کہ خدائے تعالیٰ کے تقدس اور تنزہ میں کوئی منافی نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لوگ جنت میں بھی ہوں گے اور زمین محشر پر بھی۔ محشر کے مصائب اور آفات تو ابھی معلوم ہوئے اب جنت کے بھی تھوڑے احوال سن لیجئے حق تعالیٰ فرماتا ہے **جنات تجری من تحتها الانهار (وقوله تعالیٰ) فيها انهار من ماء غير اٰسن وانهار من لبن لم يتغير طعمه وانهار من خمر لذة للشاربين وانهار من عسل مصفّٰی (وقوله تعالیٰ) لكم فيها فاكهة كثيرة منها تاكلون (وقوله تعالیٰ) وفيها ما تشتهيه الانفس وتلذ الاعين (وقوله تعالیٰ) لهم فيها ازواج مطهرة (وقوله تعالیٰ) وعندهم قاصرات الطرف (وقوله تعالیٰ) وحور عين كامثال اللؤلؤ المكنون (وقوله تعالیٰ) يحلون فيها من اساور من ذهب ويلبسون ثيابا خضرا من سندس واستبرق متكئين على الارائک (وقوله تعالیٰ) يطاف عليهم بصحاف من ذهب واكواب (وقوله تعالیٰ) وكاساً دهاقا (وقوله تعالیٰ) لا يرون فيها شمساً ولا زمهريرا (وقوله تعالیٰ) فيها سرر مرفوعة واكواب موضوعة ونمارق مصفوفة وذرابی مبثوثة۔** اس کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے مکانوں کے نیچے پانی اور دودھ اور شراب مصفّٰی شہد کی نہریں بہتی ہوں گی۔ مکانات نہایت پرتکلف جن میں بہت ہی پاکیزہ فرش بچھے ہوئے اور مسندیں لگی ہوئیں اور

ایک طرف اونچے اونچے تخت سجے ہوئے اور بیبیاں نہایت پاکیزہ اور شرمگیں اور حوریں نہایت حسین فاخرہ لباس اور اقسام کے زیوروں سے آراستہ نزدیک بیٹھی ہوئی اور خود بھی مشکلل زیور پہنے ہوئے اور میوہ جات اور طرح طرح کی نعمتیں جن کا شمار نہیں غلمان وخدام مشقابوں پر مشقابیں لے چلے آرہے ہیں اور چھلکتے پیالوں کا پیہم دور پھر جس چیز کی خواہش ہو فوراً موجود اور ان کے سوا وہ نعمتیں جو نہ کسی کانوں نے سنی اور نہ آنکھوں نے دیکھیں ہر وقت مہیا پھر نہ اس میں آفتاب کی گرمی، نہ زمہریر کی سردی، نہ کسی امر کی فکر، نہ اس سے نکلنے کا اندیشہ، نہ موت کا کھٹکا وغیرہ امور جن کو تمام اہل اسلام جانتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز بہشت سے کوئی نہ نکلے گا اور قیامت کے کل مصائب پر بھی ایمان ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس روز مصائب قیامت میں بھی سب جنتی مبتلا رہیں گے اور عیش وعشرت میں بھی سرگرم اور مشغول رہیں گے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی مگر ابن حزم نے ملل ونحل میں لکھا ہے کہ انجیل متی کے چودھویں باب میں مذکور ہے کہ مسیح نے کہا کہ یحییٰ نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ پانی پیتے ہیں اور میں کھانا کھاتا ہوں اور پانی بھی پیتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ یحییٰ علیہ السلام مسیح علیہ السلام سے افضل ہیں نصاریٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ مسیح کا ناسوت کھاتا پیتا تھا اور لاہوت نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا۔ انتہی ملخصاً۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ مسئلہ وہیں سے نکالا ہوگا کیونکہ مرزا صاحب کو یہود ونصاریٰ کے عقائد میں ممارست کی وجہ سے یدطولیٰ ہے اس بناء پر قائل ہوں گے کہ اہل محشر کا لاہوت جنت میں اور ناسوت مصائب میں رہیگا مگر ہمارے دین میں اس کی نظیر نہیں ملتی اس وجہ سے اہل اسلام اس قسم کے لاہوت وناسوت کے قائل نہیں ہوسکتے۔ مرزا صاحب ہم پر یہود کے ہم خیال ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور خود نصاریٰ کے ساتھ ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے

جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لق و دق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے انتہی۔

خود ہی غور فرمائیں کہ یہ تو ہم نے نہیں کہا کہ لق و دق جنگل میں تخت رب العالمین بچھے گا جس کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے البتہ ہم اس آیہ شریفہ پر ایمان ضرور رکھتے ہیں۔ **ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیة** اور اس قسم کے جتنے امور ہمارے خدا و رسول نے فرما دیئے ہیں گو یہود کے بھی وہ اعتقاد ہوں ان سب کو ہم مانتے ہیں کیونکہ ہمارا قرآن تورات و انجیل کا مصدِّق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ولما جاءھم کتاب من عنداللّٰہ مصدق لما معھم** الایۃ اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے یہود کے بعض اقوال کی تصدیق بھی کی ہے چنانچہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے **عن عبداللّٰہ قال جاء حبر من الاحبار الٰی رسول اللّٰہ ﷺ فقال یامحمد انا نجد ان اللّٰہ یجعل السمٰوٰت علٰی اصبع والارضین علٰی اصبع والشجر علٰی اصبع والماء علٰی اصبع والثری علٰی اصبع وسائر الخلائق علٰی اصبع فیقول انا الملک فضحک النبی ﷺ حتی بدت نواجذہ تصدیقا لقول الحبر ثم قرأ رسول اللّٰہ ﷺ وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیٰمة**۔ یعنی ایک عالم یہود کا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہماری کتاب میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام آسمانوں کا ایک اصبع پر اور زمینوں وغیرہ کو ایک ایک اصبع پر رکھ کر فرمائیگا کہ میں ہی بادشاہ ہوں یہ سن کر آنحضرت ﷺ ہنسے جس سے تصدیق اس عالم کی ہوتی تھی پھر حضرت نے یہ آیت پڑھی: **وما قدروا اللّٰہ حق قدرہ والارض**

جمیعاً قبضته یوم القیٰمة۔

الحاصل ہمارے قرآن اور نبی ﷺ نے یہود کی جن جن باتوں کی تصدیق کی ان کی تصدیق کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں البتہ اس قسم کے ناسوت ولاہوت کا اعتقاد قابل عار ہے۔

مرزا صاحب یہ جو فرماتے ہیں کہ ہم تخت رب العالمین کا خاکہ جسمانی طور پر نہیں کھینچتے اس کا مطلب یہاں معلوم نہیں ہوتا کہ عرش الٰہی کے جسمانی نہ ہونے سے معاد جسمانی کیونکر باطل کیا جاتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حشر جسمانی ہو تو تنزیہ الٰہی میں فرق پڑ جائیگا تو اس اعتبار سے اس عالم جسمانی میں بھی تنزیہ باقی نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ آخر اب بھی **استوٰی علی العرش** ثابت ہے جیسے قیامت میں ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **الرحمٰن علی العرش استوٰی** اب استوٰی کے معنی جو کچھ ہوں جیسے اس عالم میں ہے ویسے ہی اس عالم میں بھی ہوگا پھر جب اس عالم میں زمین پر حشر جسمانی ہونے سے تنزیہ میں فرق آتا ہے تو اس عالم میں بھی عالم جسمانی زمین پر ہونے سے فرق آنا چاہیے اور جب اس عالم میں تنزیہ میں فرق نہیں آتا تو وہاں معاد جسمانی سے فرق آنے کی کیا وجہ؟

مرزا صاحب تنزیہ کو پیش کر کے حشر ونشر کا جو انکار کرتے ہیں کس قدر بدنما اور خلاف تدین ہے اب تک تو آیات قرآنیہ کو بیان کر کے ان میں الٹ پلٹ ہی کیا کرتے تھے اس مسئلہ میں جو دیکھا کہ اگر احادیث کی تکذیب بھی کر دیں تو آیات قرآنیہ اتنی ہیں کہ ان سے سر برہونا مشکل ہے اس لئے یہاں وہ طریقہ بھی چھوڑ دیا اور خود مختاری سے ایک نیا عقیدہ گھڑ دیا جس کا کوئی اسلامی فرقہ قائل نہیں۔ گویا وہ کل آیات (نعوذ باللہ) منسوخ کر دی گئیں۔ تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ کوئی بھی کلام الٰہی کو منسوخ کرنے کا مجاز نہیں جب تک خود خدائے تعالیٰ کسی آیت کو منسوخ نہ کرے پھر مرزا صاحب اسکے کیونکر مجاز ہو سکتے

ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ روز افزوں ترقی میں نبوت مستقلہ سے بھی ترقی کا دعویٰ ہوگیا ہے۔ اگر متبعین کو مرزا صاحب کی تقریر سے معاد جسمانی کا انکار ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک وہ نبی مستقل بلکہ نبی سے بھی ایک درجہ بڑھ کر ہیں اور ان کی کتاب ازالۃ الاوہام ناسخ قرآن شریف قرار پاچکی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) خدا کرے کہ ایسا نہ ہو اور یہ حضرات خاتم النبیین ﷺ ہی کے کلمہ گو اور پورے قرآن کے معتقد ہیں۔

مشرکین و فلاسفہ جو قیامت کا انکار کرتے ہیں بڑی وجہ اس کی یہ مشاہدہ تھا کہ جب کوئی چیز فنا ہو جاتی ہے تو پھر وجود میں نہیں آتی اسی وجہ سے وہ کہتے تھے **من یعیدنا** یعنی ہمیں دوبارہ کون پیدا کرے گا اور فلاسفہ نے قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اعادۂ معدوم محال ہے حق تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے **کما خلقناکم اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین** یعنی ہم نے جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے ویسے ہی دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ کیونکہ اعادہ بہ نسبت ابتدائے تخلیق کے بہت آسان ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے **کما قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ وھو بکل خلق علیم**۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا تم کہو کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی ان کو زندہ کرے گا ہر چیز کو پیدا کرنے کا حال وہ خوب جانتا ہے۔ الحاصل جب آدمی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو تو اس کو قیامت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔

قیامت کے باب میں کم فہم اور جاہلوں کو یہ شبہات ہوتے ہیں کہ آیات و احادیث میں جو قیامت کے احوال مذکور ہیں باہم متعارض ہیں مثلاً کسی آیت میں یہ ہے کہ سب فرشتے اس روز آسمانوں پر چلے جائیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ سب زمین پر اتر آئیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب بے نور ہو کر گر جائیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ

زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آفتاب آجائیگا اور کسی میں یہ ہے کہ دوزخ میں دونوں ڈالے جائیں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم** غرض کہ آیات واحادیث کو دیکھنے سے اس قسم کے بہت شبہات پیدا ہوتے ہیں سو ان کو یوں دفع کرنا چاہیے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا جس میں مختلف اوقات میں مختلف کام ہوں گے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایک صدی میں کیسے کیسے انقلابات پیدا ہو جاتے ہیں آدمی جب اپنے بزرگوں کے زبانی ان کے اوائل حالات سنتا ہے اور اپنے زمانے کے حالات کو دیکھتا ہے تو ایک انقلاب عظیم پاتا ہے جس سے متحیر ہو جاتا ہے۔ جب ایک صدی میں یہ کیفیت ہو تو قیامت کے پچاس ہزار برس میں کس قدر انقلابات ہونا چاہیے اسی وجہ سے ایک وقت وہ ہوگا کہ تمام فرشتے زمین کے آسمانوں پر چلے جائیں گے اس کے بعد جب آسمانوں کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائیگا اور زمین پر شان و شوکت کے اظہار کی ضرورت ہوگی تو تمام فرشتوں کی صفوف زمین پر آراستہ کئے جائیں گے اور آفتاب کا نور زائل کر کے صرف اس کی گرمی کسی خاص مصلحت کے لحاظ سے باقی رکھی جائیگی پھر کسی وقت دوزخ میں بھی ڈال دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے روبرو بھی چند شبہات اس قسم کے پیش کئے گئے تھے۔ ان کا جواب جو انہوں نے دیا ہے اس سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے: **عن سعید** رضی اللہ عنہ **قال رجل لابن عباس** رضی اللہ عنہما **انی اجد فی القراٰن اشیاء تختلف علی قال ﴿فلا انساب بینھم یومئذٍ ولا یتساءلون واقبل بعضھم علی بعض یتساءلون ولا یکتمون اللّٰہ حدیثا ربنا ما کنا مشرکین فقد کتموا فی ھذہ﴾ الاٰیۃ. وقال ﴿والسماء بناھا﴾ الٰی قولہ ﴿دحاھا﴾ فذکر خلق السماء قبل خلق الارض ثم قال ﴿انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین﴾ الی ﴿طائعین﴾ فذکر فی**

هذه خلق الارض قبل السماء وقال ﴿وكان اللّٰه غفوراً رحيما عزيزاً حكيماً سميعاً بصيراً﴾ فكانه كان ثم مضىٰ فقال فلا انساب بينهم فى النفخة الاولىٰ ثم ينفخ فى الصور فصعق من فى السمٰوٰت ومن فى الارض الا من شاء اللّٰه فلا انساب عند ذٰلك ولايتساءلون ثم فى النفخة الأخرة اقبل بعضهم علىٰ بعض يتساءلون واما قوله ماكنا مشركين ولايكتمون اللّٰه فان اللّٰه يغفر لاهل الاخلاص ذنوبهم وقال المشركون تعالوا نقول لمنكن مشركين فختم علىٰ افواههم فتنطق ايديهم فعند ذٰلك عرف ان اللّٰه لم يكتم حديثا وعنده يود الذين كفروا. خلق الارض فى يومين ثم خلق السماء ثم استوىٰ الى السماء فسوهنَّ فى يومين اٰخرين ثم دحا الارض ودحيها ان اخرج منها الماء والمرعى وخلق الجبال والاكام وما بينهما فى يومين اٰخرين فذلک قوله دحاها وقوله خلق الارض فى يومين فجعلت الارض ومافيها من شئ فى اربعة ايام وخلقت السماء فى يومين وكان اللّٰه غفورًا رحيما سمى نفسه ذلک وذلک قوله اى لم يزل كذلک فان اللّٰه لم يرو شيئا الا اصاب بالذى اراد فلا يختلف عليک القراٰن فان كلا من عند اللّٰه۔ یعنی ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن شریف میں مجھے کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں میں نہ نسبی تعلق ہوگا نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ پھر دوسری آیت میں ہے ایک دوسرے کے پاس جائیں گے اور پوچھیں گے۔ دوسری آیت میں یہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے اور دوسری آیت میں ہے مشرک کہیں گے کہ یا اللہ ہم مشرک نہ تھے اس سے چھپانا ثابت ہے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی اور دوسری

آیت میں ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور **کان اللّٰہ غفوراً رحیما** وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور و رحیم گزشتہ زمانے میں تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نفخہ اولیٰ کے وقت کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر نفخہ اخریٰ کے بعد ایک دوسرے کو پوچھنے لگیں گے اور جب خدائے تعالیٰ اہل اخلاص کے گناہ معاف فرمادیگا تو مشرکین آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم بھی کہیں ہم مشرک نہ تھے اس وقت ان کے مونھوں پر مہر کردی جائیگی اور ہاتھ ان کے سب واقعات کہہ سنائیں گے کہ ہم نے یہ یہ کام کیا تھا اس وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ خدائے تعالیٰ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا اس وقت کفار آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی ایمان لائے ہوتے اور حق تعالیٰ نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور پھر دو دن میں آسمان بنائے اور اس کے بعد دو دن میں زمین سے پانی نکالا اور چراگاہ اور پہاڑ اور ٹیلے وغیرہ بنائے اس حساب سے زمین اور اس کے متعلقات چار دن میں آسمانوں سے پہلے اور بعد بنائے گئے اور آسمان دو دن میں۔ اور **کان اللّٰہ غفورا رحیما** وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام اپنے رکھے اور ہمیشہ ان صفات کے ساتھ متصف رہا جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور مغفرت وغیرہ کرتا ہے یہ بیان کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ قرآن میں اختلاف ہے سارا قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے اترا ہے ممکن نہیں کہ اس میں اختلاف ہو انتہی۔

الحاصل جس طریقہ کی تعلیم ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی اس سے ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تعارض اگر معلوم ہو تو ایسے طور پر اٹھایا جائے کہ کسی آیت کی تکذیب نہ ہو۔ اور ہر آیت کے معنی پورے طور پر باقی رہیں، نہ یہ کہ کسی غرض سے تعارض پیدا کر کے کلام الٰہی کو بدنام کریں پھر اس کو اٹھانے کے واسطے ایسی بدنما تاویلیں کریں جن سے خواہ مخواہ دوسری آیتوں کی تکذیب ہو جائے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے

واخرج نصر المقدسی فی الحجة عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال خرج رسول اللّٰہ ﷺ ومن وراء حجرة قوم یتجادلون فی القران فخرج محمرّة وجنتاه کانما تقطران دما فقال یا قوم لا تجادلوا بالقران فانما ضل من کان قبلکم بجدالھم ان القران لم ینزل لیکذب بعضه بعضا ولکن نزل لیصدق بعضه بعضا فما کان من محکمه فاعملوا وما کان من متشابهه فاٰمنوا به۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار آپ ﷺ کے پیچھے چند لوگ قرآن پاک کی آیت میں جھگڑ رہے تھے کہ حضرت برآمد ہوئے غصہ سے چہرہ مبارک اس قدر سرخ تھا کہ گویا خون ٹپکنے کو ہے اور فرمایا کہ تمہارے پیشتر کی اقوام اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ کتاب الٰہی میں جھگڑنے لگے قرآن اس واسطے نہیں نازل ہوا کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی تکذیب ہو بلکہ اس واسطے نازل ہوا کہ ایک آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے سو جو محکم ہے اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہے اس کا صرف یقین کرلو۔

مرزا صاحب یقین کو نزدیک نہیں آنے دیتے بلکہ جن آیتوں کا یقین تھا ان میں نئے نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرور ہے کہ ہمیشہ ان شبہات سے پناہ مانگتے رہیں حق تعالیٰ نے ایسے ہی مواقع کے لئے مسلمانوں کو پہلے ہی تعلیم کردی چنانچہ ارشاد ہے ﴿الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس﴾ اللّٰھم انا نعوذبک من ھذه الوساوس والشبھات۔ اور بخاری شریف میں ہے۔ باب منه اٰیات محکمات وقال مجاھد الحلال والحرام واخر متشابھات یصدق بعضه بعضا (کقوله تعالیٰ) ﴿وما یضل به الا الفاسقین﴾ (وکقوله جل ذکره) ﴿یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون﴾ (وکقوله) ﴿والذین اھتدوا زادھم ھدی﴾ یعنی آیات محکمات سے مراد حلال وحرام ہے ﴿واخر متشابھات﴾ یعنی دوسری

آیتیں متشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوائے حلال وحرام کے کل آیت متشابہ ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بروایت صحیح نقل کیا ہے **قال ابن عباس** رضی اللہ عنہما **وان اللّٰہ لم ینزل شیئا الا وقد اصاب بالذی اراد ولکن اکثر الناس لا یعلمون** یعنی حق تعالیٰ نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے اس کی مراد نہایت صحیح اور واقعی ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ غرضیکہ آیات واحادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آیات کلام اللہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے اور تعارض ظاہراً معلوم ہو تو وہ اپنے فہم کا قصور ہے کلام الٰہی اس سے بری ہے مگر مرزا صاحب کو عیسویت کے دھن میں کچھ نہیں سوجھتا اور خواہ مخواہ آیات میں تعارض پیدا کر کے معاد جسمانی کی آیتوں پر جن سے قرآن بھرا ہوا ہے حملہ کر رہے ہیں اور صاف طور سے اس کا انکار ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ مسیح کا زمین پر اترنا ہر طرح سے باطل کر دیں مگر ظاہراً چند آیتیں پیش کرتے ہیں کہ وہ متعارض ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں مسیح ابن مریم جس کی روح اٹھائی گئی بر طبق آیات کریمہ **یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی.** بہشت میں داخل ہو چکے پھر کیوں کر اس غم کدہ میں آجائیں اور جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے پھر وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لایمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجینo واما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا مادامت السمٰوٰت والارض الا ماشاء اللّٰہ عطاء غیر مجذوذ۔** ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں بھی بہشتیوں کے ہمیشہ بہشت میں رہنے کا جابجا ذکر ہے اور سارا قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ فرماتا ہے **ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وھم فیھا خالدون. اولٰئک اصحاب الجنۃ**

هم فيها خالدون وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مومن کوفوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہو رہا ہے **قيل ادخل الجنة قال ياليت قومي يعلمون بما غفرلي ربي وجعلني من المكرمين.** اور دوسری آیت یہ ہے **فادخلي في عبادي وادخلي جنتي.** اور تیسری آیت یہ ہے **ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم يرزقون فرحين بما اتٰهم الله من فضله** اور احادیث میں تو اس قدر کا بیان ہے کہ جس کا باستیفا ذکر کرنا موجب تطویل ہوگا بلکہ خود آنحضرت ﷺ اپنا چشم دید ماجرا بیان فرماتے ہیں کہ مجھے دوزخ دکھلایا گیا تو میں نے اس میں اکثر عورتیں دیکھی اور بہشت دکھلایا تو اکثر ان میں فقراء تھے انتہی۔

مطلب اس کا یہ ہوا کہ ان تین آیتوں سے ثابت ہے کہ مرتے ہی آدمی جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس سے نہیں نکلتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ قیامت زمین پر نہ ہوگی اور جتنی آیتیں معاد جسمانی زمین پر ہونے کی ہیں جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور صدہا حدیثیں جن سے ہزارہا کتابیں بھری ہیں کوئی اعتبار اور اعتقاد کے قابل نہیں۔

اب ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ صدہا آیتوں کے مقابل دو تین آیتیں مخالف معلوم ہوں تو وہ مخالفت قصور فہم کی وجہ سے سمجھی جائے گی یا واقعی؟ جس سے ان تمام آیات کثیرہ کی تکذیب کی ضرورت ہو۔ کیا مرزا صاحب کا صدہا آیتوں پر اس غرض سے حملہ کرنا کہ بے کھٹکا عیسیٰ موعود خود بن جائیں عقلاء کو یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ صرف دنیاوی غرض سے وہ قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے کسی دعویٰ میں ہرگز صادق نہیں ہو سکتے اور نہ کسی دینی خدمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کے استدلال کا حال بھی دیکھ

لیجئے یاایتھا النفس المطمئنۃ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ارواح مرتے ہی بلا توقف بہشت میں داخل ہوجاتی ہیں۔

مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا نہ اس میں موت کا ذکر ہے، نہ مرتے ہی جنت میں داخل ہونے کی تصریح بلکہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا جو سیاق آیت سے خود ظاہر ہے کیونکہ پوری آیت شریفہ یہ ہے **فیومئذ لا یعذب عذابہ احدo ولایوثق وثاقہ احدo یاایتھا النفس المطمئنۃo ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃo فادخلی فی عبادیo وادخلی جنتیo** اوپر سے قیامت کا ذکر چلا آرہا ہے: **کما قال تعالیٰ اذا دکت الارض دکا دکا** الآیۃ اس سے ظاہر ہے کہ **فیومئذ** سے مراد قیامت ہی ہے اور اسی روز ارواح کو یہ خطاب **ادخلی فی جنتی** ہوگا۔
چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزیہ میں لکھتے ہیں۔ دوراں روز پر ہول یعنی روز قیامت کہ اول وہلہ ہر ہمہ را از نیکاں وبداں اضطراب وفزع لاحق گردو مطیعان ونیکان راتسلی بخشندوندا دررسد کہ **یاایتھا النفس المطمئنۃ** اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در منثور میں لکھتے ہیں **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قولہ ارجعی الی ربک قال ترد الارواح یوم القیمۃ فی الاجساد** یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ارواح کہ جو **ارجعی الی ربک** کا خطاب ہوگا وہ قیامت کے روز ہوگا کہ اپنے اجساد میں داخل ہوکر محشر میں حاضر ہوجائیں۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے **عن سعید بن جبیر** رضی اللہ عنہ **ثم یطیر الارواح فتؤمر ان تدخل الاجساد فھو قولہ : ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** یعنی سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی یہی مطلب اس آیہ شریفہ کا کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اجساد میں ارواح کو داخل ہونے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ اڑ اڑ کر اجساد میں داخل ہوجائیں گے اور یہ روایت

بھی اس میں ہے وعن ابی صالح رضی اللہ عنہ **فی قوله ارجعی الی ربک قال هذا عند الموت رجوعها الی ربها خروجها من الدنيا فاذا كان يوم القيمة قيل لها ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی**۔ یعنی ابی صالح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **ارجعی الی ربک** کا خطاب روح کو موت کے وقت ہوتا ہے اس کا دنیا سے نکلنا رب کی طرف رجوع ہونا ہے اور جب قیامت کا روز ہوگا تو **ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** کہا جائیگا۔ اور اسی درمنثور میں ہے **عن زید بن اسلم** رضی اللہ عنہ **یاایتها النفس المطمئنة** الآیۃ **قال بشرت بالجنة عند الموت وعند البعث ویوم الجمع**۔ یعنی زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ **یاایتها النفس المطمئنة** کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خوشخبری روح کو موت کے وقت اور قیامت کے روز دی جائے گی کہ جب دخول جنت کا وقت آجائیگا اس وقت داخل ہو جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **واما الذین سعدوا ففی الجنة** یعنی جتنے سعید لوگ ہیں جنت میں ہیں اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہر سعید ازلی نزول آیت کے وقت جنت میں چلا گیا تھا۔ جس سے حقیقی طور پر ظرفیت صادق آئے بلکہ وہ سعداء کو بشارت ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے کا وقت آجائیگا اس وقت داخل ہو جائیں گے۔ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت **ادخلی فی جسد عبدی** ہے یعنی قیامت کے روز نفس مطمئنہ کو حکم ہوگا کہ میرے بندہ کے جسد میں داخل ہو جا۔ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما **فادخلی فی عبادی** پڑھتے تھے جس کا مطلب وہی ہے کہ جسد میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن شریف کی پوری آیت جو ابھی لکھی گئی اس کے سیاق سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز **ادخلی جنتی** کا خطاب ہوگا مگر مرزا صاحب پوری آیت نہیں پڑھتے اور صرف **ادخلی جنتی** سے استدلال کرتے ہیں اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ نماز

کے پاس جانے کا حکم نہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کردی کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **یاایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلٰوۃ** کسی نے کہا **وانتم سکاریٰ** بھی تو اسی کے ساتھ مذکور ہے جس سے مطلب ظاہر ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو اس نے جواب دیا کہ یوں تو سارا قرآن پڑا ہوا ہے مگر آخر **لا تقربوا الصلٰوۃ** بھی تو کلام الٰہی ہے۔ اہل ایمان غور کریں کیا اس قسم کا استدلال کرنے والا مسلمان سمجھا جائیگا یا یہ سمجھا جائیگا کہ قرآن پر اس کو ایمان ہی نہیں کیونکہ صراحۃً جو قید مذکور ہے اس کو اپنی بات بنانے کے لئے اس نے حذف کر دیا۔

اب مرزا صاحب کو بھی دیکھ لیجئے کہ یہی کام کر رہے ہیں یا نہیں؟ حق تعالیٰ پوری آیت میں قیامت کا ذکر فرماتا ہے اور مرزا صاحب اپنی بات بنانے کے لئے اس کو حذف کر کے ایک حصہ سے استدلال کرتے ہیں اور موت کے ساتھ اس کو خاص کرتے ہیں اب کیونکر کہا جائے کہ مرزا صاحب کو قرآن پر ایمان ہے۔

رسالہ ''الحق الصریح'' میں مرزا صاحب کی تحریر جو درج ہے اس سے ظاہر ہے کہ **وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ** میں ایک قراءت شاذہ **قبل موتھم** بھی ہے جو ان کے مفید مدعا ہے اس قراءت شاذہ پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے بلکہ وہ احتمال صحت رکھتی ہے انتہی۔

مقصود کہ قراءت شاذہ بلکہ حدیث ضعیف بھی اعتماد کے قابل ہے۔ اس بناء پر ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ دو قراءتیں ایسے جلیل القدر صحابیوں کی ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما جو ترجمان القرآن ہیں اور دوسرے ابن مسعود رضی اللہ عنہ جن کی فضیلت صحابہ کے نزدیک مسلم ہے۔ گواہ عادل اس بات پر ہیں کہ **ادخلی جنتی** کا حکم قیامت کے روز ارواح کو اس

واسطے ہوگا کہ وہ اپنے اپنے اجساد میں داخل ہو جائیں موت کے وقت اس حکم سے کوئی تعلق نہیں اور قراءت متواترہ کی تفسیر جو ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کی ہے وہ بھی اسی کے مطابق ہے اور سیاق آیت سے بھی ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ارواح کو یہ حکم ہوگا اور جتنی آیتیں معاد جسمانی کے باب میں وارد ہیں سب کا مفاد یہ ہے کہ حشر زمین پر ہوگا اور کل اولین وآخرین انبیاء وغیرہم کا میدان حشر میں موجود رہنا مصرح ہے **(کما قال تعالٰی ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم (وقوله تعالٰی ویوم نبعث فی کل امة شهیدا علیهم من انفسهم وجئنا بک علٰی هؤلاء شهیدا.** جن سے ظاہر ہے کہ اس روز کوئی بہشت میں نہ رہے گا اتنے دلائل کے بعد یہ کہنا کہ بہشتیوں کے بہشت سے نکلنے پر کوئی حدیث نہیں مرزا صاحب ہی کا کام ہے اگر مرزا صاحب کو اتنے دلائل ملتے تو معلوم نہیں کیا حشر برپا کرتے۔ حق تعالٰی صاف فرماتا ہے **یخرجون من الاجداث کانهم جراد منتشر** یعنی سب مردے قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے ٹڈے ہیں پراگندہ اور قیامت کے روز کا نام بھی حق تعالٰی نے یوم الخروج رکھا ہے **کما قال تعالٰی یوم یسمعون الصیحة بالحق ذلک یوم الخروج انا نحن نحی ونمیت** اور معاد جسمانی پر صدہا حدیثیں موجود ہیں جن کا تھوڑا سا حال اوپر معلوم ہوا باوجود اس کے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ایک حدیث بھی نہیں اور اس پر مرزا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جھوٹ شرک کے برابر ہے اس سے عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قول انکا دھوکا دینے کی غرض سے ہے یا نہیں۔

ازالۃ الاوہام میں عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے باب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نور علٰی نور ہے جس سے عمداً انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے انتہی۔

یہ بات تو ان شآء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہو جائے گی کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں ہمارے مفید ہیں یا مرزا صاحب کے۔ مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ معاد جسمانی کے باب میں مرزا صاحب صدہا آیات واحادیث سے جو عمداً انحراف کر رہے ہیں انہیں کے اقرار کے مطابق وہ بے ایمانی کر رہے ہیں یا نہیں؟ دراصل وہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ **ادخلی جنتی** سے جب مرتے ہی جنت میں داخل ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عدم خروج کے دلائل بہت ہیں۔ مگر یاد رہے کہ جب تک وہ قطعی طور پر یہ ثابت نہ کریں کہ مرتے ہی آدمی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جب تک ان تمام نصوص قطعیہ کا جواب نہ دیں جن سے معاد جسمانی اور حشر کا زمین پر ہونا ثابت ہے عدم خروج کی آیتیں ان کو مفید نہیں ہو سکتیں۔ اصل مغالطہ کا منشا یہ ہے کہ مرنے کے بعد بعضے روحانی طور پر جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اسی کو انہوں نے دخول حقیقی قرار دیا ہے۔ جس کے بعد خروج ممکن نہیں حالانکہ وہ دخول حشر اجساد واحیائے عظام کے بعد ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دخول روحانی وہ مانع خروج نہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بار بار روحانی طور پر جنت کی سیر کی ہے جس کا حال ان **شآء اللہ تعالیٰ** آئندہ معلوم ہوگا۔ اگر مرزا صاحب یہ فرق کر دیتے کہ شہداء وغیرہم کے ارواح جنت میں داخل اور نئے سرے سے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔ اس کے بعد جب داخل جنت ہوں گے تو پھر کبھی نہ نکلیں گے تو کوئی جھگڑا ابھی نہ تھا۔ تمام آیات واحادیث حشر جسمانی کے مسلّم رہتے اور پورے قرآن پر ایمان بھی ہو جاتا مگر عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر آنے کے خوف سے انہوں نے اس کو گوارہ نہ کیا اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ صدہا آیات واحادیث کا انکار لازم آجاتا ہے اور استدلال میں بھی چال نکالی کہ ایک احتمالی پہلو نصوص قطعیہ کے مخالف ہے پیش کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر نہیں نکلتا۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعۂ الہامات و مکاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی صرف کوے کی طرح یا بھیڑی کے مانند ایک نجاست کو ہم حلوا سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ بہت یاد ہوں گے انتہی۔

اب اہل انصاف خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جس فراست سے قرآن کی صدہا آیتوں اورحدیثوں کا ابطال ہو اس کا نام ایمانی فراست ہوگا یا بحسب اقرار مرزا صاحب بے ایمانی؟ اور داؤ پیچ کا بھی حال معلوم ہوگیا کہ ایک آیت کا احتمالی پہلو پیش کر کے صدہا نصوص قطعیہ کو رد کر دیا اور پھر فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان تو لاتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ و رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا۔ لیکن سبحان اللہ کیا ایمان و یقین ہے یہ ایمان کا طریقہ تو مرزا صاحب نے ایسا نکالا کہ آدمی تمام دنیا کے مذاہب وادیان کی تصدیق کر سکتا ہے مثلاً نصاریٰ سے کہہ دے کہ ہم تثلیث کو مانتے تو ہیں لیکن اور اس لیکن کے تحت میں منافیات تثلیث کو داخل کر دے۔ جتنے مشرکین تھے خدائے تعالیٰ کی خالقیت والوہیت کو یقینی طور پر مانتے تھے **کما قال تعالیٰ ولئن سالتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللّٰہ** مگر اس کے ساتھ **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللّٰہ زلفٰی** کا ''لیکن'' لگا رہتا ہے۔ اور منافق تو اس لیکن کو ظاہر بھی نہیں کرتے تھے صرف اس کی کیفیت ان کے دل میں رہتی تھی باوجود اس کے ان کا **آمنا** کہنا بے کار کر دیا گیا اور آخر **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** کے مستحق ٹھہرے۔ اب اس لیکن کے مطلب پر بھی غور کر لیجئے جب یہ تصریح مرزا صاحب نے کر دی کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے نہیں نکلتے۔ اسکے بعد اگر

پوچھا جائے کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ سب روحیں اجساد میں داخل ہو کر قیامت کے روز قبروں سے زمین پر نکلیں گے تو یہی جواب ہوگا کہ اس پر ایمان تو ہے لیکن بہشت سے نہیں نکلیں گے اور اگر کہا جائے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اولین وآخرین اس روز سب زمین پر ہوں گے تو یہی جواب ہوگا کہ اس کا یقین تو ہے لیکن بہشت سے کوئی نہ نکلے گا اور اگر کہا جائے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حشر میں ہر شخص پریشان رہے گا اور انبیاء تک نفسی نفسی کہیں گے تو جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح ہے لیکن جنت کے عیش وعشرت سے کوئی نہیں نکالا جائے گا۔ غرض کہ جتنی آیات واحادیث اس باب میں وارد ہیں سب کی فوراً تصدیق کی جائے گی مگر لفظ لیکن اس کے ساتھ لگا رہے گا۔ اس کے مناسب حکایت ہے کسی مولوی صاحب نے ایک صاحب سے پوچھا جن کو سیادت کا دعویٰ تھا کہ آپ کون سے سید ہیں حسنی یا حسینی انہوں نے کہا کہ میں سید ابراہیمی ہوں یعنی آنحضرت ﷺ کے خاص فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہوں۔ مولوی صاحب نے احادیث اور انساب اور تواریخ کی کتابیں پیش کیں کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال حالت طفولیت میں ہو گیا ہے سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا وہ سب صحیح ہے لیکن بندہ تو سید ابراہیمی ہے۔ اب ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ باوجود اس لیکن کے یہ کہنا کہ خدا رسول نے قیامت کے باب میں جو کچھ فرمایا وہ سب کچھ ہوگا اور اس پر ہمارا یقین اور ایمان ہے کیا دھوکے کی ٹٹی نہیں ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا داؤ پیچ ہو سکتے ہیں۔ جن کو تھوڑی سی بھی فراست ہو اس کو بخوبی معلوم کر سکتے ہیں۔

ان مقامات میں جو جو آیات واحادیث وارد ہیں مرزا صاحب کو ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور یہ وہی نقشہ ہے جو انہوں نے ازالۃ الاوہام میں عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کے باب میں کھینچا ہے کہ ہمارے مخالفین کو ان تمام شواہد میں سے کوئی مدد نہیں دیتا قرآن کریم کے سامنے جاتے ہیں تو قرآن کریم کہتا ہے کہ چل دور ہو میرے خزانہ حکمت میں تیرے

خیال کے لئے کوئی مؤید بات نہیں پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو حدیثیں کہتی ہیں کہ اے سرکش قوم یک جائی سے ہمیں دیکھ اور مومن بعض اور کافر بعض نہ ہوتا تو تجھے معلوم ہو کہ میں قرآن کے مخالف نہیں انتہی۔

اسکا تصفیہ تو اپنے مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جائیگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں آیات واحادیث ان کو رد کرتے ہیں یا ان کے مخالفین کو مگر یہاں تو ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب قرآن کی جس آیت کے سامنے جاتے ہیں وہ صاف کہتی ہے کہ چل دور ہو تیرے خیالی اور اختراعی باتوں سے میں بری اور بیزار ہوں پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو ان کا ایک لشکر کثیر شمشیر بکف ہے کہ جتنی باتیں تیری معارض قرآن ہیں سب واجب القتل ہیں مگر مرزا صاحب عیسویت پر عاشق دل دادہ ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں ان کا عشق اس سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا قیامت کے روز بھی زمین پر اترنا ناگوار ہے اگر نصوص قطعیہ کے مطابق زمین پر حشر ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود ہوں تو یہ تو نہ ہوگا کہ قتل دجال وغیرہ کی ضرورت ہوگی جس سے مزاحمت کا اندیشہ ہو۔ پھر جب مرزا صاحب کا اس میں کوئی ذاتی ضرر متصور نہیں تو ناحق آیات واحادیث کثیرہ سے مخالفت پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر چہ انہوں نے یہ سوچا ہے کہ بطور ترقی یہ کہا جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت کے روز بھی زمین پر نہیں اتر سکتے مگر یہ بات ضرورت سے زیادہ ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کے لحاظ سے اتنی آیات واحادیث سے مخالفت کی جائے۔ دراصل یہ بھی اسی عشق کا ایک شعبہ ہے اور اس قسم کی صدہا باتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ بمصداق حدیث شریف **حبک للشی یعمی ویصم** عیسویت کے شوق میں ان کو نہ قرآن کریم کی مخالفت کی پرواہے، نہ حدیث شریف کی۔ جب ان کو اس درجہ کا عشق ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو امور ان کے مقصود کے مزاحم اور مانع ہوں تو ان کو

کس نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ عشاق تو ناصح خیر خواہ کو بھی دشمن سمجھتے ہیں چہ جائیکہ موانع اور وہ امور جو مقصود کی طرف جانے سے روک دیں ان کا بس چلے تو روکنے والوں کو بلا تامل قتل ہی کروالیں۔ جیسا محمد بن تومرت نے کیا تھا جس کا حال اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کی اس عاشقانہ رفتار میں جگہ جگہ آیات و احادیث جو مزاحمت کر رہی ہیں کس قدر ان کے دل آزار اور ناگوار خاطر ہوں گی جب ہی تو وہ بے باکانہ حملے پر حملے کئے جاتے ہیں نہ کسی آیت کو وہ چھوڑتے ہیں نہ حدیث کو۔ **انا ولا غیری** کے نشے میں سرشار ہیں اور ہر معرکہ میں زبان آوری کے جوہر دکھاتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے مقصود کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ اس وقت مرزا صاحب کا کوئی دشمن سوا آیات و احادیث کے نظر نہیں آتا جو دائیں بائیں طرف سے ان پر حملہ آور ہوا اگر اہل اسلام مخالفت کر رہے ہیں تو وہ و کالعدم ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے مسیح بن جانے سے نہ ان کے کسی منصب پر اثر پڑتا ہے، نہ کوئی نقصان ہے۔

اس مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے جو خواب دیکھا تھا کہ ایک لمبی تلوار جس کی نوک آسمان تک پہنچی ہے ان کے ہاتھ میں ہے اور داہنے بائیں چلا رہے ہیں اور ہزار ہا دشمن اس سے مارے جا رہے ہیں۔ اس کی تعبیر یہی ہے کہ ہزار ہا آیات و احادیث کا خون کریں گے جس کا وقوع ہو گیا اور غزنوی صاحب نے جو حسن ظن سے تعبیر دی تھی اس کو مشاہدہ غلط ثابت کر رہا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ خواب کی تعبیر میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں جو وحی یا کشف خواب کے ذریعہ کسی نبی کو ہووے اس کی تعبیر کرنے میں غلطی بھی ہوسکتی ہے انتہی۔

جب بقول مرزا صاحب ایسے قابل وثوق خواب میں غلطی ہو جو نبی نے دیکھا ہو اور بذریعہ وحی ہو تو دوسرے خواب اوروں کے اور ان کی تعبیر کس حساب وشمار میں۔ یہ بات

بھی لائق توجہ ہے کہ جو تعبیر ہم نے بیان کی ہے اس پر ایک بہت بڑا قرینہ یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تلوار کی نوک آسمان تک پہنچی ہے جس سے اشارہ ہے کہ آسمانی کتاب اور آسمانی نبوت کے مکاشفات اور اخبار پر اسی تلوار سے حملہ ہوگا **واللّٰہ اعلم بالصواب**۔

جب اس رؤیا کی تعبیر بحسب مشاہدہ اور قرینہ تو یہ یہ ثابت ہوئی تو مرزا صاحب کا یہ قول جو ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئیگا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائیگا، جہل شیوع پا جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے **لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس** یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا انتہی۔

یعنی اس وقت علم قرآن کو خود نے ثریا سے لایا ہے رؤیائے مذکورہ کے خلاف ہے اس لئے کہ تلوار کی نوک آسمان اور ثریا تک پہنچنے کا مطلب تو یہی ہے کہ اگر قرآن ثریا پر بھی جائے تو اس تلوار سے اس کا کام وہیں تمام کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تلوار کی نوک سے تلوار ہی کا کام لیا جاتا ہے۔

جب الہامات وغیرہ سے ظاہر ہوگیا کہ قرآن وحدیث کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں اور یہ اصول قرار دیا ہے کہ تفسیر وحدیث وآثار صحابہ وغیرہ کوئی قابل اعتبار نہیں اور اس پر قرآن کے معارف دانی کا دعوٰی ہے تو جو معارف مرزا صاحب ایجاد کرتے ہیں وہ ضرور ایسے ہوں گے کہ نہ کسی مسلمان نے ان کو سنا ہوگا، نہ ان کے آباء واجداد نے۔ سو ایسے معارف سننے والے بھی ایسے ہی ہونا چاہیے کہ جن کو دین بطور وراثت باپ دادا سے پہنچا نہ ہو کیونکہ جہاں دین نیا ہو تو دین دار بھی نئے ہی ہوں گے نبی ﷺ نے اس قسم کے معارف بیان کرنے والوں کی نسبت صاف فرما دیا ہے کہ ان کو جھوٹے اور دجال سمجھو چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ درمنثور میں لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت کی ہے **عن ابی ہریرۃ** رضی اللہ عنہ

ان رسول اللہ ﷺ قال سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لایفتنونکم یعنی فرمایا نبی ﷺ نے میری امت میں بہت سے دجال جھوٹے ہوں گے جو مسلمانوں کے روبرو ایسی نئی نئی باتیں پیش کریں گے کہ نہ انہوں نے سنی، نہ ان کے باپ دادا نے ایسے لوگوں سے بچتے رہو کہیں وہ فتنہ میں نہ ڈال دیں انتہی۔

مرزا صاحب کی کاروائیاں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہر دو پیش نظر ہیں۔ اہل ایمان تھوڑی توجہ کریں تو قیاس سے صحیح نتیجہ نکال لے سکتے ہیں کہ وہ کیسے شخص ہیں کیا اب بھی مسلمانوں کو مرزا صاحب کے معاملہ میں کوئی شک کا موقع اور عذر باقی ہے۔ اب حدیث کو دیکھئے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکو روایت کی ہے جن کی جلالت شان یہ ہے کہ مرزا صاحب خود ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ امام شعرانی صاحب نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا دستخطی ان کے صحبتی شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام تھا جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت تک پچھتر (۷۵) دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب سے اس حضوری سے رک جاؤں گا تو قلعہ میں جاتا اور تمہاری سفارش کرتا۔ چونکہ مرزا صاحب نے بلا جرح واعتراض بطیب خاطر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اسلئے ہم حتی الوسع امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے احادیث نقل کیا کرتے ہیں تا کہ مرزا صاحب کو ان کے مان لینے میں تامل نہ ہو اور جس کتاب سے

حدیث مذکورہ بالا کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے وہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مسند ہے جن کی شاگردی پر اکابر محدثین کو ناز ہے اور خود مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں حدیث **من مات بغیر امام مات میتة جاهلیة** کو انہیں کی اسی مسند سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے کیونکہ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں سو بموجب اس نبوی وصیت کے ضروری ہوا کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے انتہی۔

اس کے بعد اپنے امام الوقت ہونے کی تقریر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جو مجھے امام نہ مانے وہ اس شقاوت میں گرفتار ہوگا جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں، نہ فسق، نہ کفر یعنی فاسق و کافر ہوگا۔ اب دیکھئے کہ مسند موصوف کو بقول مرزا صاحب کس درجہ پر قوت ہے کہ اس کی حدیث پر عمل نہ کرنے والا فاسق بلکہ کافر ہو جاتا ہے پھر اسی کتاب کی وہ حدیث واجب العمل کیوں نہ ہو جس سے نئی غیر معروف باتیں بنانے والے دجال و کذاب ثابت ہوتے ہیں۔

من مات بغیر امام کی حدیث میں چونکہ مرزا صاحب کا نام نہیں ہے اس لئے اس سے خاص مرزا صاحب کا امام زماں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے جو شخص ایسی نئی باتیں بیان کرے جو مسلمانوں نے اور ان کے آباء اجداد نے نہیں سنی اس کو دجال و کذاب و فتنہ پرداز سمجھنا بحسب اقرار مرزا صاحب صراحۃً اس حدیث سے لازم اور واجب ہے خدا کرے مرزا صاحب ایسی نئی باتیں بنانا چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے معتمد علیہ بن جائیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف تو صراحۃً بآواز بلند کہہ رہی ہے کہ نئی باتیں بنانے والا دجال و کذاب ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سے مستفاد ہے کہ نصوص

کیسے ہی صراحت سے وارد ہوں مگر مرزا صاحب کے قول کے مقابلے میں وہ سب ترک کر دی جائیں۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں۔ صرف الہام کے ذریعہ ایک مسلمان اس کے معنی آپ پر کھولتا ہے کہ ابن مریم سے اس جگہ درحقیقت ابن مریم مراد نہیں ہے تب بھی بمقابل اس کے آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا کہ ابن مریم سے مراد درحقیقت ابن مریم ہی ہے کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہام الٰہی قرینہ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں انتہیٰ۔

دیکھ لیجئے ابتدائے اسلام سے آج تک کسی نے کہا نہ سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام مر کر زمین میں دفن ہو گئے اور ان کا ہم نام یا مثیل پیدا ہو کر پادریوں کا جواب دیگا اور پادری لوگ ہی دجال ہیں۔ اسی طرح قیامت کا جنت میں ہونا وغیرہ ایسے امور جو مرزا صاحب سنا رہے ہیں ایسے ہیں کہ کسی مسلمان نے نہیں سنے اور آیات واحادیث میں کھلے الفاظوں میں موجود ہے کہ قیامت زمین پر ہوگی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام قبل قیامت زمین پر آئیں گے ایسے موقع میں مرزا صاحب پر حسن ظن کیا جائے یا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ جو شخص نئی باتیں بنائے وہ دجال وکذاب سمجھا جائے۔ ہمارے کہنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے معتقد علیہ کی بات کو خود مان لے گا **وما علینا الا البلاغ۔**

اگر مرزا صاحب کے مخترعات پر حسن ظن ضرور ہے تو ابومنصور کے کشف مذکور کے الہامات کیوں قابل حسن ظن نہ ہوں آخر اس کا بھی دعویٰ الہام ہی سے تھا کہ **حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر** کے معنی یہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بزرگوں کے نام تھے جن کی حرمت وتعظیم کی ضرورت تھی اس وجہ سے مردار اور خون اور گوشت خنزیر وغیرہ کی حرمت ثابت نہیں علیٰ ہذا القیاس جتنے مدعیان الہام گزرے ہیں سب کا یہی دعویٰ تھا کہ ہمارے الہام حجت ہیں اور اسی قسم کے دلائل انہوں نے بھی قائم کئے

ہوں گے کہ کلام خدا اور رسول کو پھیرنے کے لئے الہام الٰہی قرینہ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں۔ انہی وجوہات سے ہزاروں ان کے بھی پیرو ہو گئے تھے مگر درحقیقت وہ جھوٹے تھے جن کے کذاب و دجال ہونے کے قائل غالباً مرزا صاحب بھی ہوں گے۔ اب ان صدہا تجربوں کے بعد بھی اگر مرزا صاحب کے الہاموں پر حسن ظن کیا جائے تو یہ مقولہ صادق آ جائیگا **من جرب المجرب حلت به الندامة** مگر یہ ندامت قیامت کے روز خدا اور رسول کے روبرو کچھ مفید نہ ہوگی۔

غرض کہ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں چلا جاتا ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کی تھی **ادخلی جنتی** سو اس کا حال معلوم ہو گیا کہ اس آیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ سیاق آیت سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز یہ ارشاد ہوگا جس پر دوسری آیات بھی ناطق ہیں اور اگر موت کے وقت کہا بھی جاتا ہو تو بطور بشارت ہے کہ وقت پر داخل ہو جائے۔

اور اس آیہ شریفہ سے بھی استدلال کرتے ہیں قولہ تعالیٰ **قیل ادخل الجنة قال یالیت قومی یعلمونo بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمینo** یہ ایک شخصی واقعہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے **وجاء من اقصی المدینه رجل یسعٰی (الیٰ قوله تعالیٰ) قیل ادخل الجنة** میں ذکر فرمایا ہے ما حصل اس کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کی طرف اپنے حواریین سے تین شخصوں کو بھیجا تھا کہ ان کو توحید کی دعوت کریں انہوں نے ان سب کو مار ڈالا اس اثناء میں ایک بزرگ جن کا نام حبیب تھا وہ بھی آئے اور اس قوم کو نصیحت کر کے اپنا ایمان ظاہر کیا انہوں نے ان کو بھی شہید کر ڈالا حق تعالیٰ اس بزرگ کا حال بیان فرماتا ہے۔ **قیل ادخل الجنة قال یالیت قومی یعلمونo بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمینo** یعنی اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو

اس نے کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت دی۔ اس واقعہ پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں کہ مرتے ہی جنتی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف اسی قدر ہے کہ اس شخص سے کہا گیا تھا کہ جنت میں داخل ہو جا یہ تو نہیں کہا گیا ابھی داخل ہو جا اگر فی الحقیقت ان کے داخل ہو جانے کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا تو **ادخلناہ فی الجنۃ** ارشاد ہوتا یعنی ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا کیونکہ یہاں اس بزرگ کی جاں بازی کے معاوضہ میں اپنے کمال فضل کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ فن بلاغت میں بلاغت کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو **کما قال فی التلخیص البلاغۃ فی الکلام مطابقۃ لمقتضی الحال مع فصاحۃ** اب دیکھئے کہ اگر وہ ایک بزرگ داخل جنت ہو گئے ہوتے مقتضائے حال لفظ **ادخلناہ** تھا نہ **قیل ادخل الجنۃ** اور جب **قیل ادخل** ارشاد ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف بشارت مقصود تھی ورنہ کلام مطابق مقتضائے حال نہ ہوگا حالانکہ کلام الٰہی میں یہ بات محال ہے اگر کہا جائے کہ حق تعالیٰ کا فرمانا بھی دخول جنت کے لئے کافی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ لفظ **قیل ادخل** سے دو احتمال پیدا ہوتے ہیں ایک فوراً داخل ہو جانا دوسرا وقت معین پر یعنی قیامت کے روز داخل ہونے کی بشارت اس صورت میں وہ احتمال لینا جو مخالف قرآن ہے ہرگز جائز نہیں۔ پھر ایسا احتمالی پہلو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی صاف ارشاد ہو جاتا کہ ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا جس سے کوئی احتمال ہی باقی نہ رہتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ دخول روحانی تھا جو عارضی طور پر ہوا کرتا ہے۔ غرض کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مرتے ہی ہر شخص جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے نہیں نکلتا۔

اور یہ آیہ شریفہ بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم** یعنی شہیدوں کو مردہ مت سمجھو وہ اللہ کے

پاس زندہ ہیں۔

اس میں تو جنت کا نام بھی نہیں رہا اللہ کے پاس زندہ رہنا سو اس میں جنت کی کیا خصوصیت۔ دیکھ لیجئے فرشتے زندہ ہیں اور جنت میں نہیں ہیں اور اگر کہا جائے کہ فرشتے آسمانوں میں ہیں اور جنتیں بھی وہیں ہیں جس سے یہ لازم آتا کہ کل آسمانی فرشتے جنت میں ہیں تو پھر یہ کہنا کہ جنت میں داخل شدہ خارج نہیں ہو سکتا صحیح نہیں اس لئے کہ فرشتے زمین پر برابر اترتے رہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **تنزل الملئکة والروح** اس صورت میں ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان فرشتوں کے ساتھ اتر آئیں۔ غرض کہ زندگی کے واسطے جنت کی ضرورت نہیں اگر قبر ہی میں خاص طور پر زندہ رہیں تو **احیاء عند ربھم** جب بھی صادق آئیگا اور قرب کے لئے نہ آسمانوں کی ضرورت ہے، نہ جنت کی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **نحن اقرب الیه من حبل الورید (وقوله تعالیٰ) فلولا اذا بلغت الحلقوم○ وانتم حینئذٍ تنظرون○ ونحن اقرب الیه منکم ولکن لا تبصرون○** یعنی جب روح حلق کو پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے رہتے ہو اور ہم تم سے زیادہ تر نزدیک اس کے رہتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے اس سے ظاہر ہے کہ "**عند**" کا مضمون ہر وقت صادق ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ شہداء کو خاص طور پر تقرب ہے مگر اس سے ثابت یہ نہیں ہو سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کا داخل ہونا بعد حشر کے ہوگا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وسیق الذین اتقوا ربھم الی الجنة زمرا حتی اذا جاءوھا وفتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین** ترجمہ: جو لوگ متقی ہیں ان کے گروہ در گروہ جنت کی طرف جائیں گے۔ جب وہ لوگ وہاں پہنچیں گے اور دروازے کھولے جائیں گے تو دربان کہیں گے سلام ہے تم پر خوش رہو اور داخل ہو اور ہمیشہ اسی میں رہو۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت میں تو قیامت کا ذکر نہیں

ہے تو ہم کہیں گے کہ اس میں موت کا بھی ذکر نہیں ہے ظاہر آیت سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ متقی لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر نبی ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ قیامت کے روز وہ داخل جنت ہوں گے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے۔

اخرج النسائی والحاکم وابن حبان عن ابی ہریرۃ وابی سعید رضی اللہ عنہما **ان النبی** ﷺ **قال ما من عبد یصلی الصلوات الخمس ویصوم رمضان ویخرج الزکوۃ ویجتنب الکبائر السبع الا فتحت لہ ابواب الجنۃ الثمانیۃ یوم القیٰمۃ** یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزہ رکھے اور زکوۃ دے اور ساتوں گناہ کبیرہ سے بچے تو قیامت کے روز اس کے واسطے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے انتہی۔

اب غور کیا جائے کہ اگر وہ لوگ جنت میں داخل شدہ تجویز کیے جائیں تو قرآن و حدیث کے مطابق پھر دوبارہ ان کو اس روز جنت میں داخل ہونا پڑے گا اور وہ کس قدر خلاف عقل ہے کیونکہ عقلاء جانتے ہیں کہ تحصیل حاصل محال ہے۔

الحاصل آیہ شریفہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ شہداء قیامت سے پہلے جنت میں داخل ہوجاتے ہیں البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں داخل ہوجاتی ہیں۔

چونکہ مرزا صاحب کی عادت ہے کہ جو احادیث ان کے مقصود کے مضر ہوتی ہیں ان کو نظر انداز کیا کرتے ہیں چنانچہ حشر اجساد کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کو نظر انداز کردیا اور ایک کا بھی جواب نہ دیا اسی طرح ہم کو بھی اس مقام میں احادیث سے تعرض کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر اپنے ہم مشربوں کے خیال سے ان احادیث کا بھی مطلب بیان کردیتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دخول جنت روحانی

طور پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے منجملہ ان کے ایک یہ ہے جو بخاری و مسلم اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے **عن انس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ ﷺ دخلت الجنة فاذا انا بقصر من ذهب فقلت لمن هذا القصر قالوا الشاب من قريش فظننت انی انا هو قلت ومن هو قالوا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فلولا علمت من غيرتك لدخلته** یعنی فرمایا نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ میں جنت میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک محل سونے کا بنا ہوا ہے میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے لوگوں نے کہا ایک جوان قریشی کا ہے میں نے خیال کیا کہ شاید وہ میرا ہوگا مگر پھر پوچھا کہ وہ کون شخص ہے کہا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اگر تمہاری غیرت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس محل میں چلا جاتا انتہی۔

اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو بخاری میں مذکور ہے **عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ بينا انا اسير فی الجنة اذا انا بنهر حافتاه قباب الدر المجوف قلت ما هذا يا جبرئيل قال هذا الكوثر الذی اعطاك ربك فاذا طيبه او طينه مسك اذفر شك هدبة** (رواه البخاری كذا فی المشكوة) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے ایک بار میں جنت میں سیر کر رہا تھا ایک نہر پر جا نکلا جس کے کنارے مجوف موتی کے قبے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ وہی کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ ﷺ کو دیا ہے دیکھا تو اس کا کیچڑ مشک اذفر ہے انتہی۔

اگرچہ ان حدیثوں میں خواب کی تصریح نہیں ممکن ہے کہ شب معراج حالت بیداری میں تشریف لے گئے ہوں مگر علی سبیل التنزل دخول روحانی میں تو کلام ہی نہیں جس سے یہ ثابت ہے کہ دخول روحانی مانع خروج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شہداء بھی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جس کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

نے درمنثور میں مسند امام احمد ابن حنبل اور ابوداؤد اور مستدرک وحاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے
اخرج احمد و ابوداؤد والحاکم وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **لما اصیب اخوانکم باحد جعل اللّٰہ ارواحھم فی اجواف طیر خضر ترد انھار الجنۃ وتاکل ثمارھا وتاوی الٰی قنادیل من ذھب معلقۃ فی ظل العرش** الحدیث یعنی نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی جب احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز سبز پرندوں میں رکھا وہ جنت کے نہروں پر جاتے ہیں اور میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قنادیل میں رہتے ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں انتہی۔

شہداء کا روحانی اور عارضی طور پر جنت میں جانا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کی روحیں پرندوں میں رکھی گئیں اور مقام ان کا قنادیل قرار دیا گیا نہ حور وغلمان سے ان کو تعلق ہے، نہ تخت وتاج سے کام، نہ لباس وزیور سے آرائش، نہ ان کے لئے فرش وفروش۔ حالانکہ یہ امور جنتیوں کے لئے لازم ہیں جس کا حال ابھی معلوم ہوا صرف پرندوں کی طرح کھاپی لیتے ہیں اور خاص قسم کا تقرب بھی حاصل ہے مگر وہ خصوصیات جو وقت پر ہونے والی ہیں کہاں! جس دخول کے بعد ہمیشہ رہنا ہوگا وہ دخول جسمانی ہے جس کی نسبت اس آیہ شریفہ میں اشارہ ہے **کما خلقناکم اول خلق نعیدہ** یعنی جس طرح ہم نے پہلے تمہیں پیدا کیا اسی خلق پر دوبارہ پیدا کریں گے اور ظاہر ہے کہ دخول روحانی میں یہ بات نہیں ہے اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **قال خطب النبی** ﷺ **فقال انکم محشورون الی اللّٰہ** عزوجل **عراۃً غزلاً کما بدانا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلین** یعنی خطبہ میں فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ تم لوگوں کا حشر خدائے عزوجل کی طرف ہوگا برہنہ اور بے ختنہ یعنی ابتدائے پیدائش کے مطابق چنانچہ حق

تعالیٰ فرماتا ہے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح پھر اعادہ کریں گے یعنی پہلی حالت پر دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں انتہی۔

اسی اعادہ کے بعد **فادخلوھا خالدین** کہا جائیگا جس کا حال ابھی معلوم ہوا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء جب ہمیشہ رہنے کے واسطے جنت میں دوبارہ داخل ہوں گے تو پرندوں کی شکل پر نہ رہیں گے بلکہ بمصداق **ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** شکل انسانی میں ہوں گے جو احسن صور ہے۔

یہاں یہ بھی یادرہے کہ ہر دخول جسمانی بھی مانع خروج نہیں چنانچہ معراج شریف کا واقعہ اسلامی دنیا میں مثل آفتاب روشن۔ اور اعلان کر رہا ہے کہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ عالم بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ جنتوں میں تشریف لے گئے تھے اور واپس تشریف لانے کو کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اگر کوئی منصف مزاج دیدۂ عقل کو سرمہ بصیرت بخش شریعت غراء سے منور کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ یہ دونوں گھر یعنی **دار الدنیا** اور **دار الجنان** ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں جس کو جب تک جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے ایک گھر سے دوسرے گھر میں لے جائے مختار ہے اور عادت اللہ بھی جاری ہو چکی ہے کہ بحسب ضرورت مردے زندہ ہو چکے ہیں جس پر کئی آیات **بینات** متفق اللفظ والمعنی گواہی دے رہے ہیں جس کا حال **ان شآء اللہ تعالیٰ** معلوم ہوگا اور یہ بھی ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا **کما ذکر السیوطی** رحمۃ اللہ علیہ **فی کنز العمال عن علی** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **عرفت جعفرا فی رفقۃ من الملئکۃ یبشرون اھل بیتہ بالمطر وعن البراء** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللہ** ﷺ **ان اللہ قد جعل لجعفر جناحین مضرجین بالدم یطیر بھما مع الملئکۃ** اس کے بعد یہ بات ہر صاحب فہم کی سمجھ میں آسکتی ہے

کہ اگر بقول مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لی جائے تو بحسب وعدۂ خدا ورسول ان کا زندہ ہو کر اپنی خدمت بجالانے کے واسطے چند روز کے لئے آجانا کونسی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنی عیسویت کے خیال کو علیحدہ رکھ کر خدائے تعالیٰ کی قدرت اور ایفائے عہد اور نبی کریم ﷺ کے مخبر صادق ہونے پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر آنا کسی حالات میں مستبعد اور خلاف عقل نہیں۔

غرض کہ یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی ہے کہ دخول جنت دو قسم پر ہے ایک روحانی اور قبل حشر اجساد دوسرا جسمانی اور بعد حشر اجساد۔ پہلا مانع خروج نہیں مگر مرزا صاحب نے اس کے خلاف میں دوسرے اقسام کا اختراع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ تین درجوں پر منقسم ہے پہلا درجہ قبر کا...... دوسرا درجہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور بوجہ تعلق جسد کامل قویٰ میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہوتی ہے...... تیسرا درجہ یوم الحساب کے بعد انتہی۔

اس تقریر میں مرزا صاحب حشر اجساد کا نام جو لے رہے ہیں اس میں بڑی دور اندیشی سے کام لیا جارہا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نام بھی نہ لیں تو لوگ بالکل کافر بنادیں گے۔ مگر اس زمانہ میں ایسی احتیاط کی ضرورت نہیں ایسے بزرگوار لوگ جو کچھ فرمادیتے ہیں وہ بات چل ہی جاتی ہے اور کسی قسم کے شبہ تک نوبت ہی نہیں آتی آخر اس حدیث شریف کا صادق ہونا بھی ضرور ہے **عن انس** رضی اللہ عنہ **قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **ان من اشراط الساعۃ ان یرفع العلم ویظھر الجھل** یعنی بخاری مسلم اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ قیامت کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھ جائیگا اور جہل ظاہر ہوگا انتہی۔

اگرچہ علم کے اٹھ جانے کے کئی معنی ہوسکتے ہیں مگر مشاہدہ جو ہو رہا ہے اس کے

لحاظ سے یہ معنی بھی صادق آتے ہیں کہ جب قرآن کے اصلی معنی لوگوں کے خیال سے جاتے رہیں گے تو جو حقیقی اور واقعی علم ہے وہ بے شک اٹھ جائیگا مثلاً قیامت کا علم وہی ہے جو آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ مردے زندہ ہو کر قبروں سے زمین پر آجائیں گے پھر جب یہ علم جاتا رہے اور اس کی جگہ یہ ذہن نشین ہو کہ مردے اندر ہی اندر سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جائیں گے جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں تو علم کے اٹھنے میں اور جہل مرکب ظاہر ہونے میں کیا شک ہے۔ ہر چند یہ پر آشوب و فتن زمانہ ایسا ہی ہے مگر ایمان والوں کو بفضلہٖ تعالیٰ کچھ خطرہ نہیں چنانچہ حدیث شریف ہے **عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تکرھوا الفتنة فی اخر الزمان فانھا تبیر المنافقین** (رواہ ابو نعیم کذا فی کنز العمال) یعنی آخر زمانہ والوں کو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ کسی فتنہ کو مکروہ نہ سمجھو وہ صرف منافقوں کو تباہ کرے گا انتہی۔

یعنی جہل مرکب کے گڑھوں میں گر کے تباہ اور ہلاک ہوں گے غرض کہ ہم لوگوں کو چاہیے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے ظاہر طور پر فرمادیا ہے اسی پر مضبوط ایمان رکھیں اور جان سے زیادہ تر عزیز سمجھیں پھر کسی فتنہ گر کے فتنہ سے کچھ خوف نہیں۔

مرزا صاحب کا مذہب ابھی معلوم ہوا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر تخت رب العالمین بھی اتر آئے تو وہ حصار جنت سے حساب و کتاب کے واسطے باہر نہ نکلے گا اس صورت میں جو تحریر فرماتے ہیں کہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمٰی میں داخل ہونے کے پہلے تعلق اجساد کا متوسط درجہ قرار دیا گیا ہے تو یہ ترقی معکوس سمجھ نہیں آتی البتہ پہلا درجہ جو قبر قرار دیا ہے اس کو مجازاً جنت تسلیم کر سکتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا ویوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد**

العذاب یعنی دکھاتے ہیں ان کو صبح و شام دوزخ کی آگ اور قیامت کے روز کہا جائیگا کہ فرعون کے لوگوں کو داخل کر دو سخت عذاب میں۔ اور بخاری شریف میں ہے عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللّٰہ ﷺ اذا مات احدکم فانہ یعرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی فان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ وان کان من اھل النار فمن اھل النار۔ یعنی جب کوئی مرجاتا ہے تو خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی اس کا مقام صبح و شام اس کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ آیت و حدیث اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ ہر شخص اپنی ہی قبر میں رہتا ہے اور وہیں اپنا مقام دیکھا کیا کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ قبر جنت کا کوئی درجہ نہیں بلکہ اس سے خارج ہے ہاں اگر اس لحاظ سے کہ جنت وہاں سے نظر آتی ہے اس کو جنت کہیں تو مجازاً ممکن ہے مگر پچاس ہزار برس کا قیامت کا دن جس میں انبیاء بھی نفسی نفسی پکاریں گے اس کو جنت کا ایک درجہ وہ بھی متوسط قرار دینا سخت حیرت انگیز ہے، نہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، نہ حدیث بلکہ دونوں اعلان کے ساتھ اس کی تکذیب کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اس آیہ شریفہ سے وہ تقریر اور بھی مستند ہوگئی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دخول جنت و دوزخ قیامت پر منحصر ہے اور مرزا صاحب کی اس تقریر کی بھی حقیقت کھل گئی جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنیٰ حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سوراخ بہشت کی طرف اس کے لئے نکالی جاتی ہے...... پھر لوگوں کی دعاؤں وغیرہ سے وہ سوراخ بڑھ کر ایک وسیع دروازہ ہوجاتا ہے جس سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریباً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہوجائیں گے اور یوم الحساب ان کو بہشت سے خارج نہ کرے گا انتہی ملخصا۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ روح ایسی لطیف چیز ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے

بھی وہ نکل جاتی ہے چنانچہ رحم کا منہ باوجود کہ نہایت سختی سے بند ہو جاتا ہے جس کی تصریح طب جدیدہ میں کی گئی ہے مگر روح اس سے بھی نکل کر جنین میں داخل ہو ہی جاتی ہے۔ پھر اس سوراخ سے نکل جانا جو قبر سے بہشت کی طرف اسی کے واسطے نکالا جاتا ہے کیا مشکل۔ اس کے نکلنے کے لئے نہ بڑے دروازے کی ضرورت ہے، نہ اس قدر مہلت درکار ہے کہ سوم دہم چہلم سہ ماہی برسی وغیرہ میں جو دعائیں اور کار خیر ہوتے ہیں بتدریج اس سوراخ کو بڑا بڑا کر وسیع کر دیں جس سے وہ نکل کر جنت میں داخل ہو سکے کیونکہ بقول مرزا صاحب روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے اس کی روح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یاایتھا النفس المطمئنۃ** الآیۃ بظاہر مرزا صاحب کے ان دونوں کلاموں میں تعارض سا معلوم ہوتا ہے کہ روح مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور لوگوں کی دعا وغیرہ سے سوراخ کشادہ ہونے کے بعد ایمان دار جنت میں چلا جاتا ہے مگر اس کے جواب کی طرف انہوں نے اشارہ کر دیا کہ روح تو مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے جنت میں داخل ہونا جو احیائے جسم پر موقوف ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ **قال من یحی العظام وھی رمیم قل یحییھا الذی انشاھا اول مرۃ** سے ثابت ہے سو اس کے لئے مہلت درکار ہے جس میں دروازہ اتنا وسیع ہو کہ لاش اس سے نکل جائے چنانچہ مرتے ہی داخل ہونے کے باب میں تصریح کرتے ہیں کہ روح داخل ہوتی ہے اور مہلت اور وسعت باب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شخص ایماندار داخل ہوتا ہے اس تقریر سے تعارض تو دفع ہو گیا لیکن اس پر ایک نیا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص جنت میں داخل ہونے کو جاتا ہے اور جنت آسمان پر ہے جیسے مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہونے کے بعد انکی روح آسمان کی

طرف اٹھائی گئی۔ اور ہر مومن کی بھی اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے انتہی۔

اور نیز جنتوں کا آسمان پر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو ضرور تھا کہ مردے آسمانوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیتے کیونکہ یہ دخول اس وجہ سے جسمانی ہے کہ روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس دخول کے لئے دعاؤں وغیرہ کا انتظار رہتا ہے جس سے سوراخ اس قابل ہو کہ لاش اس سے نکل جائے اس صورت میں ضرور تھا کہ مردے قبروں سے نکلتے ہوئے نظر آتے شاید اس کا یہ جواب دیا جائیگا کہ وہ اس طرف سے نہیں جاتے بلکہ زمین کے اندر ہی اندر سوراخ کر کے دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں تو اس کے ماننے میں بھی تامل ہے کیونکہ ایسا سوراخ جس سے مردہ جا سکے کسی قبر میں دیکھا نہیں گیا اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مردہ نکلتے ہی وہ سرنگ پاٹ دی جاتی ہو لیکن اس کے ماننے کے بعد بھی ایک اور دشواری درپیش ہے کہ جغرافیہ سے ثابت ہے کہ اگر ہندوستان کی زمین میں سوراخ پار کر دیا جائے تو وہ امریکہ کے کسی حصہ میں نکلے گا پھر اگر ہندوستان کے مردے اس سوراخ کی راہ سے اس طرف زمین پر نکل کر آسمان کی طرف جائیں تو امریکہ والوں کی شکایت گورنمنٹ میں ضرور پیش ہوتی کہ ہندوستان کے صدہا بلکہ ہزارہا مردے ہر روز چلے آتے ہیں کوئی کفن پہنا ہوا ہے کوئی برہنہ ہیبت ناک۔ کسی کے گھر میں نکلتے ہیں کسی کی زراعت وغیرہ میں غرض علاوہ خوف ودہشت کے مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ اب تک کوئی اس قسم کی شکایت کسی اخبار میں دیکھی نہیں گئی یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے مرزا صاحب ہی کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے کہ ''عیسیٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں مر گئے۔'' اور رسالۃ الہدیٰ میں لکھتے ہیں کہ ''ان کی قبر کشمیر میں ہے۔'' اور اس کو اپنے کشف اور گواہوں سے ثابت کیا ہے اگر سوراخ کی راہ سے مردے دوسری طرف سے نہ نکلتے تو عیسیٰ علیہ السلام گلیل میں بیت المقدس کے پاس مر کر کشمیر

میں کیوں آتے اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں بلکہ کل ادیان سماویہ میں قیامت کا مسئلہ کیسا مہتم بالشان ہے جس میں صدہا آیات واحادیث وارد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جس طرح توحید ورسالت پر ایمان ضروری ہے قیامت کے وقوع پر بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کو ابتدا سے آج تک اس میں خلاف نہیں مگر مرزا صاحب نے صرف اتنی بات بتلانے کے لئے کہ ''عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت میں بھی زمین پر نہیں آسکتے۔'' ایسے مشہور ومعروف اور ضروری مسئلہ کا انکار ہی کر دیا پھر جن مسائل میں چند آیات و احادیث وارد ہوں ان کے اصل معنی سے انکار کر دینا کون سی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب کو ذرا بھی خوف خدا اور قیامت کے دن کا خیال ہوتا تو قرآن وحدیث کے معنی اپنے دل سے تراش کر لکھنے پر ان کے ہاتھ یاری نہ دیتے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللّٰہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون.** ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ جو بات **ھذا من عند اللّٰہ** کہنے میں ہے وہی بات کسی آیت کا مضمون خلاف مقصود الٰہی بیان کرنے میں ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **احل اللّٰہ لکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر** سو جس طرح یہ شخص ملحد اور بے دین سمجھا جائیگا اسی طرح وہ شخص بھی سمجھا جائیگا جو آیہ شریفہ **حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر** سے یہ مراد بیان کرے کہ **میتۃ** اور **دم** اور **لحم خنزیر** عرب میں معزز لوگ تھے اس میں تعظیم وحرمت کرنے کا اس میں حکم ہے مردار وغیرہ کی حرمت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ مرزا صاحب کی غرض جس آیت سے متعلق ہوتی ہے اس کے معنی میں اس قسم کی تحریف کرنے سے ذرا بھی خوف نہیں کرتے مثلاً قولہ تعالیٰ **احی الموتی باذن اللّٰہ** کے معنی یہ بتلاتے ہیں کہ مسمریزم کی وجہ سے قرب الموت شخص کو حرکت ہو جاتی تھی اور عزیر

علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے: **فاماته الله مائة عام** مرزا صاحب اس کا مطلب بتاتے ہیں کہ سو برس تک خدائے تعالیٰ نے ان کو سلا دیا تھا۔ اسی طرح بیسیوں آیات واحادیث کے معنی انہوں نے بدل ڈالے۔ اسی پر قیاس کیا جائے کہ جب ایک ضعیف اور موہوم غرض کے مقابلہ میں انہوں نے قیامت کا انکار کر دیا تو جس سے بہت بڑی بڑی غرضیں ان کی متعلق ہوں گی اس کا کیا حال ہوگا۔ اسی وجہ سے احیائے اموات کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں ان کی تحریف معنی میں بہت زور لگایا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال لگا ہوا ہے کہ ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو زندہ کر کے زمین پر بھیجے اسی وجہ سے ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا کیونکہ قرآن وحدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اور قرآن کریم نے ﴿**انهم لا يرجعون**﴾ کہہ کر ہمیشہ کے لئے ان کو رخصت کرتا ہے۔

مرزا صاحب کے مبالغہ کی بھی کوئی حد ہے بھلا قرآن وحدیث نے کب گواہی دی تھی کہ مرا ہوا آدمی دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ ان کو ضرور تھا کہ کوئی اتفاقی گواہی پیش کر دیتے۔ باوجودیکہ ان کی عادت ہے کہ ادنیٰ احتمال کا موقع بھی ملتا ہے تو سیاق وسباق کو حذف کر کے کوئی آیت یا حدیث استدلال میں پیش کر دیا کرتے ہیں جیسے **فادخلی جنتی** وغیرہ میں معلوم ہوا مگر اس دعویٰ پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی احتمالی دلیل بھی ان کو نہیں ملی اب سوا اس کے کہ جراءت سے کام لیں کوئی تدبیر نہ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ جراءت سے بھی بہت کام چل جاتے ہیں جیسے پیش گوئیوں میں کہہ دیتے ہیں کہ اگر فلاں کام نہ ہو تو میرا منہ کالا کیا جائے، گلے میں رسا ڈالا جائے وغیرہ وغیرہ حالانکہ نہ

وہ کام ہوتا ہے، نہ منہ کالا ہوتا ہے کوئی پہلو نکال کر عمر بھر بحث کرتے رہتے ہیں جیسے کہ آتھم کے رجوع الی الحق وغیرہ میں آپ نے دیکھ لیا اسی طرح یہاں بھی جراءت سے کام لے کر کہہ دیا کہ قرآن وحدیث بالاتفاق شاہد ہیں کہ مرا ہوا دنیا میں ہرگز آ نہیں سکتا۔ حالانکہ قرآن شریف کے متعدد مقاموں میں **یحی الموتی واحیا ھم** وغیرہ الفاظ صراحۃً مذکور ہیں جن کا حال **ان شآء اللہ تعالٰی** آئندہ معلوم ہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب خود خدائے تعالٰی احیائے اموات کا ذکر قرآن میں فرما دے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کہے کہ وہ ہو نہیں سکتا تو مسلمان اس کی تکذیب کرے گا یا (نعوذ باللہ) قرآن شریف پر کسی قسم کا الزام لگائے گا؟ رہا یہ کہ مرزا صاحب اس باب میں تاویلات سے کام لیتے ہیں کہ احیاء سے مراد مثلاً مسمریزمی حرکت ہے اور موت سے مراد نیند ہے جیسا کہ عزیر علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ **فاماته اللّٰه مائة عام** سے مراد نیم غشی ہے سو یہ بات دوسری ہے کہ قرآن کو ماننا منظور نہیں اور جو فرماتے ہیں کہ قرآن کریم **انهم لا یرجعون** کہہ کر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہا ہے۔ سو مرزا صاحب نے اس استدلال میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو **یاایها الذین امنوا لاتقربوا الصلوٰة** میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس آیہ شریفہ سے انہوں نے وہ حصہ حذف کر دیا جو ان کو مضر تھا پوری آیت یہ ہے: **فمن یعمل من الصالحات وھو مومن فلاکفران لسعیه وانا له کاتبون ○ وحرام علٰی قریة اھلکنٰھا انھم لایرجعون○** یعنی جو شخص نیک کام کرے اور ایمان رکھتا ہو تو اس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں اور ہم اس کے نیک اعمال سب لکھتے جاتے ہیں اور جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا تو ممکن نہیں کہ لوگ قیامت کو ہماری حضوری میں لوٹ کر نہ آئیں۔ اس آیت کے کئی معنی ہیں اگر پہلی آیت سے اس کا ربط ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ اعمال صالحہ ہم کسی کے ضائع نہ کریں

گے ان کے اعمال ہم لکھ رکھتے ہیں اگر وہ مر بھی جائیں تو ہمارے پاس ان کا آنا ضرور ہے اس روز ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اور اگر پہلی آیت سے ربط نہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتی ممکن نہیں کہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع نہ کریں۔ مطلب یہ کہ ان کی ہلاکی رستگاری کا باعث نہیں ہمارے پاس وہ ضرور آئیں گے اور ان پر حرام (محال) ہے کہ نہ آئیں پھر اس روز ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ مطلب تو یہ تھا کہ خدا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اگر **لایرجعون** سے مراد دنیا کی طرف رجوع نہ کرنا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے یعنی ضرور رجوع کریں گے اس سے تو مرزا صاحب کا مقصود ہی فوت ہو گیا اور بجائے نہ آنے کے آنا ضروری ٹھہرا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ **لایرجعون** سے مراد ان کا دنیا میں نہ آنا ہے تو اس سے بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ کس نے کہا کہ فوت شدہ دنیا میں آیا کرتے ہیں ان میں یہ طاقت کہاں کہ پھر لوٹ کر آجائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا جس کو چاہے دوبارہ دنیا میں ضرور آئیگا کیونکہ خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف کوئی چیز ظہور میں نہیں آسکتی، مرزا صاحب اس کے قائل نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا اس کے نزدیک قیامت میں زندہ کرنا اور قیامت کے پیشتر کسی کو زندہ کرنا ایک ساں ہے اور جب حق تعالیٰ نے متعدد مقام میں قرآن شریف میں خبر دی ہے کہ ہم نے بہتوں کو اس عالم میں زندہ کیا جس کا حال **ان شاء اللہ تعالیٰ** معلوم ہو گا تو ہم اس کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے مگر مرزا صاحب داؤ پیچ کر کے اس کا انکار کرتے ہیں اور احیائے موتی کو محال سمجھتے ہیں جس سے ان پر یہ بات صادق آتی ہے جو ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں ہم کوے کی طرح یا بھینڈی کے مانند ایک نجاست کو حلوا سمجھتے رہیں گے اور

ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ یاد ہوں گے۔

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا کا انتظام چونکہ ایک نسق پر رکھا گیا ہے جو ہمیشہ جاری ہے اس لئے ایک بڑا فرقہ دہریہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ عالم کا کام بطور خود جاری ہے اس کے لئے خالق کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر** یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہم کو ایک خاص وقت تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے حق تعالیٰ نے ان کے خیالات فاسدہ کو رفع کرنے کے لئے انبیاء کو بھیجا چنانچہ جب انہوں نے معجزے اور خوارق عادات دیکھے اور بچشم خود دیکھ لیا کہ عادت مستمرہ کے خلاف بھی ایسے کام حکمی طور پر ہوتے ہیں جن کو عقل محال سمجھتی ہے تو ان کو یقین ہو گیا کہ کوئی زبردست قدرت والا بھی ہے کہ ایسے مستحکم عادتی کارخانہ کو درہم برہم کر کے محال کو واقع کر دکھاتا ہے اس بناء پر بحسب توفیق وہ خالق عالم کے قائل ہو گئے اور نبوت کی بھی تصدیق کی اور جن کی طبیعتوں پر تعصب غالب تھا وہ اس دولت سے محروم رہے۔

الحاصل حق تعالیٰ نے عادت مستمرہ کے خلاف بھی کام کئے جس سے اس کی قدرت اور خالقیت پورے طور پر ذہن نشین ہو گئی اگر خدائے تعالیٰ عادت مستمرہ کے خلاف کوئی کام کر کے نہ دکھاتا تو دہریہ کو قائل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ افلاک کی حرکات سے طبائع میں امتزاجات پیدا ہوتے ہیں جن کے خاص خاص طور پر واقع ہونے سے حیات اور موت کا وقوع ہوتا ہے اس میں خالق کے فعل کی کوئی ضرورت نہیں اگر احیائے اموات کے جیسے خوارق عادات کا وقوع نہ ہوتا تو صرف باتوں سے وہ خالق کا ماننا اور اپنے آپ کو اس کی بندگی اور عبودیت میں دے کر عمر بھر کی آزادیوں سے دست بردار ہو جانا کبھی گوارا نہ کرتے ان کے بعد جو ان کے خلف اور قدم بقدم ان کے پیرو تھے اس قسم کی

جتنی باتیں قرآن میں ہیں سب کی تصدیق انہوں نے کی اور جن طبیعتوں میں انحراف آ گیا وہ اس کے ماننے میں حیلے کرنے لگے چنانچہ مرزا صاحب اس موقع میں یہ تعارض کا حیلہ پیش کرتے ہیں کہ اگر مُردوں کا زندہ ہونا مان لیا جائے تو **انھم لا یرجعون** کے مخالف ہو گا۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جہاں **لایرجعون** ارشاد ہے اس سے آدمی کی بے بسی ثابت کرنا منظور ہے کہ جب ہم اس کو مار ڈالتے ہیں تو اس میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی زائل شدہ حیات کو پھر حاصل کر سکے بلکہ ہمارے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتا اور جہاں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے مُردوں کو زندہ کیا اس سے بھی کامل درجہ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو تمہاری عقلوں میں محال دکھائی دیتا ہے اس کو ہم نے واقع کر دکھایا۔ اب دیکھئے کہ دونوں آیتوں کے مضمون میں کس قدر توافق ہے حاصل مطلب ان کا یہی ہوا کہ ہم ہر طرح قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہو سکتا ہے، نہ مردہ۔ زندہ کو جب ہم مردہ کر دیتے ہیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب مردہ کو زندہ کرتے ہیں تو وہ انکار اور سرتابی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب جو تعارض پیدا کر رہے ہیں اگر اسی کا نام تعارض ہو تو اس قسم کا تعارض بہت سی آیتوں میں پیدا ہو جائے گا مثلاً حق تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین کفروا سواء علیھم أ انذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون**. جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے حالانکہ ہزارہا کفار اس آیت کے نزول کے بعد ایمان لائے اور لاتے جا رہے ہیں دیکھئے **انھم لایرجعون** میں جو بات ہے وہی **انھم لایؤمنون** میں بھی ہے اگر **انھم لایرجعون** سے رجوع اموات غیر ممکن ثابت ہوتا ہے تو **انھم لایؤمنون** سے بھی کفار کا ایمان لانا غیر ممکن ہو جائیگا مگر جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ بمصداق **یھدی من یشاء الی صراط المستقیم** کے حق تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اسی وجہ

سے کفار ایمان لاتے ہیں تو اس کا بھی ہمیں یقین ہوگیا کہ وہ جس مردہ کو چاہتا ہے زندہ کر سکتا ہے جس کے وقوع پر **یحی الموتٰی** وغیرہ آیات گواہ صادق ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اکثر محاورات قرآنیہ وغیرہ میں عام طور پر کوئی بات کہی جاتی ہے مگر بلحاظ قرائن اس کی تخصیص پیش نظر رہا کرتی ہے اس کی نظیریں قرآن شریف میں بکثرت موجود ہیں ایک وہی آیت ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور ایک آیت یہ ہے **والملٰئکة یسبحون بحمد ربهم ویستغفرون لمن فی الارض الا ان اللّٰه هو الغفور الرحیم** یعنی فرشتے اللہ کی تسبیح اور حمد کیا کرتے ہیں اور زمین میں رہنے والوں کے گناہوں کی مغفرت اور معافی مانگا کرتے ہیں اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ تمام اہل زمین کے حتیٰ کہ مشرکین کے لئے بھی استغفار کیا کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حق تعالیٰ ان کو منع فرما دیتا جیسا کہ مسلمانوں کو منع فرما دیا کما قال تعالیٰ **ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ** یعنی نبی ﷺ اور مسلمانوں کو زیبا نہیں کہ مشرکین کی مغفرت کی دعا مانگیں اس سے ظاہر ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور عرض کرتے کہ جب فرشتوں کو مشرکین کی مغفرت مانگنے کی اجازت ہے تو ہمیں بطریق اولیٰ اس کی اجازت ہونی چاہیے اس لئے کہ ہم پر تو بہت سے مشرکوں کی قرابت کا حق بھی ہے حالانکہ یہ درخواست کبھی پیش نہ ہوئی اس سے ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے **من فی الارض** سے عام اہل زمین نہیں سمجھا بلکہ بقرینہ آیۂ شریفہ **ماکان للنبی و الذین امنوا** اس کی تخصیص مسلمانوں ہی کے ساتھ کی۔ اس طرح **انهم لایرجعون** سے مراد کل مردے نہیں بلکہ جن مُردوں کا زندہ ہونا دوسری آیتوں سے ثابت ہے وہ اس سے مستثنٰی ہیں جیسے **من فی الارض** سے مشرکین مستثنٰی ہیں۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے **یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العالمین** یعنی اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو تم کو دی تھی اور یہ کہ فضیلت دی تھی تم کو تمام عالموں پر۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام عالموں میں تمام انبیاء اور تمام ملائکہ بھی داخل ہیں پھر کیا ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو ان تماموں پر فضیلت دی گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ غرض کہ جس طرح دوسری آیتوں سے ملائکہ وغیرہ عالمین سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح دوسری آیتوں سے زندہ شدہ مردے **لایرجعون** کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے **قال فخذ اربعة من الطیر فصرھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء**۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ پرندوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو جس کی نسبت آیۂ شریفہ میں **علی کل جبل** مذکور ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کل جبل میں تمام روئے زمین کے پہاڑ شامل ہیں مگر بقرینۂ عقل کل جبل سے مراد چند مخصوص پہاڑ تھے اسی طرح بقرینۂ عقل **لا یرجعون** سے مراد وہی مردے ہیں جن کا زندہ ہونا مشیت الٰہی میں نہیں اسلئے کہ جب خدائے تعالیٰ نے چند مُردوں کے زندہ کرنیکا حال بیان فرمایا اور عقل بھی اس قدرت الٰہی کو جائز رکھتی ہے تو عقل گواہی دیتی ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے بیشک وہ مردے زندہ ہوئے تھے اس لئے **لایرجعون** کے حکم سے وہ خارج ہیں۔

اسی طرح یہ آیۂ شریفہ ہے: **وبدأ خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مھین** یعنی انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا پھر مٹی کی نچوڑ سے یعنی منی سے جو ایک حقیر پانی ہے ان کی نسل چلائی۔ اسی طرح **خلقنا کم من تراب ثم من نطفة** جس سے ظاہر ہے کہ کل انسان نطفہ سے پیدا ہوئے۔ حالانکہ اس سے عیسیٰ

علیہ السلام مستثنیٰ ہیں جس پر یہ آیۂ شریفہ دال ہے: **ان مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل اٰدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون** یعنی مثال عیسیٰ علیہ السلام کی آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا گیا پھر کن سے پیدا ہو گئے۔ جس طرح اس آیۂ شریفہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام آیت **خلق الانسان من سلالۃ** کے حکم میں داخل نہیں اور نطفہ سے ان کی تخلیق نہیں سمجھی جاتی اسی طرح وہ مردے جو زندہ کئے گئے **لا یرجعون** کے حکم میں شریک نہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے: **لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم** یعنی لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف ہو بن کئے پر سو نہ جانو کہ وہ عذاب سے خلاصی پائیں گے بلکہ ان کو عذاب دردناک ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے کہ مروان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا کہ اگر یہی بات ہو تو ہم سب معذب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ صفت ہم سب میں موجود ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **وما لکم ولھذہ انما دعا النبی ﷺ یھودا فسالھم عن شیٔ فکتموہ ایاہ واخبرہ بغیرہ فاروہ ان قد استحمدوا الیہ بما اخبروہ عنہ فیما سالھم وفرحوا بما اوتوا من کتمانھم** (الحدیث رواہ البخاری) یعنی تم لوگوں کو اس سے کیا تعلق اس سے مراد یہود ہیں جن سے حضرت ﷺ نے کچھ پوچھا تھا انہوں نے اصل معاملہ چھپا کر کوئی اور بات بتلادی اور اسی پر خوش ہو کر اپنی تعریف چاہی اس سے ظاہر ہے کہ **الذین** عام ہے مگر مراد اس سے چند مخصوص لوگ تھے۔

الحاصل اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ دوسری آیتوں وغیرہ سے حکم عام کی تخصیص ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ یہ مشہور ہے **وان من عام الا خص منہ البعض** اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ جب **انھم لا یرجعون** کا حکم ان کے زندہ شدہ مُردوں پر شامل ہی

نہیں تو تعارض کیسا؟ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب زبردستی تعارض پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں اور اگر ظاہری تعارض کے لحاظ سے تاویل کی ضرورت ہے تو صرف **لایرجعون** میں تاویل کیوں نہیں کی جاتی جو کسی طرح بے موقع نہیں بلکہ بحسب محاورات قرآنیہ شائع وذائع ہے جس کا حال معلوم ہوا کہ خود خدائے تعالیٰ کو یہ تاویل منظور ہے پھر ایسی تاویل کو چھوڑ کر بدنما تاویلیں کرنا جن کے سننے سے مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام بگاڑا جاتا ہے کس قدر ایمان سے دور ہے۔ اس تقریر سے ان استدلالوں کا جواب بھی ہو گیا جو مرزا صاحب کی جانب سے پیش ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وکم اھلکنا قبلھم من القرون انھم الیھم لا یرجعون** (وقولہ تعالیٰ) **فلایستطیعون توصیۃ ولا الیٰ اھلھم یرجعون** کیونکہ زندہ شدہ مردے خود بخود رجوع نہیں کر سکتے بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور اگر مطلق رجوع مراد لی جائے تو دوسری آیتوں کی شہادت سے وہ **لایرجعون** میں داخل ہی نہیں اور جس طرح **فھم لایومنون** سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کوئی کافر ایمان لایا ہی نہیں اسی طرح **لایرجعون** سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کوئی مردہ زندہ ہوا ہی نہیں۔

اور اس آیہ شریفہ سے جو استدلال کیا جاتا ہے **انکم یوم القیمۃ تبعثون** کہ اس وعدہ میں کبھی تخلف نہ ہوگا معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے یہ تو کسی نے نہیں کہا کہ قیامت میں مردے نہ اٹھیں گے البتہ مرزا صاحب اس کے قائل ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ مردے سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جاتے ہیں اور پھر نہیں نکل سکتے جس سے ظاہر ہے کہ بعث ونشر کی ضرورت ہی نہیں۔

شاید ان حضرات نے ہمارا مذہب یہ سمجھا ہے کہ زندہ شدہ مُردوں کو کبھی موت نہیں جس سے یہ لازم آئے کہ ان کے بعث کی ضرورت نہیں دراصل ہمارا مذہب یہ نہیں بلکہ

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مُردوں کو حق تعالیٰ نے زندہ کیا اس سے صرف قدرت نمائی مقصود تھی پھر جب تک چاہا ان کو زندہ رکھا اور مثل دوسروں کے وہ بھی مر گئے اور قیامت میں سب کے ساتھ ان کا بھی حشر ہوگا اور **یوم القیٰمۃ تبعثون** کے حکم میں شریک ہو جائیں گے۔

اس استدلال میں لطف خاص یہ ہے کہ **انکم یوم القیٰمۃ تبعثون** میں مخاطبوں کی تخصیص ہے اور اس سے استدلال یہ ہو رہا ہے کہ گزشتہ بعض افراد قبل قیامت زندہ نہیں کئے گئے۔ گو خدائے تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی ہے۔

اور اس حدیث شریف سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ بعد شہادت جابر رضی اللہ عنہ نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ پھر دنیا میں رجوع کرنے کی اجازت ہوتا کہ دوبارہ درجہ شہادت حاصل کریں اس پر ارشاد ہوا کہ **انی قضیت انھم لا یرجعون** اور ایک روایت میں ہے **قد سبق القول منی انھم لا یرجعون** یعنی میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوں کہ وہ لوگ نہ لوٹیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے یہی قاعدہ اس عالم میں مقرر فرمایا ہے کہ کوئی مرا ہوا زندہ نہیں ہوتا اور یہی عادۃ اللہ اور سنۃ اللہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے **ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تحویلا** مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ کسی مصلحت سے عادت کو کبھی بدل دینا ممکن ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ اکثر عادتوں کے خلاف بھی کیا ہے مثلاً تمام روئے زمین پر وقت واحد میں ایسا طوفان ہو جانا کہ کل پہاڑ تک غرق ہو جائیں بالکل خلاف عادت ہے اور نوح علیہ السلام کے وقت ایسا ہی ہوا کہ طوفان سے کل آدمی اور حیوان مر گئے۔ عادۃً آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے مگر ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہو گئی لاٹھی سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریا پھٹ کر اس میں راستے ہو جانا اور ایک مار

سے پتھر میں بارہ چشمے جاری ہو جانا خلاف عادت ہے مگر موسیٰ علیہ السلام سے وہ سب وقوع میں آئے۔ مچھلی کے پیٹ میں آدمی کا زندہ رہنا خلاف عادت ہے مگر یونس علیہ السلام اس میں ایسے رہے جیسے کوئی گھر میں رہتا ہے۔ بغیر مرد کے عورت کو اولاد ہونا محال سمجھا جاتا ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایسی ہی ہوئی۔

چاند کا شق ہو جانا خلاف عقل و خلاف عادت ہے باوجود اس کے ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس کو واقع کر دکھایا جس کے مرزا صاحب بھی قائل ہیں ان کے سوا صدہا خوارق عادات قرآن و حدیث سے ثابت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی خاص مصلحت سے عادت کے خلاف بھی کرتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر کسی کی درخواست پر عادت بدل دیا کرے۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست میں کوئی عمومی مصلحت نہ تھی بلکہ تلذذ کی وجہ سے انکا ذاتی شوق تھا کہ زندہ ہو کر پھر راہ خدا میں شہید ہوں اگر یہ درخواست منظور ہو جاتی تو ہر شہید یہی تمنا کرتا اور خلاف عادت اللہ، عادت ہو جاتی جس سے اعلیٰ درجہ کا خارق عادت عادتی امور میں داخل ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا اور اس سے بڑا مقصود فوت ہو جاتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا** غرض کہ مصلحت الٰہی مقتضی نہ ہوئی کہ وہ زندہ کئے جائیں اس لئے صاف جواب مل گیا کہ یہ امر عادت اور قانون فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ کو خرق عادت پر قدرت نہیں یا کبھی نہیں۔ کیا اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ مقتدر اپنے ملک میں کوئی دستور مقرر کر دے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ اس دستور کے خلاف درخواست کرے مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ کیسی ہی خاص مصلحت اور ضرورت ہو بادشاہ خلاف قانون نہ کرے گا بلکہ عند الضرورت اپنے شاہی اقتدار سے کسی فقرہ کے خلاف عمل کرنا انسب سمجھا

جائیگا اور کسی کو پوچھنے کا حق نہ ہوگا کہ خلاف قانون کیوں کیا گیا۔

الحاصل جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ خدائے تعالیٰ نے بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کیا ہی نہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود اپنے کلام پاک میں خبر دے رہا ہے کہ کئی مُردوں کو ہم نے زندہ کیا۔

ایک قادیانی صاحب نے القول العجیب میں لکھا ہے کہ اگر ان چاروں مقاموں میں یعنی **فاماته اللّٰه مائة عام ثم بعثه** وغیرہ میں حقیقی احیائے موتی مراد ہوتا تو خدائے علیم اموات کے ترکہ کی تقسیم کے احکام تفصیلاً نہ فرماتا اور عورتوں کو شوہر کے مرنے پر عدت اور خانہ نشینی کی ہدایت نہ فرماتا بلکہ نکاح ثانی کا حکم نہ بھیجتا بلکہ یوں حکم کرتا کہ خبردار میت کے مال کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ ہم اس کو قریب میں واپس کرنے والے ہیں اور عورتوں کو تاکیدی ارشاد ہوتا کہ زنہار غیر سے نکاح نہ کر لینا عنقریب ہم تمہارے خاوندوں کو تمہاری طرف لوٹانے والے ہیں اور اس قسم کی بہت سی تفریعات ولوازم لکھے جن کا مطلب یہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے احیائے اموات کی خبریں جو قرآن شریف میں دی ہیں کہ عزیر علیہ السلام وغیرہ کو ہم نے زندہ کیا تھا اگر ان کا یقین کر لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اب نہ کسی کا مال متروکہ بعد موت تقسیم ہو سکے، نہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت ملے کیونکہ عزیر علیہ السلام زندہ ہوئے تھے۔ اگر یہ استدلال صحیح ہو جائے تو بڑی دقتیں لاحق ہوں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا سامنا ہو جائیگا اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **اهلكنا القرون الاولى** یعنی پہلے زمانے والوں کو ہم نے ہلاک کیا اس لئے اب نہ کسی کو کھانا سوجھے، نہ پینا، نہ نکاح وغیرہ۔ اسلئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آگ سرد ہے اس لئے کہ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں سرد ہوگئی تھی مگر کوئی عقلمند اس قسم کے استدلال کو جائز نہ رکھے گا اس لئے کہ گزشتہ کا خاص کوئی واقعہ بیان

کرنا اس کو مقتضی نہیں کہ ہر وقت اس قسم کے واقعات ہوا کریں خصوصاً ایسے واقعات کا جن کا خارق عادت ہونا مسلّم ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر مردہ کو زندہ کیا کرتا ہے غرض کہ احیائے اموات کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم میراث وغیرہ کی اجازت ہے اگر چہ کہ اس میں بھی شک نہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اب بھی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے مگر ہمارے دین میں احتمال پر واقعی آثار مرتب نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے گو ہر وقت آدمی کو موت کا احتمال لگا ہوا ہے مگر اس احتمال پر یہ حکم نہیں ہو سکتا کہ اس کا مال ترکہ میں تقسیم کر دیا جائے یا اس کی عورت عدت میں بیٹھے اور نکاح ثانی کر لے۔ غرض کہ جب تک آدمی نہ مرے نہ اس کا مال ترکہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی عورت بیوہ۔ اسی طرح جب تک مردہ زندہ نہ ہو نہ اس کے مال سے ورثاء محروم ہوں گے، نہ اسکی عورت عدت و نکاح سے ممنوع۔

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ کوئی مردہ اس عالم میں زندہ نہیں ہو سکتا سو علاوہ اس کے کہ قرآن شریف کی کئی آیتیں اس دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہیں احادیث اور واقعات سے بھی اس کا رد ہو رہا ہے چنانچہ ان روایات سے ظاہر ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ ج ۲ میں اور ملا علی قاری نے شرح شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں دلائل بیہقی سے نقل کی ہے: **ان النبی ﷺ دعا رجلاً الی الاسلام فقال لا اؤمن بک حتی تحی لی ابنتی فقال النبی ﷺ ارنی قبرها فاراه ایاه فقال النبی ﷺ یافلانة فقالت لبیک وسعدیک فقال ﷺ اتحبین ان ترجعی فقالت لا واللّٰه یارسول اللّٰه ﷺ انی وجدت اللّٰه خیراً لی من ابوی ووجدت الاٰخرة خیرا من الدنیا.** یعنی نبی ﷺ نے ایک شخص کو دعوت اسلام کی اس نے کہا کہ جب تک میری لڑکی کو آپ زندہ نہ کرو گے میں ایمان نہ لاؤں گا آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے اس

نے قبر دکھلا دی حضرت ﷺ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا اس نے جواب دیا حضرت ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ پھر دنیا میں لوٹے اس نے قسم کھا کر کہا کہ یا رسول اللہ میں یہ نہیں چاہتی میں نے خدا کو اپنے ماں باپ اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

روی ابن عدی وابن ابی الدنیا والبیھقی وابو نعیم عن انس رضی اللہ عنہ قال کنا فی الصفة عند رسول اللّٰه ﷺ فاتته عجوز عمیا مهاجرة معها ابن لها قد بلغ فلم یلبث ان اصابه وباء المدینة فمرض ایاماً ثم قبض فغمضه رسول اللّٰه ﷺ وامره ای انسا بهجازه فلما اورنا ان نغله قال یاانس ائت امه فاعلمه فاعلمتها فجاءت حتی جلست عند قدمیه فاخذت بهما ثم قالت انی اسلمت الیک طوعاً وخلعت الاوثان زهداً وهاجرت الیک رغبة اللّٰهم لا تشمت عبدة الاوثان ولا تحملنی فی هذه المصیبة مالا طاقة لی بحمله فواللّٰه ما انقضی کلامها حتی حرک قدمیه والقی الثوب عن وجهه وطعم وطعمنا معه وعاش حتی قبض النبی ﷺ وهلکت امه. (ذکرہ الزرقانی فی شرح المواہب اللدنیہ) یعنی انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کر کے اپنے جواں فرزند کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ ان کا لڑکا وبا سے بیمار ہوا اور چند روز میں انتقال کر گیا حضرت نے اس کی آنکھیں بند کر کے انس رضی اللہ عنہ کو اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا جب ہم نے اس کے غسل کا ارادہ کیا تو حضرت نے کہا کہ اس کی ماں کو خبر کر دو چنانچہ سنتے ہی وہ آئیں اور اپنے لڑکے کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اس کے دونوں قدم پکڑے اور کہنے لگیں یا اللہ میں خوشی سے اسلام لائی تھی اور بے رغبتی سے بتوں کو چھوڑ دیا تھا اور کمال رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی یا اللہ ایسا مت کر کہ بت پرست دشمن ہنسیں اور اس مصیبت میں وہ بار

مجھ پر مت ڈال جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہنوز یہ کلام پورا نہیں ہوا تھا کہ اس لڑکے نے پاؤں ہلائے اور کپڑا منہ سے ہٹا دیا اور ہمارے ساتھ اس نے کھانا کھایا اور حضرت کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اس اثناء میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے **واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب من عاش بعد الموت عن معاویة بن قرة قال سالت بنو اسرائیل عیسٰی فقالوا ان سام بن نوح دفن ههنا قریبا فادع اللّٰه یبعثه لنا فهتف فخرج اشمط** یعنی بنی اسرائیل نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ سام بن نوح کی قبر یہاں سے قریب ہے ان کے زندہ ہونے کی دعا کیجئے آپ نے ان کو پکارا اور وہ قبر سے نکل آئے اس حالت میں کہ دو مویہ تھے یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی ہے کہ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے: **واخرج اسحٰق بن بشر وابن عساکر من طرق عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **قال کانت الیهود یجتمعون الی عیسٰی (الٰی ان قال) فمر ذات یوم بامرأة قاعدة عند قبر وهی تبکی فسالها فقالت ماتت ابنة لی ولم یکن لی ولد غیرها فصلی عیسٰی رکعتین ثم نادی یافلانة قومی باذن الرحمٰن فاخرجی فتحرک القبر ثم نادی الثانیة فانصدع القبر ثم نادی الثالثة فخرجت وهی تنفض راسها من التراب** (الحدیث) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز عیسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک عورت پر ہوا جو قبر کے پاس بیٹھی روتی تھی آپ نے حال دریافت فرمایا اس نے کہا کہ میری ایک ہی لڑکی تھی جس کے

سوا میری کوئی اولاد نہیں وہ مرگئی آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اس کو پکارا کہ خدا کے حکم سے کھڑی ہوجا اور نکل آ۔ اس کے ساتھ اس کی قبر کو حرکت ہوئی پھر دوسری بار پکارا جس سے قبر شق ہوئی پھر تیسری بار کے پکارنے پر وہ لڑکی سر سے مٹی جھٹکتی ہوئی نکل آئی۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے جس کی تخریج ابن جریر اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے یہ روایت طولانی ہے ماحصل اسکا یہ ہے کہ ایک شاہزادہ مرگیا تھا اس کے باپ نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ وہ زندہ کیا جائے آپ نے دعا کی اور وہ زندہ ہوگیا۔ اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے **واخرج احمد فی الزهد عن خالد الحذاء قال کان عیسٰی بن مریم اذا سرح رسله یحیون الموتی یقول لهم قولوا کذا قولوا کذا فاذا وجدتم قشعریرة و دمعة فادعوا عند ذلک** یعنی عیسیٰ علیہ السلام جب اپنے رسولوں (حواریوں) کو بھیجتے تو ان کو مُردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بتلا دیتے کہ یہ کلمات کہا کرو اور جب جسم پر رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور اشک بہنے لگیں تو اس وقت دعا کرو۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے **واخرج احمد فی الزهد عن ثابت قال انطلق عیسٰی** علیہ السلام **یزور اخا له فاستقبله انسان فقال ان اخاک قد مات فرجع فسمعت بنات اخیه برجوعه عنهن فاتین فقلن یارسول الله رجوعک عنا اشد علینا من موت ابینا قال فانطلقن فارینني قبره فانطلقن حتی ارینه قبره قال فصوت به فخرج** (الحدیث) یعنی عیسیٰ علیہ السلام اپنے خالہ زاد بھائی کی ملاقات کو گئے ایک شخص نے کہا کہ ان کا انتقال ہوگیا آپ نے لوٹنا چاہا آپ کی بھتیجیوں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو کہنے لگیں کہ آپ کا واپس جانا ہمارے باپ کے انتقال سے زیادہ ہم پر شاق ہے فرمایا آپ نے، باپ کی قبر دکھلاؤ وہ ساتھ ہوئیں اور قبر کی نشاندہی کی

آپ نے صاحب قبر کو پکارا چنانچہ وہ قبر سے نکل آئے۔

بہجۃ الاسرار میں شیخ نور الدین علی اللخمی نے لکھا ہے کہ شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سو سے زیادہ پرندے وہاں اتر آئے شیخ کو ان کی آوازوں سے تشویش ہوئی اور غصے سے ان کی طرف دیکھا فوراً سب مر گئے شیخ کو ان کی حالت پر رحم آیا اور کہا الٰہی میرا مقصود یہ نہ تھا فوراً زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ ایک روز بطیحہ میں سات شخصوں نے بہت سے پرندوں کا شکار کیا مگر سب مردار ہو گئے تھے شیخ عثمان بطائحی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا اس شکار سے تمہیں کیا فائدہ نہ خود کھا سکتے ہو، نہ کسی کو کھلا سکتے ہو ان لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ وہ سب مردار ہیں کسی نے بطور استہزاء کہا کہ اگر آپ سے ہو سکتا ہے تو زندہ کر دیجئے آپ نے کہا **بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر اللّٰھم احیھا یامحی العظام وھی رمیم** یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی میں ہے ایک بار شیخ احمد رفاعی رضی اللہ عنہ تشریف رکھے تھے ایک شخص نے آ کر کہا میری خواہش یہ ہے کہ یہ مرغابیاں جو اڑ رہی ہیں ان میں سے ایک اور دو روٹیاں اور ٹھنڈا پانی میرے روبرو ہو آپ نے قبول کیا چنانچہ وہ سب چیزیں فراہم ہو گئیں جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو آپ نے اس مرغابی کی ہڈی لے کر کہا **اذھبی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** کہتے ہی وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

اور اسی میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دیا آپ نے اس کو مجاہدہ اور سلوک میں مشغول فرمایا ایک روز وہ عورت آئی اور دیکھا کہ حضرت کے روبرو مرغ کا گوشت ہے اور اپنے لڑکے کے روبرو سوکھی جو کی روٹی یہ اس کو ناگوار ہوا حضرت نے اس مرغ کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اٹھ اللہ کے حکم

سے وہ فوراً زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس عورت سے فرمایا کہ جب تیرے لڑکے میں یہ بات پیدا ہوگی اس وقت وہ مرغ کھا سکتا ہے۔

اور اسی میں شیخ علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ کسی گاؤں میں ایک شخص قتل ہوا تھا اور قاتل کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ دو گاؤں کے لوگوں میں کشت وخون ہو شیخ رحمۃ اللہ علیہ وہاں چلے گئے اور مقتول کے سر کے بال پکڑ کر پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا وہ اٹھ بیٹھا اور شیخ کی طرف دیکھ کر بآواز بلند فصیح زبان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا چنانچہ سب نے سنا اور اسی کے قول پر فیصلہ ہو گیا۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ اس وقت مچھلی کا گوشت کھانے کو جی چاہتا ہے یہ کہتے ہی اقسام کی مچھلیاں کنارے پر آگئیں اور کثرت سے شکار ہوا اور کڑاہیوں میں تلی گئیں جب سب کھانے سے فارغ ہوئے اور چند قتلے باقی رہ گئے اس طور پر کہ کسی کا سر ہے تو کسی کی دم وغیرہ اس وقت ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت شیخ متمکن کی کیا صفت ہے فرمایا کہ تمام خلائق میں اس کو عام تصرف دیا جائے اس نے کہا اس کی علامت کیا ہے فرمایا اگر وہ ان مچھلیوں سے کہہ دے کہ چلی جائیں تو وہ چلی جائیں پھر ان قتلوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا اے مچھلیو! اللہ کے حکم سے تم اٹھو اور چلی جاؤ یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو گئیں اور دریا میں کود پڑیں۔

یہ روایتیں بہجۃ الاسرار میں ہیں چونکہ اس کے مصنف شیخ نور الدین علی رحمۃ اللہ علیہ محدثین سے ہیں اسلئے ہر روایت کو بطرز حدیث بسند متصل بیان کیا۔ فتح المبین صفحہ ۱۱ میں **فیما یتعلق بتریاق المحبین** میں صاحب بہجۃ الاسرار کے حال میں لکھا ہے **قال الامام الذہبی المشہور الذی ہو من اعظم علماء الحدیث و اکابرہم**

الذی یقال عنه انه محک الرجال و معیارهم العارف باحوال رجال الحدیث والروایة فی کتابه طبقات المقربین فی ترجمة مصنف البهجة مانصه علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشنطونی الامام الاوحد المصری نور الدین شیخ القراء بالدیار المصریة ابو الحسن تصدر للاقراء والتدریس بالجامع الازهر وقد حضرت مجلس اقراءه واستانست بسمة وسکونه۔ دیکھئے امام ذہبی جیسے شخص مصنف بہجۃ الاسرار کو الامام الاوحد یعنی امام یگانہ روزگار کہتے ہیں اور اس کی مجلس کی حضوری کو باعث فخر سمجھتے ہیں تو وہ کس درجہ کے معتمد علیہ شخص ہوں گے۔

اور نیز فتح المبین صفحہ ۱۱۵ میں محمد بن محمد الجزری صاحب حصن حصین کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کتاب بہجۃ الاسرار میں نے مصر میں کامل پڑھی اور شیخ عبد القادر جو اکابر مشائخین مصر سے تھے ان سے اس کی اجازت لی۔ اس سے بہجۃ الاسرار کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے کہ محدثین اس کو سبقا سبقا پڑھا کرتے تھے اور مثل صحاح ستہ کے اس کی بھی اجازت لیا کرتے تھے۔ جب نقاد حدیث نے اس کتاب کے مصنف کو امام اوحد کہہ دیا اور محدثین کے درس و تدریس میں وہ کتاب رہی تو اب کس کی مجال ہے کہ اس کی روایتوں میں چون و چرا کر سکے۔

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے روض الریاحین صفحہ ۱۹۳ میں لکھا ہے کہ شعبی رضی اللہ عنہ کا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک جماعت یمن سے جہاد کے لئے آئی ان میں سے ایک شخص کا گدھا مر گیا ہر چند رفقاء نے ان کی سواری کے لئے اپنے گدھے پیش کئے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ الٰہی تیری راہ میں تیری رضامندی کے لئے میں جہاد کے واسطے نکلا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمام مُردوں کو

قبروں سے اٹھائیگا۔ الٰہی میں تجھ سے یہ طلب کرتا ہوں کہ میرے گدھے کو زندہ کردے یہ کہہ کر گدھے کو مارا وہ کان جھٹکتا ہوا فوراً کھڑا ہو گیا وہ اس پر سوار ہوئے اور اپنے رفقاء سے جا ملے۔

اور اسی کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہے کہ ایک روز چند پرندے بریان شیخ مفرج رحمۃ اللہ علیہ کے دستر خوان پر لائے گئے آپ نے ان سے کہا کہ اڑ جاؤ وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔

فتاویٰ حدیثیہ میں مذکور ہے کہ علامہ ابن حجر ہیتمی مکی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کرامت معجزہ کے درجے کو پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اہل سنت و جماعت کے کل فرقے یعنی فقہاء اصولیین اور محدثین وغیرہم سب کرامت کے وجود کے قائل ہیں معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ پھر اہل سنت کے دلائل احادیث سے بیان کئے اور لکھا کہ کرامت اور معجزے میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ معجزہ دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لئے ہے اور کرامت ولی سے صادر ہوتی ہے جو نبوت کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ دعویٰ کرتے ہی ولایت و کرامت اس کی سلب ہو جائے گی اور وہ کافر ہو جائے گا اس کے بعد کئی واقعات احیائے اموات کے بیان کئے جو بطور کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوئے ہیں۔ چنانچہ چند واقعات کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے لئے جارہے تھے رستہ میں ان کی سواری کا گھوڑا مر گیا انہوں نے دعا کی کہ الٰہی یہ گھوڑا مجھے اس وقت تک عاریت دے کہ میں اپنی بستی تستر کو پہنچ جاؤں اسی وقت گھوڑا کھڑا ہو گیا اور اس سفر میں پوری رفاقت دی اور جب تستر کو پہنچے تو خود گیرا اتارتے ہی وہ مر گیا۔

اور ایک اعرابی کے اونٹ کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی اسی قسم کا نقل کیا ہے اور لکھا ہے عن سهل التستری انه قال ذاكر الله على الحقيقة لوهم ان يحى

الموتیٰ یفعل سہل تستری کہتے ہیں حقیقی طور پر جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرے اگر وہ مردہ کو زندہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ شیخ اہدل ابو الغیث رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بلی پلی ہوئی تھی خادم نے اس کو مار ڈالا اور جب شیخ نے اس کا حال کئی روز کے بعد پوچھا تو اپنی لاعلمی ظاہر کی شیخ نے حسب عادت بلی کو پکارا تو فوراً زندہ ہو کر آ گئی۔

اور لکھا ہے کہ شیخ ابو یوسف وہمانی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا انتقال ہوا جس سے اس کے قرابت دار نہایت مغموم تھے آپ وہاں تشریف لے گئے اور **قم باذن اللّٰہ تعالیٰ** اس سے کہا فوراً وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک مدت تک زندہ رہا۔

نفحات الانس صفحہ ۲۶۸ میں مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے عین القضاۃ ہمدانی کے حال میں لکھا ہے کہ آپ سے اعلیٰ درجہ کے خوارق عادات مثل احیاء و اماتت ظہور میں آئے چنانچہ ایک روز سماع کی مجلس میں ابو سعید ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بیت پڑھی جس پر آپ کو وجد ہوا ابو سعید نے کہا کہ مجھے مرنے کی آرزو آتی ہے۔ آپ نے کہا مر جاؤ وہ فوراً بے ہوش ہو کر گرے اور مر گئے مفتی شہر بھی اس مجلس میں حاضر تھے پوچھا کہ آپ نے زندہ کو تو مار ڈالا کیا مردہ کو بھی زندہ کر سکتے ہو کہا کون مردہ ہے کہا فقیہ محمود آپ نے کہا کہ الٰہی فقیہ محمود کو زندہ کر دے اسی ساعت وہ زندہ ہو گئے۔

یہ چند واقعات جو دو چار کتابوں سے لکھے گئے ہیں ان کو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیے اگر تمام کتب سیر و تواریخ وغیرہ سے تلاش کیے جائیں تو اور بہت واقعات مل سکتے ہیں اور یہ تو ابھی معلوم ہوا کہ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ جو اکابر محدثین سے ہیں انہوں نے ایک کتاب مستقل زندہ شدہ مُردوں کے حال میں لکھی ہے اس سے ان کا یہی مقصود تھا کہ احیائے اموات کا ذکر قرآن شریف میں جو کئی جگہ واقع ہے مختلف اوقات اور متعدد مقامات

میں اس کا وقوع معلوم ہونے سے کوئی استبعاد باقی نہ رہے۔ حق تعالی ان علماء کی سعی مشکور فرمادے کہ ہم آخری زمانے والے مسلمانوں کے ایمان کو مستحکم کرنے کی غرض سے کیسی کیسی محنتیں گوارا کر کے ایک ذخیرہ معلومات کا ہمارے لئے فراہم کر دیا جس کی شکر گزاری ہم پر واجب ہے۔

ان تمام واقعات کو دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** اس سے یہی مراد نہیں کہ صرف زبانی وعظ و نصیحت علماء کا کام ہے بلکہ مقتضائے کمال تشبہ یہ ہے کہ جس طرح انبیاء نے احیائے اموات وغیرہ کا خوارق عادات سے کام لیا تھا سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی امت اس باب میں بھی ان سے پیچھے نہ رہے چنانچہ علماء باللہ قدس اللہ اسرارھم نے اس کو بھی کر دکھایا۔

ہمیں اس کا یقین ہے کہ یہ تو کیا اگر کئی جز ان واقعات کے پیش کیے جائیں تو بھی مرزا صاحب اور ان کے پیرو ایک نہ مانیں گے اور جس طرح مرزا حیرت دہلوی صاحب کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی روایات اور تواتر کا انکار ہے ہمارے مرزا صاحب بھی انکار ہی فرماتے رہیں گے اسلئے یہاں ہمارا روئے سخن مرزا صاحب کی طرف نہیں ہے بلکہ ہم ان حضرات کو توجہ دلاتے ہیں کہ جو فقہا اور محدثین اور اولیاء اللہ کیساتھ حسن ظن رکھتے ہیں ورنہ مخالفین اہل سنت و جماعت کے روبرو ان حضرات کے اقوال پیش کرنا ایسا ہے جیسے پادریوں کے مقابلہ میں قرآن و حدیث کو پیش کرنا جس سے سوائے تضیع اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اصل کرامت ہی کا انکار ہے اور ہونا بھی چاہیے اس لئے کہ مادر زاد نابینا مثلاً اگر خد و خال و حسن و جمال اور جملہ الوان و انوار کا انکار نہ کرے تو کیا کرے اسکی عقل میں صلاحیت ہی نہیں کہ ان چیزوں کا تصور کر سکے۔ اسی طرح

معتزلہ نے دیکھا کہ آخر ہم بھی مسلمان ہیں اور کبھی کرامت کی صورت بھی نہ دیکھی اس لئے ان کی عقلوں نے اصل کرامت ہی کا انکار کردیا انہوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ اس میں اپنا ہی قصور ہے کرامت کا مدار تو کمال ایمان پر ہے اور وہاں نفس ایمان میں کلام ہے۔ کیا یہ مقتضائے ایمان ہے کہ کھلی کھلی آیات واحادیث کو اپنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نہ مان کر ان میں اقسام کی تاویلیں کی جائیں۔ کرامت کا درجہ تو فقط ایمان لانے سے بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک ایسی حالت نہ پیدا ہو جس سے خالق کی خوشنودی کے مستحق ہوں پھر ایسا عظیم الشان درجہ بغیر تمام آیات واحادیث پر ایمان لانے کے کیوں کر حاصل ہوسکتا ہے۔

الحاصل جس طرح معتزلہ کے انکار کرامت سے اہل سنت و جماعت کرامت کا انکار نہیں کرسکتے اسی طرح مرزا صاحب کے انکار احیائے اموات سے وہ لوگ اس کا انکار نہیں کرسکتے معتزلہ کو تو صرف قیاس ہی نے روکا تھا اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی مرزا صاحب کی ذاتی غرض بھی اس انکار سے متعلق ہے ایسے موقع میں ان کی بات کیونکر قابل اعتبار ہوسکے۔

حق تعالیٰ نے عزیر یا ارمیا علیہما السلام کے مر کے زندہ ہونے کا واقعہ جو قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے مرزا صاحب اس کی نسبت ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم و غشی بھی آیا ہے دیکھو قاموس۔ اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرور اس کی موت

کا ذکر ہوتا۔ یہ قصہ قرآن شریف میں اس طرح مذکور ہے قولہ تعالیٰ **او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انّٰی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الٰی طعامک وشرابک لم یتسنہ وانظر الٰی حمارک ولنجعلک اٰیۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما فلما تبین لہ قال اعلم ان اللّٰہ علٰی کل شیء قدیرo** حاصل مضمون اس آیہ شریفہ کا جو احادیث سے ثابت ہے جن کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں اور دوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے یہ ہے اور سیاق وسباق سے بھی ظاہر ہے کہ جب بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے نوخیز اور نئے خیال کے لوگ خدا اور رسول سے بے خوف ہو گئے اور فسق وفجور حد سے زیادہ ہو گیا ارمیا علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اب یہ بستی غارت اور ویران کر دی جائیگی۔ ہر چند انہوں نے لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا اور وعظ ونصیحت کی مگر جب ایمان ہی نہ ہوتو کیا اثر ہوسکتا ہے۔ غرض کہ کسی نے نہ مانا آخر بخت نصر نے اس پر چڑھائی کی اور قتل عام کر کے اسکو ایسا تباہ کیا کہ تمام مکانات وعمارات منہدم کر دیئے جس سے پوری بستی ایک تودہ خاک مثل پہاڑ نظر آئی ارمیا علیہ السلام وہاں سے جاتے ہوئے بھی کسی پہاڑ کے کنارے کھڑے ہو گئے اور کمال افسوس سے کہا کہ اب یہ بستی کہاں آباد ہوسکتی ہے۔ **کما قال تعالٰی او کالذی مر علٰی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا** اور ایک روایت میں ہے کہ عزیر علیہ السلام کا اس پر گزر ہوا اور انہوں نے یہ کلمہ کہا۔ بہر حال خدائے تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نبی وقت کا استبعاد دفع کر دے۔ ملک الموت کو حکم ہوا کہ ان کی روح قبض کر لیں۔ چنانچہ روح قبض کر لی گئی جس کی خبر حق تعالیٰ قرآن شریف میں دیتا ہے کہ **فاماتہ اللّٰہ** اور ان کا لاشہ وہیں پڑا رہا یہاں تک کہ جب

ستر برس گزرے تو کسی بادشاہ کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو پھر آباد کرے چنانچہ تیس سال میں وہ بالکل آباد ہو گیا اس وقت چونکہ پورے سو برس ان کی موت سے گزرے تھے حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا **کما قال تعالیٰ فاماته اللّٰہ مائة عام ثم بعثه** اور زندہ ایسے طور پر کئے گئے کہ جو خدشہ ان کے دل میں تھا اسکا جواب ساتھ ہی ہو جائے یعنی ابتداء آنکھیں بنائی گئی اور پہلے پہل جس پر نظر پڑی وہ بیت المقدس تھا جس کی آبادی محال سمجھی گئی تھی دیکھا کہ اس کی اب یہ حالت ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خوش نما اور خوش منظر ہے کیونکہ کل عمارتیں جدید بنی ہوئی تھیں جن میں نام کو کہنگی نہ تھی۔ جب انہوں نے اپنے سوال کا جواب عملی طور پر پالیا تو ارشاد ہوا کہ اب بتاؤ کہ تم یہاں کتنے روز رہے **کما قال تعالیٰ قال کم لبثت** کہا ایک روز یا اس سے بھی کم قولہ تعالیٰ **قال لبثت یومًا او بعض یوم** اس لئے کہ اس عالم سے غائب ہونے کا وقت صبح کا تھا اور اب غروب کا وقت ہے فرمایا یہ نہیں بلکہ سو برس گزر چکے ہیں قولہ تعالیٰ **قال بل لبثت مائة عام** اب غور کرو کیا ممکن ہے کہ اتنی مدت کھانے پینے کی چیزیں از قسم فواکہ محفوظ رہ سکیں دیکھو یہ چیزیں بلا تغیر تمہارے سامنے رکھی ہیں اور گدھا بھی بحال خود موجود ہے۔ یہ وہی اشیاء ہیں جو تمہارے ساتھ تھیں **کما قال تعالیٰ فانظر الیٰ طعامک وشرابک لم یتسنه وانظر الیٰ حمارک** اس سے ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ خراب کو آباد اور درست کرتا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو چاہتا ہے خرابی سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے اسکے بعد ارشاد ہوا کہ ان کاروائیوں سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ تمہارے خدشہ کا جواب مع شئی زائد ہو جائے اور یہ بھی غرض تھی کہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانی بتائیں **کما قال تعالیٰ ولنجعلک اٰیة للناس** چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ اپنے گھر گئے تو پوتے بوڑھے تھے اور ان کی وہی عمر تھی جو انتقال کے وقت تھی چنانچہ درمنثور میں ہے **وقال ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فکان کما قال**

اللّٰہ ولنجعلک اٰیة للناس لبنی اسرائیل وذالک انہ یجلس مع بنی بنیہ وھم شیوخ وھو شاب لانہ کان مات وھو ابن اربعین سنة فبعث اللّٰہ شابا کھیئتہ یوم مات (مختصرا) غرض کہ جب مجلس میں وہ اپنے پوتوں کے ساتھ بیٹھتے تو حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا کہ دادا تو چالیس برس کے اور پوتے سو سو برس کے یہاں تک کہ یہ نکتہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ بیت المقدس خرابی کے بعد از سر تو آباد ہوا جس کو نیا شہر باعتبار تعمیر کر کے کہہ سکتے ہیں اور فواکہ میں خرابی اور تغیر آیا ہی نہ تھا بلکہ وجود ان کا بحالت سابقہ مستمر رہا اور عزیر علیہ السلام کا وجود نہ مثل فواکہ مستمر رہا، نہ بیت المقدس وجود سابق ولاحق میں ایسی مغایرت ہوئی جس سے نئے عزیر کہلائیں بلکہ وجود سابق کے ساتھ وجود لاحق ایسا متصل کیا گیا ہے کہ گویا وجود سابق ہی مستمر ہے اسی وجہ سے ان کے پوتوں نے اپنا دادا تسلیم کر لیا۔ غرضیکہ عزیر علیہ السلام کو ویران شہر کے آباد ہونے ہی میں کلام تھا حق تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر قابل استبعاد بلکہ محال چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا کیونکہ عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ میوہ بغیر تغیر کے سو سال تک محفوظ رہے یا اعادہ معدوم کا ہو سکے۔ اس کے بعد معدوم کو موجود کرنے کا طریقہ دکھلایا گیا چنانچہ ارشاد ہوا **وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما** یعنی اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کیسی جمع ہو رہی ہیں اور کس طرح ہم ان پر گوشت پہناتے ہیں جب انہوں نے تمام واقعات بچشم خود دیکھ لئے اور اچھی طرح ان پر یہ امر ظاہر ہو گیا **کما قال تعالیٰ فلما تبین لہ** بے اختیار کہہ اٹھے کہ **اعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر** یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ویران بستی کا آباد کرنا تو کیا معدوم کو دوبارہ موجود کر سکتا ہے۔ وغیر ذٰلک۔

یہ ملخص ان احادیث کا ہے جو اس باب میں بکثرت وارد ہیں اور جن کا نقل کرنا موجب تطویل ہے درمنثور میں یہ روایت بھی ہے **اخرج عبد ابن حمید وابن**

المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ والبیهقی فی شعب الایمان عن علی بن ابی طالب ﷺ فی قوله تعالیٰ او کالذی مر علی قریة (الیٰ ان قال) فاماته اللّٰه مائة عام ثم بعثه فاول ماخلق اللّٰه منه عیناه فجعل ینظر الیٰ عظامه (الحدیث) **واخرج اسحٰق بن بشر وابن عساکر من طرق عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **وکعب والحسن ووهب فقال انی یحیی هٰذه اللّٰه بعد موتها فلم یشک ان اللّٰه یحییها ولکن قالها تعجبا فبعث اللّٰه ملک الموت فقبض روحه فاماته اللّٰه مائة عام** (الحدیث)۔ ماحصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ نبی حقیقۃً مر گئے تھے جن کی روح ملک الموت نے قبض کی اور پہلے ان کی آنکھوں میں جان آئی جن سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے یہی دو روایتیں مسلمانوں کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر صحابہ وتابعین جب ان کی حقیقی موت کے بعد زندہ ہونے کے قائل ہیں اور صراحۃً قرآن شریف میں بھی ان کی موت کا ذکر موجود ہے تو اب مرزا صاحب کا مجرد بیان کہ ان کی موت ثابت نہیں اور وہ بھی ایسا کہ جس سے اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اس کی طرف توجہ کرے۔

مرزا صاحب کی جہاں غرض متعلق ہوتی ہے تو فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف بھی اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اس کا موضوع ہونا تو ثابت نہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اور ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے اب دیکھئے کہ یہ حدیثیں تو ضعیف بھی نہیں بلکہ خود محدثین نے صحت کی تصریح کی ہے اور ان میں کسی محدث نے جرح بھی نہیں کی اور قرآن کو اور بھی بسط سے بیان کر رہی ہیں کہ ملک

الموت نے ان کی روح قبض کی اور زندہ ہونے کے وقت پہلے آنکھیں بنائی گئیں تو بقول مرزا صاحب وہ بھی قابل قبول ہیں جس سے یقیناً ثابت ہوگیا کہ موت یہاں نوم وغشی کے معنی میں نہیں ہے اور جب احادیث اور آیت قرآنی سے اس عالم میں موت کے بعد زندہ ہونا ثابت ہوگیا تو **لایرجعون** سے مرزا صاحب نے جو مطلب نکالا تھا کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہوسکتا وہ غلط ہوگیا۔

اور وہ بات صادق آگئی جو خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں اور بباعث اس کے کہ ان لوگوں (کے یعنی نیچروں) کے دلوں میں **قال اللہ** اور **قال الرسول** کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور ممتنعات میں داخل کر لیتے ہیں قانون قدرت بے شک حق اور باطل کے آزمانے کیلئے ایک آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کا اسی پر مدار نہیں..... اس فلسفی قانون قدرت سے ذرا اوپر چڑھ کر ایک اور قانون قدرت بھی ہے جو نہایت دقیق اور غامض اور بباعث دقت وغموض موٹی نظروں سے چھپا ہوا ہے جو عارفوں ہی پر کھلتا ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہوگیا جس کا قدم دن بدن الحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے مرزا صاحب نیچروں کی چنگال سے مسلمانوں کو اس وجہ سے نکال رہے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کی عیسویت کو نہیں مانتے چنانچہ اسی تقریر کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت **قال اللہ** اور **قال الرسول** کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعویٰ کی تحقیر کر کے اس کو باطل ٹھہرایا جائے۔ اس موقع پر تو **ماشاء اللہ** مرزا صاحب نے حدیثوں کی خوب ہی طرفداری کی مگر جب کوئی حدیث ان کے مخالف ہوتی ہے (اور ہمیشہ یہی

ہوا کرتا ہے) تو خواہ وہ بخاری کی حدیث ہو یا مسلم کی، صاف فرمادیتے ہیں کہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو مفید ظن ہے **والظن لایغنی من الحق شیئاً** یعنی حدیث سے کوئی بات ثابت نہیں ہوسکتی۔ اور مرزا صاحب کی توجہ حدیث کی طرف ایسی ہوتی ہے جیسے آتھم صاحب کے بھاگے پھرنے کا نام انہوں نے رجوع الی الحق رکھ دیا تھا اب بیچارے نادان مسلمان اگر نیچروں کے پنجہ سے نکلے بھی تو مرزا صاحب کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور مجبوراً ان کو یہی کہنا پڑے گا کہ کوئی حدیث قابل اعتبار اور بزبان حال کہہ رہے ہیں "**چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی**" مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہی بات اگر سمجھ کے کہتے تو اس کے نتائج ہی کچھ اور ہوتے۔

مرزا صاحب نے اگرچہ احتمال قائم کر دیا ہے کہ موت کے معنی لغت میں نوم و غشی کے ہیں مگر وہ موت ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں اگر ان آیات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے عزیر علیہ السلام کو زندہ کرکے دکھلا دیا تاکہ اپنی قدرت پر اس کو یقین دلائے مگر ان کے مرید صاحب نے تو موت کا انکار ہی کر دیا چنانچہ القول العجیب میں لکھا ہے کہ یہ ایک خواب تھی جو اللہ نے نبی کو دکھلائی تھی۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ ہڈیوں کا کیونکر زندہ کرسکتا ہے تب اللہ نے ان کی تسلی کے لئے ان پر خواب طاری کی اور خواب میں ان ہڈیوں وغیرہ اور غیر آباد زمین کو سو سال کے اندر آباد ہوتے ہوئے دکھایا پھر جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو اللہ نے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی دیر رہے انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن اللہ نے کہا تو تو سو سال تک اس نظارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر جب ان کو تردد پیدا ہوا کہ کیا میں سو سال تک سوتا پایا تب اللہ نے ان کے رفع شک کے لئے فرمایا کہ وہ بات تو خواب کی یعنی عالم مثال کے سو سال تھے کیونکہ تم اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھو اس پر

کوئی سال نہیں گزرے اپنے گدھے کو دیکھو کھڑا ہوا ہے۔ ماحصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ناحق اقرار کرلیا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے مرے تھے دراصل وہ مرے ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو **فاماته اللّٰه** فرمایا ہے وہ بھی کچھ ایسی ہی بات ہے دراصل نہ وہ مرے، نہ سو برس پڑے رہے بلکہ صرف تین چار پہر سوتے رہے اور سو برس تک خواب دیکھا کئے یہ **فاماته اللّٰه مائة عام** کا مطلب ہوا پھر جب خدا نے ان سے پوچھا **کم لبثت** اس کا مطلب یہ کہ کتنی دیر تک خواب دیکھا کئے؟ پھر انہوں نے دیکھا تو سو برس مگر کہہ دیا کہ ایک روز۔ خدا نے کہا نہیں **بل لبثت مائة عام** یعنی تم سو برس تک خواب دیکھا کئے اس پر بھی ان کو اعتبار نہ آیا اور نہ یہ بات یاد آئی کہ سو برس خواب دیکھا کئے آخر خدا کو یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ وہ واقعہ ایک ہی روز کا تھا اس لئے ان کے کھانے پینے کی چیزیں گدھے کو دکھلانے کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے جو خود اقرار کیا تھا کہ ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا وہ قابل اعتبار نہ ہوا۔

یہ جو مضمون قرآن شریف کا بیان کیا گیا ہے کیا کوئی غبی یا ذکی عبارت قرآن سے نکال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور نہ یہ مضمون کسی تفسیر میں ہے، نہ حدیث میں۔ اسی کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں جس کی نسبت مرزا صاحب نے بھی کفر و الحاد کا فتویٰ دیدیا ہے۔

ادنیٰ فراست سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب مرزا صاحب کو دعویٰ فصاحت اور بلاغت اور اعجاز بیانی ہے تو مرزا صاحب کے کلام میں اور کلام الٰہی میں ضرور فصاحت اور بلاغت کا موازنہ ہوگا اور یہ بات ثابت کردی جائیگی کہ خدا کا کلام تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ مقصود کچھ ہے تو الفاظ کچھ ہیں اور مرزا صاحب کے کلام میں اس قسم کی رکاکت ثابت نہ ہو سکے گی۔ اور ان کی بھی خصوصیت کیا ہر ایک ادنیٰ منشی جو کچھ لکھتا ہے اپنا مافی الضمیر الفاظ میں پورا بیان کر دیتا ہے جس سے اسکو دیکھنے والا مقصود اس منشی کا سمجھ جاتا ہے پھر اس کا

موازنہ پر جو کچھ تفریعات اور آثار مرتب ہوں گے وہ محتاج بیان نہیں۔

القول العجیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر تفاسیر میں **فاماته الله** کے معنی یہی لکھے ہیں **فانامه الله** یعنی اللہ نے اسکو سلا دیا دیکھو معالم وغیرہ۔ ہم نے معالم کو دیکھا اس کی عبارت یہ ہے **فالقی الله علیه النوم فلما نام نزع الله منه الروح مائة عام فلما مضت المائة احی الله منه عینیه وسائر جسده ثم احیا جسده وهو ینظر الیه** یعنی خدائے تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کر دی جب وہ سو رہے تو ان کی روح قبض کر لی گئی۔ پھر جب سو برس پورے گزرے تو اللہ نے پہلے ان کی آنکھیں زندہ کیں پھر تمام جسم کو زندہ کیا جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اگر صاحب معالم نے **فاماته الله** کے معنی **فانامه** لیا ہے تو **فلما نام نزع الله منه الروح مائة عام** میں نزع روح کس لفظ سے نکالا جائیگا۔

شاید نزع روح سے معمولی غفلت سمجھی گئی مگر وہ بھی صاحب قول عجیب کے مقصود کے خلاف ہے کیونکہ سو برس کی نیند کے وہ قائل نہیں۔ پھر آنکھوں اور جسم کا زندہ کرنا کیسا۔ موت تو آئی نہ تھی شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ پہلے آنکھیں بیدار ہوئیں اس کے بعد جسم بیدار ہوا جس کو وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے مگر اس میں بھی یہ بات قابل توجہ ہے کہ آنکھوں سے جسم کی بیداری کیونکر نظر آئی اگر جسم کی بیداری سے مراد حرکت ہے تو یہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ نیند میں بھی جسم کی حرکت باقی رہتی ہے جو کروٹ بدلنے سے ظاہر ہے اور اگر حس مراد ہے تو وہ آنکھوں سے محسوس نہیں اس لئے کہ ہر عضو کا حس جدا ہے الحاصل صاحب معالم کا یہ مذہب ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر علیہ السلام ایک روز سوتے رہے البتہ انہوں نے ایک نئی بات بتلائی کی نزع روح حالت بیداری میں نہیں ہوا بلکہ نیند کی حالت میں ہوا تھا۔

اس مقام میں ہم صاحب قول عجیب پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتے کہ انہوں نے

معالم کا مطلب سمجھا نہیں بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کو صرف قرآن کی تحریف منظور ہے اس لئے **القی اللّٰہ علیہ النوم** کو **اماتہ اللّٰہ** کے معنی قرار دے کر **نزع اللّٰہ روحہ** وغیرہ کو قصداً ترک کر دیا جس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود ہے کیا ان کاروائیوں کے بعد بھی حسن ظن کیا جائے گا کہ ان حضرات کو کلام الٰہی پر ایمان ہے کیا وہ تمام باتیں جو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کفر والحاد ہے اور جھوٹ کہنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ صدق دل سے کہی گئی ہوں گی ان کاروائیوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ بھی ایک حکمت عملی ہے جس پر ان کی امت بھی عمل پیرا ہے۔

اب مرزا صاحب کی پیش بندیوں کو دیکھئے کہ قرآن کی تحریف کے واسطے کیسا طریقہ نکالا احادیث وتفاسیر کو پہلے ہی ساقط الاعتبار کر دیا پھر جب مطلق العنان ہو گئے تو کون روکنے والا ہے مجاز کا دروازہ کھلا ہوا ہے آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی مجازاً کہہ سکتے ہیں پھر موت کو نیند اور نیند کو موت کہہ دینا کون سی بڑی بات ہے۔ جتنے نبوت کا دعویٰ کرنے والے گزرے ہیں سب کا یہی طریقہ رہا ہے کہ قرآن کی تحریف کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا کہ قرآن ہی سے استدلال کر کے بعضوں نے مردار اور خون اور خنزیر کو مباح کر دیا تھا۔ اگر آخری زمانہ والے مسلمان مرزا صاحب کے اس طریقہ کو جائز رکھیں تو بس دین کا خاتمہ ہو گیا جب آدمی کے معنی گدھا اور گدھے کے معنی آدمی مجازاً ہو سکتے ہیں تو کونسا لفظ ایسا ہو گا جس کے مجازی معنی اپنے مقصود کے موافق نہ لے سکیں۔

یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کسی لفظ کے مجازی معنی لینا تو درست ہے مگر نہ شرعاً عام طور پر اس کی اجازت ہے، نہ لغۃً، نہ عرفاً، نہ عقلاً۔ کہ جہاں چاہیں حقیقی معنی چھوڑ کے مجازی معنی لیا کریں بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ بن سکتے ہوں اور معنی مجازی پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے شیر دیکھا تو

اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ اصلی شیر دیکھا کیونکہ مجازی معنی پر کوئی قرینہ نہیں اور اگر یہ کہے کہ میں نے ایک شیر دیکھا جو بندوق چلا رہا تھا تو بندوق چلانے کے قرینے سے جواں مرد سمجھا جائے گا کیونکہ اصلی شیر میں بندوق سر کرنے کی صلاحیت نہیں۔ چونکہ الفاظ حقیقی اور مجازی معنی میں برابر مستعمل ہوا کرتے ہیں اور حقیقی اور مجازی معنی کا اشتباہ ہمیشہ فہم مضامین میں خلل انداز ہونیکا باعث تھا اسلئے اکابر اہل لغت نے اس کا بندوبست یہ کر دیا کہ ہر لفظ کے حقیقی معنی کی تصریح کر دی جس سے معلوم ہو گیا کہ اس معنی کے سوائے جس معنی میں وہ لفظ مستعمل ہو مجاز ہوگا اور اس کے لئے قرینے کی ضرورت ہوگی تا کہ کسی کو یہ موقع نہ ملے کہ کسی لفظ کو مجازی معنی میں مستعمل ہوتے دیکھ کر جہاں چاہے وہی معنی مراد لے۔ اب دیکھئے علامہ زمخشری نے اساس البلاغہ میں موت کے حقیقی معنی وہی لکھے ہیں جو مشہور ہیں اس کے بعد لکھا "**ومن المجاز**" **احیای اللّٰہ البلد المیت و اخذتہ الموتۃ الغشی ومات فوق الرجل اذا استثقل فی نومہ** اور اس کے سوائے بہت سے مجازی استعمال لفظ موت کے بیان کئے اور لسان العرب میں لکھا ہے **الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور سمی النوم موتا لانہ یزول معہ العقل والحرکۃ تمثیلا و تشبیھا لا تحقیقا** حاصل مطلب یہ ہوا کہ نیند کو موت جو کبھی کہتے ہیں تو وہ بطور تشبیہ و تمثیل کے ہوتا ہے حقیقی معنی اس کے وہ نہیں۔

الحمد للہ کہ اکابر اہل لغت کی تصریح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ موت کے حقیقی معنی وہی ہیں جس کو ہر شخص جانتا ہے اور بے ہوشی اور نیند کے معنی میں جو یہ لفظ مستعمل ہے وہ بطور مجاز ہے اسی وجہ سے اگر مات فلاں کہا جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مر گیا اور غشی یا نیند کے معنی میں مستعمل ہو تو اسی کے لئے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی ضرورت ہوگی جو علامت مجاز ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب موت کے حقیقی معنی بے ہوشی اور نیند کے جو کہتے ہیں جیسا

کہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بے ہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اہل لغت کی تصریح سے ثابت ہوا کہ غلط ہے۔ اگر یہ فرماتے کہ اماتت سلانے اور بے ہوش کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو البتہ قابل تسلیم تھا مگر وہ تو صاف کہہ رہے ہیں کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بے ہوش کرنے کے ہیں جس کی تکذیب کتب لغت سے ہو رہی ہے اگر یہ بیان ان کا صحیح ہوتا تو کسی لغت کی کتاب کی عبارت نقل کر دیتے کہ اماتت کے حقیقی معنی سلانے اور بے ہوش کرنے کے ہیں جیسے ہم نے لغت سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ معنی مجازی ہیں۔

جب لغت سے ان کی یہ خلاف بیانی ثابت ہو گئی تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ اپنی غرض کے وقت جھوٹ سچ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اس لئے ان کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ پھر انہوں نے جو کہا تھا کہ جھوٹ کہنا شرک ہے تو اس سے سوائے دھوکہ دہی کے اور کیا تصور کیا جائے۔ اور ابھی یہ بات معلوم ہوئی کہ **اماته الله** کی تفسیر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام اس وقت مر گئے تھے تو معلوم ہوا کہ نہ بحسب لغت اماتت کی تفسیر بے ہوشی اور خواب ہو سکتی ہے، نہ بحسب حدیث۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے تفسیر کی ہے اور خود ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے اب ان کو کیا کہنا چاہیے اور حدیث شریف میں ہے **قال النبی ﷺ من تکلم فی القرآن برأیه فاصاب فقد اخطاء** (رواہ ابوداؤد والترمذی) **وفی روایة عن ابی داؤد وقال النبی ﷺ من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار** (کذا فی تفسیر روح المعانی) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات بنائے اگر صواب بھی ہو تو اس نے خطا کی اور جو شخص قرآن میں بے علمی سے کوئی بات بنائے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اب دیکھئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے موافق مرزا

صاحب کیسی کیسی وعیدوں کے مستحق ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو ان کی رفاقت دینے کی معلوم نہیں کون سی ضرورت ہے۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ تفسیر معالم میں زیر تفسیر آیت **یاعیسٰی انی متوفیک** میں لکھا ہے کہ علی بن طلحہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ **انی ممیتک** یعنی میں تجھ کو مارنے والا ہوں آپ نے دیکھ لیا کہ ابھی اماتت کے معنی سلانے کے تھے اور یہاں مارنے کے معنی لے رہے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ تفسیر بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ان کے اعتراف سے ثابت ہے کہ اماتت کے معنی سلا دینے کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ **متوفیک** کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے **ممیتک** کر کے سلا دینے کے معنی اس کے بھی لئے ہیں اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ **توفی** کے معنی سلا دینے کے ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے **اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا** یعنی توفی جو موت اور سونے کے وقت ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ ہی مارتا ہے اور سلاتا ہے وقولہ تعالیٰ **وھو الذی یتوفاکم باللیل** یعنی اللہ ہی تم کو رات میں سلا دیا کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ **توفی** کے معنی سلا دینے کے بھی ہیں اور مرزا صاحب کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اماتت کے معنی بھی سلا دیئے کے بھی ہیں اس صورت میں **متوفیک** اور **ممیتک** دونوں کے معنی سلا دینے کے ہوئے جو ہمارا مقصود ہے اور مرزا صاحب جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ **توفی** کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں سو خود کلام الٰہی سے اس کی تکذیب ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ توفی جیسے قبض روح سے ہوتی ہے نیند سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ زمخشری نے اساس البلاغہ میں **توفی** کے حقیقی معنی استکمال لکھا ہے **کما قال وتوفاہ استکملہ** اس کے بعد لکھا ہے۔ **ومن المجاز توفی فلان وتوفاہ اللّٰہ**

ادرکته الوفات اور لسان العرب میں لکھا ہے تقول قد استوفیت من فلان وتوفیت منه مالی علیه تاویله ان لم یبق علیه شیء. واما توفی النائم فهو استیفاء وقت عقله وتمیزه الی ان نام وقال الزجاج فی قوله قل یتوفاکم ملک الموت قال هومن توفیة العدد تاویله ان یقبض ارواحکم اجمعین فلا ینقص واحد منکم الحاصل اس سے یہ ثابت ہے کہ توفی کے حقیقی معنی استکمال اور استیفاء کے ہیں کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ توفی کے حقیقی معنی موت کے ہیں اس صورت میں یاعیسٰی انی متوفیک کا مطلب یہ ہوا کہ اے عیسٰی ہر چند کہ کفار تم کو قتل کرنا چاہتے ہیں مگر یہ نہ ہوگا ہم تمہاری عمر کامل کریں گے اور تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ان کی عمر دراز کی جس کی ظاہری تدبیر یہ ہوئی کہ ان کے دشمنوں میں سے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور قیامت کے قریب تک زندہ رہیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یہ مطلب آیہ شریفہ کا توفی کے حقیقی معنی لینے پر تھا۔ اور اگر مجازی معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم تمہیں سلا کے یا بے ہوش کر کے اٹھالیں گے اور توفی کے معنی سلانے کے تو خود کلام الٰہی سے ثابت ہیں بہر حال متوفیک کے حقیقی معنی لیں یا مجازی دونوں صورتوں میں وہ معنی اچھی طرح بن جاتے ہیں جو مسلمانوں میں ابتداء سے اب تک متعارف ومشہور ہیں اور جن کی تصدیق صدہا احادیث وآثار سے ہورہی ہے اور اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کہ عیسٰی سے مایوس ہو کر مرزا صاحب ہی پر قناعت کر لی جائے گو جتنی باتیں آپ میں پائی جاتی ہیں شان عیسویت کے سراسر خلاف اور مضر ہیں۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے موت اور توفی کے معنی میں لغت کی طرف رجوع کیا تو اکابر اہل لغت نے ان کی تکذیب کر دی پھر قرآن کی طرف رخ کیا تو خدائے تعالیٰ کے کلام قدیم سے صاف ان کا جھوٹ ثابت ہو گیا اور احادیث کے تو وہ اسی وجہ سے دشمن

ہیں کہ حدیثیں ہمیشہ ان کی تکفیر و تفسیق وغیرہ کرتی ہیں۔

اہل انصاف اس مقام میں اچھی طرح غور کریں کہ مرزا صاحب نے خیال کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت **یا عیسیٰ انی متوفیک** سے تو گویا ثابت ہوگئی اور دوبارہ زندہ نہ ہونے کا احتمال جو **فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام** سے ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ مثل عزیر علیہ السلام کے وہ پھر زندہ ہو جائیں اس کے باطل کرنے کی غرض سے اس آیۂ شریفہ کے معنی میں تحریف و تصرف کیا۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ انہی کی تقریر سے ثابت ہوگیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر جو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ **متوفیک** کی تفسیر انہوں نے **ممیتک** کی ہے۔ اس سے ان کی موت ثابت نہیں جیسا کہ **اماتہ اللّٰہ** سے عزیر علیہ السلام کی موت بقول مرزا صاحب ثابت نہیں۔ اور اگر عیسیٰ کی موت ثابت کرنے کی غرض سے **ممیتک** جو تفسیر **متوفیک** میں واقع ہے اس سے حقیقی موت مراد لیں تو **فاماتہ اللّٰہ** سے عزیر علیہ السلام کی حقیقی موت ثابت ہوگی جس سے ان کا وہ مطلب فوت ہو جائے گا کہ کوئی شخص اس عالم میں دوبارہ زندہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ **فاماتہ اللّٰہ مائۃ عام ثم بعثہ** سے عزیر علیہ السلام کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہے بہر حال ان دونوں دعووں میں سے ایک دعویٰ ان کا ضرور باطل ہوگیا اس کے بعد احیائے موتی سے متعلق کل آیتوں میں جو وہ تحریفیں کررہے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ تمام قرآن میں جو احیائے موتی کے متعلق آیات ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں صرف **اماتت** کا لفظ ہے **توفی** کا لفظ نہیں اس میں یہی بھید ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں لیکن اماتت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا ہی نہیں بلکہ سلانا اور بے ہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اس سے ان کو کچھ فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ غضب الٰہی کا استحقاق حاصل ہو۔

ایک واقعہ احیائے موتی کا قرآن شریف میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے مقتول زندہ ہوا اور اپنے قاتل کا نام بتلا دیا یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں آیۂ شریفہ **واذ قتلتم نفسا فادرءتم** الآیۃ میں مذکور ہے جس میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا حال ظاہر فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہ وہ قدرت خدا تھی، نہ معجزہ بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے اس مردہ کو حرکت ہو گئی تھی (معاذ اللہ)۔ مرزا صاحب کو عیسویت کے دعویٰ نے کہاں تک پہنچا دیا۔ قرآن کی تکذیب کی، خدا کی قدرت کا انکار کیا، انبیاء کو ساحر قرار دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کمال درجہ کے یقین کی تعریف احادیث میں وارد ہے کہ یقین کی وجہ سے وہ پانی پر چلتے تھے مسیح موعود میں کم از کم ایمان تو ہونا چاہیے مگر یہاں تو ایمان ہی ندارد کا مضمون صادق آ رہا ہے۔ اب بھلا مرزا صاحب کو اہل ایمان مسیح موعود کس طرح تصور کریں۔ اس آیہ شریفہ کی تفسیر اور مرزا صاحب کے شبہات پیشتر لکھے جا چکے ہیں۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

اور ایک واقعہ احیائے موتی کا آیۂ شریفہ **واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتٰی** میں مذکور ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے وقوع میں آیا۔ مرزا صاحب نے اس کو بھی مسمریزم کہہ کر ٹال دیا جس کا حال پیشتر مذکور ہوا۔

اور حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ احیائے اموات کئی مقاموں میں بیان فرمایا ہے اور ان کے احیائے اموات کے واقعات احادیث سے ابھی معلوم ہوئے۔ مگر مرزا صاحب کی رائے ہے کہ نہ کوئی واقعہ صحیح ہے، نہ خدا تعالیٰ کا خبر دینا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دراصل وہ قریب الموت آدمی کی روح میں مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے گرمی پہنچا دیتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام ایک

معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاقی حاصل کر کے قریب الموت بیماروں کو مسمریزم سے حرکت دیتے جس سے دھوکا دینا مقصود تھا کہ ہم مُردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور حق تعالیٰ ان کی بڑائی کی غرض سے اصل واقعہ چھپا کر اس قابل نفرت کاروائی یعنی عمل مسمریزم کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ سچ مچ وہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور اس دھوکے کو **باذن اللّٰہ** کہہ کر اور بھی مستحکم کر دیا کہ جب خدا کے حکم و اجازت سے یہ کام کرتے تھے تو مسلمان یہی سمجھیں کہ فی الواقع وہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ کیا اب اس کے بعد بھی کوئی درجہ باقی ہے جس کا انتظار ہے۔ مسمریزم کی ایجاد کو ابھی پورے سو برس نہیں گزرے اگر مرزا صاحب اس صدی کے پہلے ہوتے تو جن آیتوں میں احیائے اموات کو مسمریزمی تحریک قرار دیتے ہیں اس وقت اسکی طرف تو خیال منتقل ہونا محال تھا اور احیائے اموات کے بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں اس وقت ان آیتوں کے کیا معنی بیان فرماتے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ جب احیائے اموات بھی نہ ہوا اور نہ متشابہ حیات یعنی مسمریزمی حرکت کا احتمال قائم ہو تو بجز اس کے کہ ان آیتوں کا سرے سے انکار ہی کیا جاتا اور کوئی صورت نہ تھی۔ مسمیر صاحب کا احسان سمجھنا چاہیے کہ ان کی وجہ سے اس کھلے انکار کی نوبت نہ آئی۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللّٰہ موتوا ثم احیاھم ان اللّٰہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون** یعنی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایک بار ہزاروں آدمی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اللہ نے ان کو کہا کہ تم سب مرجاؤ۔ تو وہ سب مر گئے پھر ان کو زندہ کیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ مرزا صاحب یہاں بھی وہی نیند یا بے ہوشی، موت سے مراد لیتے ہیں کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ انہوں نے عام قاعدہ ایسے موقعوں کے لئے بنا دیا ہے کہ جہاں موت کا لفظ آجائے اس کے معنی بے

ہوشی یا نیند کے لئے جائیں۔ مرزا صاحب کی رائے پر اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہزار ہا آدمی نیند کے ڈر سے بھاگے سو حق تعالیٰ نے ان سب کو کہا کہ سورہو۔ پھر جب سورہے تو ان کو جگا دیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی کہ جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے سب کو سلا دیا پھر جگا دیا۔ نیند تو سنتہ ضرور یہ میں ہے اور عادۃ اللہ جاری ہے کہ ہر رات آدمی سوتا ہے پھر بیدار بھی ہو جاتا ہے گو یہ سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں جس کا بیان اس اہتمام سے فرماتا ہے: **فقال لهم الله موتوا ثم احياهم ان الله لذو فضل على الناس** جس کو تھوڑی بھی عقل ایمان کے ساتھ ہو کیا اس آیت کے یہی معنی سمجھے گا جو مرزا صاحب بتلاتے ہیں کیا یہ حق تعالیٰ کی شان کی بات ہے کہ قرآن میں ایسا واقعہ بیان فرما دے کہ نیند سے یا موت سے بھاگے ہوؤں کو سلا دیا پھر ان کو جگا دیا اور بڑا ہی فضل کیا۔ جب مرزا صاحب نے خدا تعالیٰ کے کلام معجز نظام کو رکیک اور مہمل بنانے کی کچھ پرواہ نہ کی تو اب کون سی بات ان کے لئے دشوار ہے۔ یہ تو مرزا صاحب کی تفسیر بالرائے تھی۔ اب اصل تفسیر سنیے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں اس آیت کی شان نزول نقل کی ہے کہ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے دو یہودی آئے ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہوں گے عمر رضی اللہ عنہ جب جانے لگے ان سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص لوہے کا سینگ یعنی نہایت قوی ہوگا اور اس کو وہ دیا جائیگا جو نبی اللہ حزقیل کو دیا گیا تھا جن کی دعا سے مردے زندہ ہوئے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا **ماتجد فی کتاب اللہ حزقیل ولا احیا الموتٰی باذن اللہ الا عیسٰی** یعنی ہماری کتاب میں نہ حزقیل کا نام ہے اور نہ یہ کہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی نے باذن اللہ مردے کو زندہ کئے۔ انہوں نے کہا کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں ہے **ورسلا لم نقصصهم**

علیک یعنی بہت رسولوں کے قصے قرآن میں نہیں بیان کئے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے انہوں نے کہا کہ حزقیل نے جو مردے زندہ کئے تھے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بنی اسرائیل میں ایک عام مرض پھیلا تھا جس سے بہت لوگ بھاگ گئے ایک میل کے فاصلہ پر وہ لوگ ہوں گے کہ یکبارگی وہ سب بحکم الٰہی مر گئے اور ایک مدت تک وہیں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہوگئی اس وقت حزقیل نبی اللہ کا وہاں گزر ہوا اور انہوں نے ان کے زندہ ہونے کی دعا کی چنانچہ وہ سب زندہ ہوگئے اس لئے اس واقعہ کی تصدیق میں آیہ شریفہ **الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف** نازل ہوئی۔ اس کے سوا اور بہت سی روایتیں درمنثور میں منقول ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے **عن ابن عباس** رضی اللہ عنہما **فی قولہ الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت قال کانوا اربعۃ الاف خرجوا فرارا من الطاعون وقالوا ناتی ارضا لیس بھا موت حتی اذا کانوا بموضع کذا وکذا قال لھم موتوا فمر علیھم نبی من الانبیاء فدعا ربہ ان یحییھم حتی یعبدوہ فاحیاھم** یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چار ہزار شخص طاعون سے اس غرض سے بھاگے تھے کہ کسی ایسے مقام میں جا بسیں کہ جہاں موت نہ ہو۔ راستہ میں ان کو حکم ہوا کہ مرجاؤ اس کے بعد کسی نبی کا ان پر گزر ہوا اور انہوں نے دعا کی کہ وہ زندہ ہوں اور عبادت کریں چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ لوگ شاید تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہوئے ہونگے۔ اس لئے کہ روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ لوگ بہت روز زندہ رہے چنانچہ درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہی زندہ شدہ لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تھا جس کا ذکر اسی قصہ کے متصل اس آیہ شریفہ میں ہے۔ **وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیع علیم**۔ غرض کہ ہزارہا مُردوں کا زندہ ہونا اور مثل اور زندوں کے زندگی کرنا

قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ مرزا صاحب اگر قرآن وحدیث ہی کو نہ مانیں تو اس کا علاج نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فبای حدیث بعدہ یومنون** یعنی جب قرآن ہی پر ایمان نہ لائیں تو اب کاہے پر ایمان لائیں گے۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے **واذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ فاخذتکم الصاعقۃ وانتم تنظرون ثم بعثنکم من بعد موتکم لعلکم تشکرون** یعنی یاد کرو جب تم یعنی تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ جب تک ہم اپنے خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں کسی طرح تمہاری بات کا یقین نہ کریں گے۔ اس پر تم کو یعنی تمہارے بڑوں کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھا کئے پھر تمہارے مرے پیچھے ہم نے تم کو جلا اٹھایا تاکہ شاید تم شکر کرو۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے **عن الربیع بن انس فی قولہ واذ قلتم یا موسیٰ لن نومن لک حتیٰ نری اللہ جھرۃ قال ھم السبعون الذین اختارھم موسیٰ فاخذتکم الصّعقۃ قال ماتوا ثم بعثنکم فبعثوا من بعد الموت لیستوفوا اٰجالھم.** یعنی ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں پر بجلی گری تھی وہ ستر آدمی تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام نے انتخاب کیا تھا وہ سب مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اب اہل اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم نے اتنی آیات وحدیث واقوال سلف پیش کردیئے جن سے صراحۃً ثابت ہے کہ ہزارہا مردے زندہ ہو چکے ہیں اور یہ بات مسلّم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ میں روایت ہے **عن عبداللہ** رضی اللہ عنہ **قال کان من کفر بحرف من القران اوباٰیۃ فقد کفر بہ کلہ** یعنی قرآن کی ایک آیت یا ایک حرف کا بھی کوئی انکار کرے تو گویا اس نے تمام قرآن کا انکار کردیا۔ اب ذرا تامل کیا جائے کہ جب ایک حرف کا انکار تمام

قرآن کا انکار ہے تو اتنی آیتوں کا انکار کس طرح جائز ہوگا پھر علاوہ ان آیات کے احادیث بھی بکثرت ان کو مؤید ہیں اور تمام امت خصوصاً اہل سنت و جماعت کا ابتداء سے آج تک اسی پر اتفاق ہے کسی کو اس میں کلام نہیں اور مرزا صاحب نے جو ان تمام آیات و احادیث وغیرہ کا انکار کر دیا اس میں صرف ان کی ذاتی غرض ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت فرض کر کے یہ ذہن نشین کریں کہ کوئی شخص مرنے کے بعد زندہ نہیں ہو سکتا اور احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی قیامت کے قریب ثابت ہے اس لئے اُن احادیث میں تاویلیں کر کے اور ان کے ساتھ الہاموں کی جوڑ لگا کر چاہتے ہیں کہ عیسیٰ موعود خود بن بیٹھیں۔

اب ان آیات و احادیث و اجماع امت اور واقعات پر اطلاع ہونے کے بعد ہر شخص مختار ہے خواہ قرآن و حدیث اور ہزارہا کتب اہل سنت و جماعت جن میں یہ مسئلہ مذکور اور مسلّم ہے سب کی تکذیب کر کے مرزا صاحب کے قول پر ایمان لائے یا اپنے ایمان کو عزیز رکھ کر قرآن و حدیث پر ایمان لائے کیونکہ خود حق تعالیٰ نے فرمادیا ہے **فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر** یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر ہو جائے مگر یہ یاد رہے کہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا ہے: **انا اعتدنا للظالمین ناراً** یعنی ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

مرزا صاحب کو مسیح موعود ہونے کا تو بہت کچھ شوق ہے لیکن اس کے لوازم و آثار کو وہ پورے نہ کر سکے جس کا حال معلوم ہوا بلکہ جو صفات ان میں پائی جاتی ہیں وہ منافی عیسویت ہیں۔ مثلاً دین کے پیرایہ میں دنیا طلبی وہ بھی کمال بدنما طریقہ سے اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ وہ عیسیٰ موعود نہیں ہو سکتے دیکھ لیجئے براہین احمدیہ کی نسبت انہوں نے لکھا تھا کہ اس کی پندرہ جلدیں تیار ہیں۔ چنانچہ اس کی قیمت سو سو روپیہ پیشگی وصول کر لی گئی اور ایک جلد کے اندازہ میں چھاپ کر اس کا خاتمہ ایک بات پر کر دیا کہ خدا اپنے دین کا خود

حافظ ہے یعنی زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سراج منیر چھاپنے کے نام سے پیشگی چندہ وصول کر لیا گیا اور کتاب ندارد۔ عطائے فرزند وغیرہ کی دعا پر پیشگی اجرت وصول کی جاتی ہے اپنی اور اپنے متعلقین کی تصویریں بیچ کر روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ زکوۃ اس تدبیر سے وصول کی جاتی ہے کہ ہر مسلمان کو زیور وغیرہ کی زکوۃ دینی ضروری ہے اور اس وقت اسلام یتیم ہو گیا ہے اس لئے چاہیے کہ زکوۃ کے روپیہ سے اپنی تصانیف خرید کر کے تقسیم کی جائیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے زکوۃ کا مصرف جو قرار فرمایا ہے اس کو ہر طالب علم جانتا ہے کہ فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں۔ کعبہ جو اپنے گھر میں بنایا اس سے یہی غرض ہے کہ حج کی رقم اپنے گھر میں آیا کرے اس کے سوا ان کی اور بہت سی کاروائیاں ہیں مثل الحاد و تحریف قرآن اور خدا پر افترا وغیرہ وغیرہ جن میں سے چند اس کتاب میں بھی مذکور ہوئیں۔ الحاصل ان امور کو دیکھنے کے بعد ان کا دعویٰ عیسویت بداہۃً باطل ہو جاتا ہے۔

تمت بالخیر

انوار الحق

(سنِ تصنیف : 1904ء / 1322ھ)

تصنیفِ لطیف

انوار العلوم شیخ الاسلام عارف باللہ
مولانا حافظ محمد انوار اللہ چشتی حنفی رحمۃ اللہ علیہ
حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن و بانی جامعہ نظامیہ
(حیدرآباد دکن)

فہرست مضامین

انوارالحق

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

فہرست مضامین انوار الحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین. پیشتر ایک رسالہ مسمّی ''بافادۃ الافہام'' لکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس میں ''ازالۃ الاوہام'' کے ان استدلالوں کا جواب دیا گیا جو مرزا صاحب نے آیات قرآنی سے کیا۔ اس کے بعد ''تائید الحق'' مصنفہ مولوی حسن علی صاحب لکچرار دیکھنے میں آئی جس میں انہوں نے ایک لمبی چوڑی تمہید کر کے مدبرانہ انداز سے مرزا صاحب کی تائید کی اس تقریر کا یہ اثر دیکھا گیا کہ ہمارے ہم مشرب بعض حضرات بھی اسکی تحسین کرنے لگے اور تعجب نہیں کہ اس نے بہتوں کو متزلزل کر دیا ہو۔ اسمیں شک نہیں کہ بعض جادو بھری تقریریں ایسے ہی پر تاثیر ہوا کرتی ہیں کہ دلوں کو ہلا دیتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے **وان من البیان لسحرا**۔ مگر جب اہل انصاف طالبین حق کے روبرو اصلی واقعات اور ملمع سازیاں مقرروں کی بیان کی جاتی ہیں تو وہ فوراً اپنے خیال سے رجوع کر جاتے ہیں اور جو لوگ نفسانیت کی راہ سے سخن پروری میں پڑ جاتے ہیں وہ اسی خیال پر اڑے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پر اثر تقریروں کے زور سے مذاہب باطلہ بکثرت بنتے گئے اور عوام الناس کہیں ان کے دام میں آ بھی گئے تو علماء کے سمجھانے سے پھر راہ راست پر آ گئے لیکن چند سخن پرور انہیں خیالات پر جمے رہتے تھے جن کے اتباع ان مذاہب کو زندہ رکھنے والے اب تک موجود ہیں اور ہر وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ان باطل مذاہب کو ترقی دیں۔ الحاصل جب کبھی نئے مذاہب کی بنیاد پڑی تو علمائے حقانی نے اس کے قلع وقمع کی فکر کی اور بفضلہ تعالیٰ اس کا اثر بھی ہوتا گیا کہ عموماً وہ مذاہب باطلہ کے لقب کے ساتھ مشہور رہے اور اہل انصاف وحق پسند اس سے محترز رہے۔ فی الواقع یہ علماء کا فرض منصبی ہے کہ بقدر وسع حق کی تائید میں کمی نہ کریں ہر چند اس نو ایجاد مذہب قادیانی کے رد کی طرف بعض علماء متوجہ ہیں مگر

بحسب اقتضائے زمانہ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں باطل کا شیوع ہوگا کچھ تو عموماً طبائع ہی ایسے امور کی طرف مائل اور متوجہ ہیں اور کچھ تقاعد علماء کے وجہ سے اس مذہب کی روز افزوں ترقی میں کمی نہیں ہوئی چونکہ ایسی بدعت تازہ کے شیوع کے وقت ہر شخص کو ضرور ہے کہ جہاں تک ہو سکے روکنے کی فکر کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کے فتنوں کا شیوع لازمی ہے کیونکہ کچھ نہو تو اتنا تو ضرور ہوگا کہ **من کثر سواد قوم فھومنھم** کا مصداق بنے گا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ "تائید الحق" کا بھی جواب لکھوں اور اس کے ضمن میں "ازالۃ الاوہام" کے بعض مباحث پر بحسب ضرورت بحث کروں جس سے حقیقت اس نئے مذہب کی کھل جائے اور اہل انصاف وطالبین حق کے بکار آمد ہو **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وماعلینا الا البلاغ۔**

مولوی صاحب نے تمہید میں پہلا عنوان یہ قائم کیا کہ سچے خیر خواہوں کے ساتھ ہمیشہ کیسا سلوک ہوا اس میں بہت سی نظیریں پیش کیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تکفیر وتفسیق جو ہورہی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے۔ اس موقع میں ہم یہ بیان کرنا نہیں چاہتے کہ مرزا صاحب کیسے شخص ہیں اور ان القاب کے مستحق ہیں یا نہیں اس وقت ہمارا روئے سخن صرف اس تمہید کی طرف ہے کہ آیا وہ مسکت خصم ہے یا نہیں۔ کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اب تک کوئی زمانہ نہیں گذرا جس میں مفتری کذاب بے دین پیدا نہ ہوئے اور اس زمانے کے عمائد دین اور علمائے حقانی نے ان کی تکفیر نہ کی ہو۔ جتنے مذاہب باطلہ آج کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں سب کے موجد زمانہ سابقہ ہی کے لوگ ہیں اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ایسے لوگ اس زمانے میں نہیں نکلے یا ان کی تکفیر نہیں ہوئی، نہ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تفسیق بے موقع تھی کیا وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کیلئے اپنی مظلومی بیان کر کے اسی قسم کے استدلال نہ کرتے ہوں گے پھر کیا اس قسم کے نظائر

حقانیت پر دلیل ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی گئیں وہ ایک قسم کا عذاب الٰہی تھا جس کی طرف اشارہ اس آیۂ شریفہ میں ہے وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ یعنی چکھائیں گے ہم ان کو چھوٹے عذاب سوائے بڑے عذابوں کے کہ شاید وہ رجوع کریں۔ اور فرماتا ہے وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ○ أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ○ یعنی جن کے دل میں بیماری ہے سو ان کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور مرے جب تک وہ کافر رہے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمانے میں آتے ہیں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر توبہ نہیں کرتے اور نصیحت نہیں قبول کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفاق وغیرہ سے توبہ کرنے کیلئے بھی عذاب کیا جاتا ہے تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ الحاصل نظیریں دونوں قسم کی موجود ہیں بلکہ اس قسم کی نظیریں دس بیس ملیں تو اہل باطل کی تکفیر و تفسیق و تعذیب کی نظیریں ہزار ہا ملیں گی۔ غرض یہ نظائر مولوی صاحب کے مفید مدعا نہیں ہو سکتیں۔

مولوی صاحب جو لکھتے ہیں کہ یہ جہاں دار الامتحان ہے اس عالم میں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتیں۔ فی الحقیقۃ عادت اللہ ایسی ہی جاری ہے کہ حق و باطل اس جہاں میں مشتبہ اور ملتبس رہا کیے۔ سحر و استدراج کو ہمیشہ معجزہ اور کرامت کی ہمسری کا دعویٰ اور کلام الٰہی پر سحر و بیان کا دھوکا لگا رہا اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات کو کبھی تعطل و بیکاری نہیں خواہ یہ عالم ہو خواہ دوسرا اس لئے کہ صفات جلال و جمال ہمیشہ اپنے کاموں میں مصروف و مشغول ہیں اگرچہ بظاہر افراد بنی نوع انسان سے ہدایت اور شیاطین سے ضلالت متعلق ہے مگر جب تک حق تعالیٰ نہ چاہے نہ ہدایت ہوتی ہے اور نہ ضلالت۔ جس کو خدا تعالیٰ ہدایت کرنا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت

نہیں کرسکتا۔ **قال تعالٰی ومن یهدی الله فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له** انہیں صفات کا ظہور ہے کہ ہر زمانے میں حق تعالٰی کسی ایسے شخص کو پیدا کردیتا ہے جس سے بہت سے ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ ہوتے ہیں۔ انبیاء گو خاص ہدایت کیلئے مبعوث تھے مگر ان کے نہ ماننے والے گمراہ ہوئے اور بہت سے مفتری کذاب گو گمراہ کرنے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں مگر ان سے بھی صفت جمال اپنا کام لیتی ہے کہ ان کے نہ ماننے والے ہدایت پر سمجھے جاتے ہیں جس کو خدا تعالٰی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ حق بات کے ماننے کیلئے وسیع اور کشادہ ہوجاتا ہے اور جس کی گمراہی منظور ہوتی ہے اس کا سینہ تنگ ہوجاتا ہے **كما قال تعالٰی فمن یرد الله ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقًا حرجًا كانما یصعد فی السّماء** (سورۃ الانعام) وسعت سینہ کی یہ دلیل ہے کہ ہدایت کی بات اس میں سما جائے علی ہذا القیاس۔ تنگی سینہ کی یہ دلیل ہے کہ وہ بات اس کے سینے میں گنجائش نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل باطل کا سینہ باطل کیلئے کشادہ اور اہل حق کا دل اس سے تنگ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وسعت و تنگی دونوں کیلئے ہوا کرتی ہے اس وجہ سے کوئی شخص حق و باطل میں اپنے دل کے مشورہ سے تمیز نہیں کرسکتا بلکہ وہ جس بات کا قائل ہوتا ہے اس چیز کو حق سمجھنے لگتا ہے جس سے پوچھئے اس کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں اور اس سے نہایت خوش رہتا ہے **كما قال تعالٰی كل حزب بما لدیهم فرحون** اور صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ چاہتا بھی ہے کہ سارا جہاں اپنا ہم مشرب ہوجائے اس کا تصفیہ باہم ممکن نہیں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ کیونکہ جس مسئلہ میں دو فریق ہوجائیں تو ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھے گا اور تیسرا حکم بنے تو کسی ایک فریق میں شریک ہوجائے گا یا وہ بھی ایک فریق نیا بن کر اپنے ہی کو حق پر سمجھنے لگے گا۔ غرض اس عالم میں اس کا تصفیہ ممکن نہیں کہ شرح صدر کس کا حق پر ہے اور کس کا باطل پر؟ حق تعالٰی ہی قیامت کے روز

اس کا فیصلہ فرمائے گا کما قال تعالیٰ **ان ربک هو یفصل بینهم یوم القیٰمة فیما کانوا فیه یختلفون.** (سورۃ السجدۃ) اب مولوی صاحب جو اپنا اطمینان اور شرح صدر مرزا صاحب کی حقانیت پر ظاہر فرماتے ہیں وہ کیونکر اس امر کی دلیل ہو سکے کہ مرزا صاحب سچ مچ عیسیٰ موعود ہیں ہمیں اس میں کلام نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مرتاض ہونگے مگر مشکل یہ ہے کہ جتنے مفتری دغاباز جعلساز ہوتے ہیں جب تک وہ اچھے عادات اچھے حالات اور مستند لوگوں کی صورتوں میں اپنے کو ظاہر نہیں کرتے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ قرامطہ کا حال آپ نے تواریخ میں دیکھا ہوگا کہ ابتداء کیا تھی اور انتہا کیسی ہوئی۔ تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سواد کوفہ میں آکر ایک مدت تک اظہار تقدس میں مشغول رہا زہد و تقویٰ اور کثرت صلوٰۃ کی یہ صورت کہ تمام اقران و معاصرین میں ممتاز، اکل حلال کی یہ کیفیت کہ اپنے ہاتھ سے بوریا بُن کر اس سے اوقات بسر کرتا کسی سے کچھ قبول نہ کرتا جب کوئی اس کے پاس جاتا تو سوائے وعظ و نصیحت کے کسی بات سے سروکار نہیں غرض تقویٰ طہارت، زہد، ریاضت میں اس کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ کسی زاہد و عابد کو اس کے مقابلہ میں فروغ نہ رہا جب دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کا پورا اثر ہونے لگا تو مشہور مشہور مسائل نماز وغیرہ میں تصرف کر کے خلاف اجماع و مذاہب تعلیم شروع کی جب اس میں بھی کامیابی ہوئی تو آہستہ آہستہ خیر خواہانہ یہ تمہید کی کہ طالبین حق کو ضرور ہے کہ کسی ایسے امام کے ہاتھ پر بیعت کریں جو اہل بیت نبوی سے ہو غرض پوری طور پر اپنے مقصود کی تمہید ذہن نشین کر کے شام کو چلا گیا وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کر کے لوگوں کو امام برحق کا مشتاق بنا دیا چونکہ دعوت اس کی کسی معین شخص کے طرف نہ تھی اس لئے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ محمد بن اسمٰعیل امام وقت ہوں گے اور بعض کسی دوسرے کو خیال کرتے تھے بہر حال سب کو یہی انتظار تھا کہ امام وقت اب ظاہر ہونا چاہتے ہیں کہ ایک شخص قرامطہ سے جن میں یہ شخص تھا

ظاہر ہو کر مہدویت کا دعویٰ کیا اس مہدی کا اصلی نام ذکرویہ یحییٰ تھا مگر اپنا نام محمد بن عبداللہ بن اسمٰعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا حالانکہ اسمٰعیل ابن جعفر کا کوئی فرزند عبداللہ نام نہ تھا ضرورت اس جعلسازی کی اس لئے ہوئی کہ احادیث میں امام مہدی کا نام محمد بن عبداللہ وارد ہے جو لوگ صرف امام کے منتظر تھے ان کو امام مہدی موعود کا مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی اس کے نکلتے ہی کل ہم مشرب اکٹھے ہو گئے اور یہ رائے قرار پائی کہ اصلاح قوم کی فکر کی جائے چنانچہ بڑے بڑے گذرگاہوں پر فوجیں روانہ ہوئیں اور حرمین وغیرہ کے راستوں میں رہزنی شروع کر دی گئی اور تمام ملک حجاز وشام ومصر وغیرہ میں آتش فتنہ وفساد مشتعل ہوئی چنانچہ ان میں سے ایک شخص ابوطاہر نام مع فوج کثیر مکہ معظمہ پر مسلط ہوا کسی کو وہاں یہ طاقت نہ تھی کہ اس سیلاب بلا کو روک سکے۔ ابوطاہر گھوڑے کو دوڑا کر خاص حرم شریف کے اندر گھس آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آ کھڑا ہوا اور اس غرض سے سیٹی دی کہ گھوڑا بول وبراز کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر اس نے پکار کر کہا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جو خدا کا کلام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے کہ **ومن دخلہ کان امنا** یہ کہہ کر قتل عام کا حکم دیا لکھتے ہیں کہ تخمیناً تیس ہزار مسلمان مکہ معظمہ میں شہید کئے گئے جس میں سترہ سو خاص مطاف میں جام شہادت سے سیراب ہوئے اور کشتوں کے سر کاٹ کر صرف سروں سے چاہ زمزم بھر دیا گیا اور تمام لاشے بغیر کفن ونماز جنازہ کے اندرون وبیرون شہر کے کنوؤں اور گڑھوں میں ڈال دیے گئے حجر اسود اکھاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے بائیس سال تک کعبہ شریف حجر اسود سے خالی رہا تمام مکانات لوٹ لئے گئے۔ غرض مکہ معظمہ میں اس مہدی کا یہ فتنہ ایسا ہوا کہ اس کی نظیر کسی تاریخ میں مل نہیں سکتی۔

الحاصل بدنام ہونا برے کہلانا سزائیں پانا حقانیت پر قرینہ نہیں ہو سکتا ورنہ جعلساز دغاباز بدمعاش جن سے جیل خانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں سب کو اہل اللہ کہنا پڑے گا اور نہ

اظہار تقدس اس کا قرینہ ہے جیسا کہ قرامطہ وغیرہ کے حال سے ظاہر ہے۔

مولوی صاحب نے جہاں اسلام کے موجودہ دشمن فرقوں کی فہرست لکھ کر ان کی روز افزوں ترقی اور اس کی وجہ سے مرزا صاحب کی ضرورت ثابت کی ہے ان میں مولوی اور مشائخ کو بھی شریک کیا اور ان کو یہ خطاب عطا فرمائے۔ شیطان، حشرات الارض، زرپرست، نفس پرست، کم بخت، موذی، نائب شیطان، ناپاک، مجموعہ صفات ذمیمہ، شریر، فتنہ پرداز، مسلمانوں کے گمراہ کرنے والے شیطان کے شاگرد رشید، مکار وغیرہ۔ اس بات میں مولوی صاحب اپنے پیر کی سنت پر عمل کر رہے ہیں کیونکہ مرزا صاحب بھی علماء اور مشائخین کو ایسے خطابوں سے ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ ان کی تصانیف میں یہ موجود ہیں اے بدذات فرقہ مولویان! تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیا ہے وہی عوام کو بھی پلایا علماء سوء، اندھیرے کے کیڑو، کتے، گدھے، حمار، عقارب، عقب الکلب یعنی کتے کے بچے، خنزیر سے زیادہ پلید، ایمان و انصاف سے دور بھاگنے والے احمق، پلید، دجال، مفتری، اشرار، ارذل الکافرین، اوباش، بے ایمان، بے حیا، بددیانت، فتنہ انگیز، تمام دنیا سے بدتر، جھوٹ کا گوکھایا، جاہل، جعلساز، چمار، ڈوموں کی طرح مسخرہ، دشمن قرآن، روسیاہ سفلے، سیاہ دل، سفہاء، شریر، مکار، شیخ نجدی، عدوالعقل، غول الاغوال، غدار شریعت، فرعون رنگ، کینہ در کمینہ، مادرزاد اندھے، گندے مردار، نااہل نمک حرام، نابکار، نالائق، نااہل، ایمان سے دور بھاگنے والے، ابولہب، فرعون، بدذات، خبیث، زندیق، **علیہم۔ لعن اللہ الف الف مرّۃ**۔ وغیرہ وغیرہ جس کو صاحب عصائے موسیٰ نے مرزا صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے غرض کوئی گالی ان حضرات نے اٹھا نہ رکھی اور عذر یہ کیا کہ کمال جوش اور حرارت اسلامی میں یہ سب گالیاں دی گئیں گویا اس جوش نے ان کو مرفوع القلم بنادیا ان گالیوں کے پہلے آپ نے یہ تمہید بھی کر دی ہے کہ مصلحان قوم اپنی قوم کو بعض وقت بہت سخت الفاظ میں

مخاطب کرتے ہیں لیکن ان سخت الفاظ کے اندر محبت اور شفقت بھری رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مصلح قوم ہیں جس قدر گالیاں دیں اس کے مستحق ہیں چونکہ اصلاح قوم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اور یہ سخت وست کہنا اس کا ذریعہ ہے یا مادہ، اس وجہ سے مولوی صاحب اور ان کے پیر اس کو عبادت اور باعث تقرب الٰہی سمجھتے ہوں گے اس موقع میں واقعہ حرۃ اور مسلم بن عقبہ کی کارگذاری یاد آتی ہے تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اہل مدینہ منورہ جب یزید کے مخالف ہوگئے تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ان کی تادیب وتعذیب کیلئے مامور کیا وہ مقام حرہ میں جو مدینہ کے پاس ہے بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آپہنچا اور بعد سوال وجواب کے قتل عام وغارت کا حکم دیا اور تین روز تک مدینہ منورہ کو لشکریوں پر مباح کر دیا۔ تاریخ الخلفاء اور جذب القلوب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہزار باکرہ لڑکیوں کا بکر حرام سے زائل کیا گیا اور تمام شہر کے گھر لوٹے گئے جہاں کوئی ملتا مارا جاتا صرف علماء سات سو شہید کئے گئے جن میں تین سو صحابہ تھے مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے گئے خاص روضہ شریف گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے متلطخ رہا۔ یہ سب مسلم بن عقبہ کے حکم سے ہوا اب اس کی خوش اعتقادی سنئے جب اس کی موت کا وقت آپہنچا تو آخری دعا یہ کہ **اللھم انی لم اعمل قط بعد شھادۃ ان لاالٰہ الااللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ عملا احب الی من قتلی اھل المدینۃ ولا ارجیٰ عندی فی الاٰخرۃ**۔ (ذکرہ ابن اثیر فی تاریخہ الکامل)

یعنی یا اللہ بعد شہادت کلمہ طیبہ کے جو کچھ اعمال صالحہ میں نے اپنی عمر میں کئے ان سب سے زیادہ مجھے وہ عمل پسند ہے جو مدینہ کے لوگوں کو میں نے قتل کیا اور اسی عمل سے مجھے زیادہ تر توقع ہے کہ آخرت میں کام آئے گا۔

مسلم بن عقبہ کو صرف تادیب اہل مدینہ پر ناز تھا ہمارے مرزا صاحب کو اس سے زیادہ ناز وفخر ہونا چاہیے کیونکہ وہ تمام اہل اسلام کی تادیب فرمارہے ہیں اور وہاں صرف

جراحات سنان تھیں یہاں جراحات لسان ہیں جو التیام پذیر نہیں۔ **جراحات السنان لها التیام ولا یلتام ماجرح اللسان.**

پھر یہ گالیاں کن کو دیئے جا رہے ہیں عوام الناس بازاریوں کو نہیں جن کی عادت میں گالیاں دینا اور سننا داخل ہے بلکہ ان افراد قوم کو جن کو قوم نے اپنا رہبر مربی اور حامی دین بنا رکھا ہے اور ہر ایک ان پر سو جان سے فدا ہے۔ معزز اور شریف لوگ قوم کے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ گالیاں سن کر قوم کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ سب کو جانے دیجئے خود مولوی صاحب اور ان کے پیر ہی غور کریں کہ کوئی ارذل یا ان کا ہمسر ان کے والد بزرگوار یا پیر کی شان میں یہ الفاظ کہے تو ان کا کیا حال ہوگا اگر غیرت دار ہوں تو کیا اس ذلت کے مقابلہ میں مر جانا آسان نہ ہوگا۔ عرف میں ایسا شخص بڑا ہی بے شرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کے باپ یا استاد یا پیر کو کوئی گالی دے اور وہ چپ رہے۔ نہایت افسوس اور شرمناک حالت ہے جس کے مرتکب مولوی صاحب اور مرزا صاحب ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ۔** یعنی بتوں کو گالیاں مت دو کہ وہ اللہ کو گالیاں دیں گے۔ ہادی برحق اور نبی صادق کو حق تعالیٰ تعلیم فرماتا ہے۔ **اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ.** یعنی بلاؤ اپنے رب کی راہ پر حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور الزام دو ان کو جس طرح بہتر ہو۔ کیا مصلح قوم کی یہی شان ہے کہ اشتعالک طبع پیدا کرنے والے الفاظ سے طبیعتوں کو مشتعل کرے اور اس قابل بنائے کہ حق بات سننے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہے۔ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو جو مصلح قوم قرار دیا ہے وہ خود انہی کی تقریر سے باطل ہو گیا اور نہ شرعاً اس قابل ہے کہ مصلح قوم سمجھے جائیں، نہ عرفاً۔ پھر یہ جو شکایت ہو رہی ہے کہ مولویوں کی وجہ سے مسلمان ذلیل ہو رہے ہیں سچ ہے جس قوم کے مصلح رذالت سے کام لیں اس کو ذلت نہ ہو تو کیا ہو۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو میرے ایک دوست کا دیکھا ہوا ہے کہ تراویح کی جماعت کسی مسجد میں ہو رہی تھی جس میں وہ بھی شریک تھے ان کے قریب ایک شخص نے عین نماز میں اپنے بازو والے سے کچھ بات کہی ایک شخص نے نماز ہی کی حالت میں اس سے کہا کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تیسرے نے کہا تمہاری نماز کب باقی رہی چوتھے نے کہا الحمدللہ میں نے تو کوئی بات نہ کی۔ ایسا ہی مولوی صاحب جو اوروں پر الزام لگا رہے ہیں اس میں خود بھی مبتلا ہیں مگر سمجھتے نہیں علمائے ربانی وہ ہیں جو اپنے عیوب کی تفتیش کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور حتی الوسع دوسرے کے عیوب پر نگاہ نہیں ڈالتے اور اگر امر بالمعروف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو ایسے ملائم اور دل نشین طریقے سے کرتے ہیں جس کا اثر ظاہر ہو۔ عموماً تعلیم الٰہی امر بالمعروف کے بارے میں یہی رہی ہے کہ نہایت نرمی اور سہولت سے کام لیا جائے باوجودیکہ اژدہائے خونخوار موسیٰ علیہ السلام کی مدد کیلئے ساتھ دیا گیا تھا مگر ارشاد یہی ہوا کہ فرعون کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کی جائے **کما قال تعالٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی.** (سورۃ طٰہٰ) یعنی کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچ کرے یا ڈرے۔ اور آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوا کہ **اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌo وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍo** (سورۃ السجدۃ) ترجمہ: جواب میں کہئے اس سے بہتر پھر جو آپ دیکھو تو جس میں آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہوگا جیسے دوست دار ناطے والا اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے انتہی۔ اسی وجہ سے ہر شخص امر بالمعروف کا اہل نہیں سمجھا جاتا کیونکہ امر بالمعروف میں عیوب پر مطلع کرنا ہوتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس کا عیب ظاہر کریں وہ دشمن ہو جائے گا جس سے مخالفت اور جھگڑا پیدا ہونے کا سخت اندیشہ ہے جو ممنوع ہے **کما قال تعالٰی وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا**

وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ. (سورۃ الانفال) یعنی آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ. (سورۃ المائدہ) یعنی اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنے جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم راہ پر ہوئے۔ باوجودیکہ امر بالمعروف کی ضرورت دوسری آیات سے ثابت ہے مگر اس آیت شریفہ میں جو اس کی ممانعت ہے اس کی تطبیق کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عوام الناس اس سے روکے گئے ہیں اور خواص کو اس کی اجازت ہے جن سے اصلاح کی امید ہے بعضے صحابہ نے اس آیہ شریفہ کا مضمون حضرت ﷺ سے دریافت کیا تو فرمایا تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کئے جاؤ اس وقت تک کہ لوگ دنیا اختیار کرلیں اور خودرائی کرنے لگیں تو اس وقت صرف اپنی فکر کرو اور ان کو چھوڑ دو۔

بہرحال مولوی صاحب کا یہ امر بالمعروف کرنا اس زمانہ میں کسی طرح بجا اور برمحل نہیں ہوسکتا پھر یہ امر بالمعروف بھی کس مسئلہ میں کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود ہیں جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے، نہ حدیث سے، نہ اور کسی علم سے، حالانکہ امر بالمعروف کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس بات کا امر کیا جائے جو دین میں معروف ہو۔

اب غور فرمایئے گا کہ اگر مولوی صاحب کو مدراس کے علماء نے وعظ سے روک دیا تو کیا برا کیا۔ خود خدا اور رسول ان کو ایسے وعظ سے روک رہے ہیں وعظ سے روکنے والوں کا استدلال اس حدیث سے ہوگا جو سنن دارمی میں مروی ہے **عن اسماء بن عبید قال دخل رجلان علی ابن سیرین فقالا یا ابابکر حدثک بحدیث قال لا قالا فنقرأ علیک ایة من کتاب الله قال لا لتقومان عنی اولا قومن قال فخرجا فقال بعض القوم یاابابکر وما کان علیک ان تقرأ علیک ایة من کتاب الله تعالٰی قال انی خشیت ان یقرأ علی ایة فیحرفانها فیقرذلک فی قلبی.** یعنی

اسماء بن عبید کہتے ہیں کہ دو شخص اصحاب ہوا سے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا انہوں نے کہ ہم آپ سے ایک حدیث کہتے ہیں فرمایا میں نہیں سنتا انہوں نے کہا کہ ایک آیت قرآن کی پڑھتے ہیں کہا میں نہیں سنتا۔ یا تم یہاں سے اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر وہ آیت قرآن کی پڑھتے تو آپ کا کیا نقصان تھا فرمایا مجھ کو خوف اس بات کا ہوا کہ اگر وہ آیت پڑھیں اور کچھ الٹ پلٹ کردیں جو میرے دل میں وہ جم جائے۔ اور دوسری روایت اسی دارمی میں ہے **عن الحسن و ابن سیرین انهما قالا لاتجالسوا اصحاب الا هواء ولاتجادلوهم ولاتسمعوا منهم وهكذا قال ابو قلابة** رضی اللہ عنہ یعنی حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اصحاب ہوا کے ساتھ نہ بیٹھو، نہ ان سے مناظرہ کرو اور نہ ان سے کوئی بات سنو۔ مرزا صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے وہ بالکل نیا ہے تیرہ سو برس کے عرصہ میں نہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا، نہ یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرگئے اور جن کے آنے کی خبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ان کا قائم مقام کوئی دوسرا شخص ہوگا۔ اہل ہوا ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں جو نئی نئی باتیں اپنی خواہش کے مطابق دین میں تراش لیتے ہیں۔ صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جو نئی بات نکالی جائے وہ مردود ہے اس سے احتراز اور اجتناب کیا جائے اسی وجہ سے صحابہ ایسے لوگوں سے جو نئی بات نکالتے، نہایت احتراز کیا کرتے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے کوئی بات نئی نکالی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس کو سلام کا جواب نہ پہنچانا۔ **كما فی الدارمی عن ابن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما **انه جاءه رجلٌ فقال ان فُلانا يقرأ عليك السّلام قال بلغنی انه قد احدث فان كان قد احدث فلا تقرأ عليه السّلام.** عرفجہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوں کہ فرماتے تھے قریب ہے کہ فتنے اور نئی نئی باتیں پیدا ہوں

گی جوکوئی اس امت کی اجتماعی حالت میں تفرقہ ڈالنا چاہے کوئی ہو اس کو تلوار سے مار ڈالو۔
کما فی مسلم عن عرفجة رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ستکون هنات و هنات فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنا من کان.

غرض اس قسم کے اسباب سے نئی نئی باتوں کے کہنے سننے سے روک دینا علماء کا فرض منصبی ہے اگر انہوں نے ایسے وعظ سے روک دیا تو یہ کوئی برہم ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے ان کو ممنون ہونا چاہیے۔ ورنہ اگر یہ راستہ بالکلیہ کھل جائے تو اس آخری زمانے میں جو دین پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں مخالفین دین کو موقع مل جائے گا اور ہر شخص نئی نئی باتیں ایجاد کر کے دین میں داخل کر دے گا۔ جب تک مرزا صاحب ادیان باطلہ کے رد کی طرف متوجہ تھے سب ان کے مداح تھے بلکہ ان کو مجدد بھی سمجھتے ہوں تو تعجب نہیں اور اب بھی اس حد تک کوئی برا نہیں سمجھتا جس میں تائید دین ہو اگر یہ چند نئی باتیں چھوڑ دیں تو ابھی کل اہل حق ان کے رفیق و مددگار ہو جاتے ہیں اور یہ ناحق کا جھگڑا جس سے نہ دین کا فائدہ ہے، نہ دنیا کا مٹ کر **کانهم بنیان مرصوص** کا مضمون صادق آ جاتا ہے اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مرزا صاحب خود ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں ممکن ہے ایسا مسیح بھی آ جائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ بھی صادق آ جائیں جب یہ خود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس مشکوک دعوی پر اصرار کر کے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی قائم کرنے سے کیا فائدہ۔ **نسأل اللہ التوفیق وهو بالاجابة جدید۔**

مولوی صاحب اسلام اور مسلمانوں پر کمال دلسوزی ظاہر کر کے ایک مرثیہ رونے اور چلانے کیلئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا قحط ہو گیا ہے اور دین اسلام گردش میں اور کفر کا زور و شور ہے اس مرثیہ میں اتنی کسر رہ گئی کہ چند بند مرزا

صاحب کی عیسویت پر بھی بڑھا دیتے کہ ہائے عیسیٰ بن مریم بھی اتر کے بیس برس ہو گئے مگر بجائے اس کے کہ ان سے دین کی ترقی ہوتی کفر ہی کو ترقی ہو گئی اور ہو رہی ہے اگرچہ مقتضائے حسن ظن یہ ہے کہ یہ اظہار دلسوزی مولوی صاحب کی نیک نیتی پر حمل کی جاتی مگر مشکل یہ ہے کہ سر سید صاحب اور ان کے اتباع بھی اس سے زیادہ نوحے اور واویلے لکھتے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نیک نیتی کے قائل مولوی صاحب بھی نہیں ہیں بلکہ ان کو دشمن اسلام قرار دیا ہے۔ اس امر کی تصدیق کیونکر ہو کہ وہ فی الواقع اصلی اسلام کے دوست اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصود تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر مسلمان ہیں تو چند قادیانی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سب بے دین ہیں چنانچہ صاف لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قحط ہو گیا ہے۔

اس طریقے کی ایجاد ابتداء سے اسلام ہی میں ہو چکی ہے چند لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ کمال درجہ کا زہد، تقویٰ، پرہیز گاری، ایمانداری ظاہر کر کے کل صحابہ و تابعین کو بے دین قرار دیا اور ظاہری حالت ان کی دیکھ کر بہت سے ظاہر بین ان کی طرف مائل اور ان کے ہم خیال ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت بن گئی جن کے قلع و قمع کی طرف سلطنت کو متوجہ ہونا پڑا اور پھر بھی نہ ہو سکا ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ اگر مسلمان ہیں تو ہم ہیں باقی سب صحابہ تابعین کافر ہیں (**نعوذ باللہ من ذلک**)۔ ان لوگوں کے واقعات و حالات بہت ہیں مگر تھوڑا سا حال بقدر ضرورت یہاں لکھا جاتا ہے جس سے طرز رفتار معلوم ہو جائے۔ جو واقعات یہاں لکھے جاتے ہیں فضائل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مؤلفہ امام نسائی، مستدرک حاکم، کنز العمال اور تاریخ کامل وغیرہ متعدد معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں **وھی ھذا**۔

قصہ خوارج

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور طرفین سے ہزاروں اہل اسلام شہید ہوئے تو یہ رائے قرار پائی کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد علیہ حکم قرار دیئے جائیں وہ جو کچھ فیصلہ کریں نافذ ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا اور اشعث بن قیس اس کام پر مامور ہوئے کہ وہ عہد نامہ ہر قبیلہ میں جا کر سنا دیں جب وہ قبیلہ بنی تمیم میں جا کر عہد نامہ سنائے تو عروہ بن ادیہ تمیمی نے کہا کہ عجیب بات ہے یہ لوگ آدمیوں کو حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے سوائے کوئی حکم نہیں کر سکتا حق تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** اور یہاں تک برہم ہوا کہ تلوار کھینچ کر اشعث پر حملہ کیا تو وہ بچ گئے مگر ان کا گھوڑا زخمی ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ ہم سے مقابلہ کریں تو ہم اول ان سے تقریر کر کے قائل کریں گے اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالیں گے زید بن عاصم محاربی جو اس مجلس میں موجود تھا یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ اپنے دین میں دناءت اختیار کریں اور کم ہمتی کو عمل میں لائیں۔ اے علی کیا تم ہم کو قتل سے ڈراتے ہو ہوشیار ہو واللہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا کی راہ پر تم چلتے ہو یا ہم پھر وہ اور اس کے بھائی نے ایک جماعت فراہم کی جن میں عبداللہ بن وہب راسبی بھی تھا اس نے خطبہ پڑھا کہ ہم کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں میں جانا ضرور ہے تا کہ گمراہ کرنے والے بدعتیوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے پھر دنیا کی بے ثباتی اور متقیوں کے فضائل بیان کر کے سب کو شہر

سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اس کے بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امیر کون قرار دیا جائے بعد اختلاف کے یہ امر طے ہوا کہ عبداللہ بن وہب ہی اس کام کیلئے منتخب کیا جائے اس نے اول تو انکار کیا لیکن بعد ردوقدح کے یہ کہہ کر قبول کیا کہ مجھے مطلقاً خواہش دنیوی نہیں نہ میں امارت چاہتا ہوں نہ مجھے اس سے کوئی خوف ہے اللہ کے واسطے یہ خدمت قبول کرتا ہوں اگر اس میں مر جاؤں تو کوئی پروانہیں پھر اس نے کہا کہ اب ایسا شہر تجویز کرنا چاہیے کہ جس میں ہم سب جمع ہوں اور اللہ کا حکم جاری کریں کیونکہ اہل حق اب تمہیں لوگ ہو چنانچہ نہروان تجویز ہوا اور یہ سب خوارج وہاں چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے نام خط لکھا کہ اب بھی چلے آؤ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائیگا اب تو ہم نے تم کو دور کردیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ زیاد بن امیہ نے عروہ بن ادیہ خارجی سے پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا کیا حال تھا؟ کہا اچھے تھے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا۔ کہا ابتداء میں چھ سال تک ان کو میں بہت دوست رکھتا تھا جب انہوں نے بدعتیں شروع کیں ان سے علیحدہ ہو گیا اس لئے کہ وہ آخر عمر میں کافر ہو گئے تھے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کا حال دریافت کیا۔ کہا کہ وہ بھی اوائل میں اچھے تھے آخر میں کافر ہو گئے۔ بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا ان کو سخت گالی دی۔ پھر زیاد ابن امیہ نے اپنا حال پوچھا۔ کہا تو اوائل میں اچھا تھا اور آخر میں گزندہ ہو گیا اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تو اپنے رب کا نافرمان رہا۔ زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا پھر اس کے غلام کو بلا کر پوچھا کہ اس شخص کا مختصر حال بیان کر۔ کہا جب میں اس کے پاس کھانا لے جاتا یا اور کسی کام کیلئے جاتا تو اس کا یہی اعتقاد اور اجتہاد اور دلسوزی پاتا غرض ضرورت سے زیادہ دلسوزی بھی علت سے خالی نہیں۔ خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صرف دو باتوں سے بگڑے جن میں ظاہراً کمال دینداری معلوم ہوتی ہے۔ ایک حکم کا

مقرر کرنا جس کو انہوں نے شرک قرار دیا تھا اس وجہ سے کہ حکم خدائے تعالیٰ کا خاصہ ہے دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا کما قال تعالی ان الحکم الا للہ دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے انہوں نے لڑا ہی کیوں۔ اگر لڑنا ضرور تھا تو ان کا مال غنیمت کیوں نہ بنایا حالانکہ یہ دونوں امر قرآن سے ثابت ہیں ان کے زہد وتقویٰ کی یہ حالت تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب چھ ہزار خوارج ایک جگہ جمع ہوئے تو میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لے کر عمدہ لباس پہن کر ان کے پاس گیا انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ اے ابن عباس یہ لباس کیسا؟ میں نے جواب تو دے دیا مگر ان کی حالت یہ دیکھی کہ عبادت اور ریاضت میں کسی قوم کو ان کا نظیر نہیں پایا، نہ صحابہ کو، نہ تابعین کو ان کے چہرے شب بیداری کی وجہ سے سوکھے سوکھے اور ہاتھ پاؤں نہایت دبلے۔ جندب ﷺ فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کا پیچھا کیا ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے ان کی حالت دیکھی کہ ہر طرف سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہے سب لوگ تہبند باندھے ہوئے اور ٹوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجے کے زاہد وعابد نظر آئے یہ حالت ان کی دیکھتے ہی میرے دل پر سخت صدمہ ہوا اور میں گھوڑے سے اتر کر جناب باری کی طرف رجوع کیا اور نماز کی حالت میں یہ دعا کرنے لگا کہ الٰہی اگر اس قوم کا قتل کرنا طاعت ہو تو مجھے اجازت دے اور اگر معصیت ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما دے۔ میں اسی حالت میں تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے جندب! خدا کے غضب سے پناہ مانگو۔ اے جندب! یاد رکھو کہ ہم میں سے دس شخص شہید نہ ہوں گے اور ان میں سے دس نہ بچیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طارق بن زیاد کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ قتل ہو چکے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ بات سچی کہیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گی اور دین سے وہ ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا

ہے ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ رنگ ہوگا جس کا ایک ہاتھ ناقص ہوگا اور اس پر چند سیاہ بال ہوں گے اس کی تلاش کرو اگر وہ مل گیا تو سمجھو کہ تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ورنہ بہترین خلق کو تم نے مارا۔ یہ سنتے ہی صحابہ کو فکر ہوئی اور بے اختیار رونے لگے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہوئے چنانچہ تمام لاشوں میں ڈھونڈ کر اس کو نکالا اس کے ملتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام صحابہ سجدہ شکر میں گرے۔

خوارج کا یہی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نبی پیدا کرے گا اور اس پر ایک کتاب نازل ہوگی جو آسمانوں میں لکھی ہوئی ہے غرض جیسے یہ لوگ اپنے چند ہم مشربوں کو مسلمان قرار دے کر دوسروں کو گمراہ ٹھہرائے تھے مولوی صاحب بھی وہی کر رہے ہیں۔ ان واقعات سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ کمال دلسوزی اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر ظاہر کرنا دینداری اور حقانیت کی دلیل نہیں ہوسکتی دوسرا کمال ریاضت ومجاہدہ وترک دنیا حقانیت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ تیسرا مسلمانوں کو بے دین اور خود کو دیندار قرار دینا اہل باطل کا شعار ہے۔ چوتھا تمام مسلمانوں کے خلاف میں ایک نئی بات ایجاد کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا خدا اور رسول کے پاس مذموم ہے۔

مولوی صاحب کو اپنی طبیعت خداداد پر ناز ہے کہ ولی کو پہچان لیتے ہیں اسی وجہ سے مرزا صاحب کو پہچان لیا اس کی تصدیق میں ہمیں کلام ہے جب صحابہ کو خوارج کی ولایت اور ان کے بہترین خلق ہونے کا گمان ہوا اور فی الواقع وہ دھوکا ثابت ہوا تو اب ان سے بڑھ کر ولی کو کون پہچان سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ولی کو حق تعالیٰ پوشیدہ رکھتا ہے مگر مولوی صاحب اس لحاظ سے کہ **ولی را ولی می شناسد**، اپنے کو ولی سمجھتے ہیں تو یہ دوسری بات ہے۔ صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ اپنے کو ولی سمجھیں خود اپنے ایمان کو متہم رکھتے تھے چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر حذیفہ رضی اللہ عنہ سے

پوچھا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے منافقوں میں تو شریک نہیں فرمایا۔ حنظلہ رضی اللہ عنہ ایک وقت اپنی حالت قلبی دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھے کہ **نافق حنظلة** یعنی حنظلہ منافق ہو گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ یہ روایت صحاح میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی ولایت تو کیا اپنی ولایت بھی ہر شخص کو معلوم ہونا ضرور نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ولایت افعال و اعمال کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نسبت ہے جو بندہ اور معبود کے بیچ میں ہوتی ہے جس کا ماحصل تقرب الٰہی ہے پھر جس کو تقرب الٰہی ہو تو ضرور نہیں کہ دوسرے کا تقرب بھی اس کو معلوم ہو اور جس کو تقرب ہی نہ ہو تو کسی کا تقرب اسے کیوں کر معلوم ہو سکے۔ رہی یہ بات کہ اعمال صالحہ اور قرائن سے کسی کا تقرب معلوم کریں سو وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا بخاری شریف میں ہے **قال رسول اللہ ﷺ ان الرجل لیعمل عمل اھل الجنة فیما یبدو للناس وھو من اھل النار وان الرجل لیعمل عمل اھل النار فیما یبدو للناس وھو من اھل الجنة**. یعنی دیکھنے میں بعضوں کے عمل جنتیوں کے ہوتے ہیں اور در حقیقت وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بعضوں کے عمل دیکھنے میں دوزخیوں کے ہوتے ہیں اور وہ جنتی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ظاہری اعمال سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ہے ابھی قرامطہ اور خوارج کا حال معلوم ہوا بلعم باعور کا قصہ تفاسیر میں مصرح ہے کہ نہایت مقدس مستجاب الدعوات تھا اور انجام کار بے دین ہو کر مرا جس کی مذمت قرآن شریف میں ہے **ان تحمل علیه یلھث او تترکه یلھث**۔ (سورۃ الاعراف)

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ　　رند از رہ نیاز بدار السلام رفت

ہر شخص جس کسی کا مرید ہوتا ہے اس کو ولی سمجھتا ہے پھر ان میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ پیر و مرید دونوں **خسر الدنیا و الآخرة** کے مصداق ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستی نباید داد دست

صحابہ کا زمانہ دوسرے تمام زمانوں سے بہتر اور افضل ہونا اور اس کے بعد ابتری اور خرابی بڑھتی جانا صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جب اس زمانہ کا یہ حال ہو کہ صحابہ جن پر حسن ظن کریں وہ خوارج نکلیں تو ہم آخری زمانے والے جن پر حسن ظن کریں خدا ہی جانے ان کی کیا حالت ہو۔ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے **الجواهر المكلله في الاحاديث المسلسله** میں بسند متصل عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر لبید ابن ربیعہ کے یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم وبقيت في خلف كجلد الاجرب

يتحدثون مخافة وملامة ويعاب قائيلهم وان لم يشغب

یعنی جاتے رہے وہ لوگ جن کے پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور رہ گئی میں ایسے ناخلف لوگوں میں جن کی حالت خارش زدہ اونٹ کے چمڑے کی سی ہے باتیں کرتے ہیں وہ لوگ خوف اور ملامت کی اور ان میں کہنے والا اگر چہ کجروی نہ کرے عیب لگایا جاتا ہے۔ عروہ اس حدیث کی روایت کرنے کے وقت کہا کرتے کہ اگر عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ہمارے زمانے میں ہوتیں تو معلوم نہیں کیا کہتیں۔ ہشام جو عروہ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عروہ اگر ہمارے زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے۔ اسی طرح امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ **واصل الرواية. وهذا وبالسند المذكورالى ابى بكربن شاذان حدثنا ابوبكراحمدبن محمد بن اسمعيل الهيثي بكسر الهاء والفوقانية وبينهما تحتانيه وهو ثقة ثنا يعيش بن الجهم ثنى عن ابى حمزة هوانس بن عياض عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة** رضی اللہ عنہا

انها كانت تتمثل بابيات لبيد بن ربيعة.

ذهب الذين يعاش فی اكنافهم　　وبقيت فی خلف كجلد الاجرب

يتحدثون مخافة وملامة　　ويعاب قائيلهم وان لم يشغب

قال عروة رحم الله عائشة كيف لوادركت زماننا هذا وقال هشام رحم الله عروة كيف لوادرک زماننا هذا وقال ابو حمزة رحم الله هشاما كيف لوادرک زماننا هذاوقال يعيش رحم الله اباحمزة كيف لوادرک زماننا هذاوقال الهيتی رحم الله يعيش كيف لوادرک زماننا هذا وقال ابن شاذان رحم الله الهيتی كيف لوادرک زماننا هذاوقال ابوالفتح رحم الله شاذان كيف لوادرک زماننا هذا وقال المبارک رحم الله ابالفتح كيف لوادرک زماننا هذا وقال السلفی رحم اللّٰه المبارک كيف لوادرک زماننا هذا وقال ابوالحسن رحم اللّٰه السلفی كيف لوادرک زماننا هذا وقال الطبری رحم اللّٰه اباالحسن كيف لوادرک زماننا هذا وقال كل من العفيف والقروی رحم الله الطبری كيف لوادرک زماننا هذا وقال لنا القرشی رحم اللّٰه القروی كيف لوادرک زماننا هذا وكذا قالت لنا مريم رحم اللّٰه العفيف كيف لو ادرک زماننا هذواقول رحم الله كلامن مشائخنا كيف لوادرک زماننا هذا.

زبیر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج بن یوسف کی شکایت کی فرمایا صبر کرو جو زمانہ تم پر آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا یہ بات آپ نے خود نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔ كما فی البخاری عن الزبير بن عدی قال اتينا انس بن مالک فشكونا اليه ما نلقی من الحجاج فقال اصبروا

فانہ لایأتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شر منہ حتی تلقوا ربکم سمعتہ من نبیکم ﷺ۔ اس حدیث سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ جب حجاج کے زمانہ سے جس کو تخمیناً بارہ سو برس ہوتے ہیں بدتری اور خرابی روز افزون ترقی پذیر ہے تو اس زمانے کے فتنہ انگیز حجاج سے کس درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے۔ سچ ہے کہ اس کا فتنہ صرف جسم پر اثر کرتا تھا اور زمانہ کے فتنے ایمان پر اثر ڈالتے ہیں اس فتنے کا اثر اسی عالم تک محدود تھا ان فتنوں کا اثر عالم اخروی میں ظاہر ہونیوالا ہے اس فتنے کا اثر چند روز میں فنا ہو گیا ان فتنوں کا اثر جس پر ہوا ابدالا باد باقی رہا۔

ازیں افیون کہ ساقی در می افگند   حریفاں را نہ سر ماندنہ دستار

حق تعالیٰ ہم کو اور ہمارے احباب اور جمیع اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے ایمان کی قدر کریں اور ہر کس و ناکس کے فریب میں آ کر ایسے گوہر بے بہا کو کھو نہ بیٹھیں۔

مولوی صاحب مرزا صاحب کی تائید اسلام اور تقدس سے متعلق جتنی باتیں بیان کرتے ہیں ان کا انکار کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں مگر یہ حقانیت کا قرینہ قطعیہ نہیں ہو سکتا۔ کتب تاریخ سے ظاہر ہے کہ حجاج بن یوسف نے بخارا سے ملتان تک صدہا شہر فتح کر کے سرحد اسلام میں داخل کر دیا جن میں کروڑہا اہل اسلام پیدا ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ اسی تائید کا اثر قیامت تک جاری رہے گا۔ باوجود اس کے دیکھ لیجئے کہ اسلام میں حجاج ظالم کی کیا وقعت ہے۔ یہ تو ہمارے دین کا خاصہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کی تائید بدکاروں سے بھی کرایا کرتا ہے جیسا کہ صراحتاً اس حدیث شریف سے ظاہر ہے **قال النبی** ﷺ **و ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر** (رواہ البخاری)

غرض مرزا صاحب کی تائید اسلام میں ہماری گفتگو نہیں۔ کلام ہے تو صرف اس میں ہے کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود بننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی ہمیں کلام کرنے کی

ضرورت نہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں نبوت تو کیا اگر کوئی خدائی کا بھی دعویٰ کرے تو کوئی نہیں پوچھتا مگر چونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں وہ تصرف کررہے ہیں اس لئے ہم پر حق ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کی حفاظت کریں اور اپنے ہم مشربوں کو ان کا اصلی مطلب معلوم کرادیں اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہم کو اپنا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ **وماعلینا الا البلاغ.**

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے صفات اور حالات ایسے ہوں گے جیسے مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہود کی حال تھی بلکہ یہ لفظ یعنی عیسیٰ ابن مریم اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے تا ہر ایک کو خیال آجائے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے ان مسلمانوں کو جن میں ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا یہود ٹھہرا لیا ہے جیسے یہودیوں کا نام خدا تعالیٰ نے بندر اور سور رکھا اور فرمایا **وجعل منهم القردة والخنازير** اسی طرح اپنا نام عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمادیا **وجعلناک المسیح ابن مریم** انتہی۔ پھر دس بیس صفات مذمومہ مثل بغض وحسد اور تفرقہ وغیرہ جو اس زمانے کے بعض مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں وہ اس زمانہ کے یہود میں بیان کئے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مبعوث ہونے کے وقت تھے مقصود اس سے یہ کہ ان لوگوں میں یہ صفات ہونے کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اب بھی وہی صفات اس وقت کے مسلمانوں میں آگئے ہیں اس لئے اب وہ یہود ہیں اور عیسیٰ کی ان کے لئے ضرورت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے **لکل فرعون موسیٰ** اس صورت میں وہ عیسیٰ مراد نہیں جو نبی تھے بلکہ ان کا مثل اور شبیہ مراد ہے۔ صفات مذمومہ جو دونوں فرقوں میں مشترک بتائے گئے ہیں اس کا ثبوت کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب سے نہیں دیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا جن احادیث میں ذکر ہے ان میں نہ تو یہود کا نام ہے، نہ ان کے ان صفات

کا ذکر جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں آگئی تھیں۔ یہ مسلّم ہے کہ جب تک کسی قوم میں صفات مذمومہ نہیں پائی جاتیں۔ اس قوم میں نبی مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آیۂ شریفہ **ان ارید الا الاصلاح** سے ظاہر ہے اور وہ صفات مذمومہ اسی قسم کے ہوتے ہیں جو بیان کی گئی ہیں مگر اس میں قوم یہود کی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خصوصیت تھی تو چاہیے تھا کہ پہلے وہ خصوصیت قرآن وحدیث سے بیان کی جاتی اس وقت **لکل یهودی عیسی** صحیح ہوتا جیسے **لکل فرعون موسی** صحیح ہے یہ تو اس واسطے صحیح ہے کہ فرعون کا سرکش ہونا اور موسیٰ علیہ السلام کا سرکوب ہونا ہر شخص جانتا ہے اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہود میں کونسی صفات تھیں جس کی اصلاح کیلئے عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اگر بالفرض وہ صفات معلوم بھی ہوتے تو دونوں طرف علم توصیفی کہے جاتے جیسے **لکل فرعون موسی** میں ہے اگر زید شرارت کرے تو **لزید موسی** کہنا ہرگز محاورہ کے مطابق نہ ہوگا یہی صورت یہاں بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس قدر فرمایا کہ تم میں عیسیٰ آئیں گے یہ کسی حدیث میں نہیں کہ تم یہود ہو جاؤ گے یا تم میں یہود کے صفات آجائیں گے اس لئے تم میں عیسیٰ آئے گا البتہ یہ ثابت ہے کہ آخری زمانے والے امم سابقہ کی پیروی کریں گے چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ میری امت اگلی امتوں کے پورے پورے صفات اختیار نہ کریگی صحابہ نے عرض کیا وہ لوگ فارس اور روم کے جیسے ہو جائیں گے فرمایا ان کے سوا اور کون۔ کنز العمال میں یہ حدیث بخاری سے نقل ہے۔ (دیکھئے جلد ہفتم صفحہ ۲۷۰)

اب اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ امت یہود ہو جائے اس لئے کوئی عیسیٰ آئے گا خلاف احادیث ہے۔ کنز العمال میں صدہا حدیثیں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور تغیر حال امت اور علامات قیامت کے باب میں وارد ہیں کوئی حدیث ان میں ایسی نہیں

جس سے یہ معلوم ہو کہ امت میں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اس کی وجہ سے عیسیٰ پیدا ہوں گے پھر جس طرح فساد امت کے باب میں احادیث وارد ہیں اس کی مدح میں بھی آیات واحادیث وارد ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: **کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر** یعنی کل امتوں سے یہ امت بہتر ہے اوراحادیث میں وارد ہے کہ کبھی یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔ (کنز العمال جلد ۲ حدیث نمبر ۲۰۰) اہل باطل اس امت کے اہل حق پر غالب نہ ہوں گے۔ بلکہ آخر امت کی بھی خاص خاص فضیلتیں وارد ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کا پانی نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر۔ (کنز العمال ج ۷، حدیث ۱۹۵۷)

اور فرماتے ہیں کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم اور وسط میں مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ (کنز العمال)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا حضرت نے استفسار فرمایا کہ تمام اہل ایمان میں افضل کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ملائکہ ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا شک ان کا مرتبہ ایسا ہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا انبیاء ہوں گے؟ فرمایا ان کے ایمان میں کیا شک ان کا بھی ایسا ہی مرتبہ ہے۔ عرض کیا شہداء ہوں گے جو انبیاء کے ساتھ رہے۔ فرمایا ان کو خدا تعالیٰ نے ایسا ہی مرتبہ دیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ حاضر رہے۔ فرمایا ان کے سوا کہو۔ سب نے عرض کیا حضرت ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا وہ لوگ وہ ہیں جو اب تک موجود نہیں ہوئے وہ میرے بعد پیدا ہوں گے اور بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائیں گے اور صرف اوراق دیکھ کر اس پر عمل کریں گے ایمان والوں میں یہ لوگ افضل ہیں۔ (کنز العمال) ان کے سوا اور کئی حدیثیں اس امت مرحومہ کی فضیلت پر دال ہیں ان احادیث سے اس امر کی تائید بخوبی ہو سکتی ہے کہ اس امت کی عظمت

اور رفعت شان کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام جو نبی اللہ تھے وہی اس امت میں تشریف لائیں گے اس لئے کہ دجال کا فتنہ جو اس امت مرحومہ کے اخیر میں ہونے والا ہے ایک ایسا پر آشوب فتنہ ہے کہ خدا ہی اس سے پناہ دے۔ تمامی انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے آئے چنانچہ بخاری شریف میں یہ حدیث مروی ہے۔ **ان عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ فی الناس فاثنی علی اللہ بما ھو اھلہ ثم ذکر الدجال فقال انی لانذرکموہ وما من نبی اِلّا انذر قومہ لقد انذر نوح قومہ ولکنی اقول لکم فیہ قولا لم یقلہ نبی لقومہ تعلمون انہ اعوروان اللہ لیس باعور** یعنی ایک روز نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا اور حمد کے بعد دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ میں اس سے تم کو ڈراتا ہوں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا نہیں یہاں تک کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا لیکن میں ایک ایسی بات تمہیں کہتا ہوں کہ کسی نبی نے نہیں کہی یاد رکھو کہ وہ کانا ہے اور اللہ کانا نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجود یکہ اس فتنہ کا وقت علم الٰہی میں معین تھا کہ قریب قیامت میں حضرت کی آخر امت میں ہوگا مگر شہرت اس کی نوح علیہ السلام ہی کے وقت سے دی گئی جس سے ہر فرد بشر پناہ مانگتا تھا اور انبیاء ڈراتے رہے۔ وہ فتنہ کس بلا کا ہوگا۔ جس کی دھوم عالم میں قبل از وقوع واقعہ اسقدر مچی ہوئی تھی حالانکہ دنیا میں صدہا بلکہ ہزار ہا شدو وقائع اور فتنے ہوئے مگر کسی زمانے میں ان سے پناہ مانگی نہ گئی۔ یہ فتنہ معمولی نہیں بلکہ قیامت کا نمونہ ہوگا کہ نقشہ قیامت کا پیش نظر کردے گا جو فتنہ غیر معمولی اور فوق طاقت البشری ہو اس کے دفع کرنے کا اہتمام بھی غیر معمولی طور پر ہونا مقتضائے حکمت ہے۔ جس سے اس فتنے کی وقعت اور بھی زیادہ ہو جائے یعنی اس اہتمام سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دفع کرنے کے لئے انبیاء اولوالعزم سے خاص ایک نبی جلیل القدر مقرر ہو وہ کیسا فتنہ ہوگا۔

غرض جس طرح تمام انبیاء کا ڈرانا اہل ایمان کے دلوں کو متزلزل اور اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لینے پر مضطر کرتا ہے عیسیٰ علیہ السلام کو خاص اس کے فرو کرنے کے لئے متعین کرنا اس اثر قلبی کو دوبالا کرتا ہے۔ اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ کمال درجہ کی خصوصیت اس امت مرحومہ کی اور کمال درجہ کا فضل واحسان اس پر مبذول ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چند وہ فتنہ کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی خاص طور پر پہلے ہی سے کر دی گئی تا کہ ہر مسلمان بصدق دل حق تعالیٰ کا شکر گذار اور اپنے نبی کریم ﷺ پر سو جان سے نثار رہے کہ ان کی وجاہت اور رواداری کے طفیل سے کیسی کیسی بلائیں ہمارے سر سے حق تعالیٰ ٹال دیتا ہے اگر ایسی نعمت عظمیٰ کی قدر ہم نہ کریں تو بڑی کفران نعمت ہے۔ حاصل یہ کہ اس امت کی خرابیاں اس امر پر قرینہ نہیں کہ عیسیٰ فرضی ان خرابیوں کو دفع کرنے کے لئے آئے گا بلکہ اس امت کی جلالت شان اس امر پر قرینہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عیسیٰ علیہ السلام کو مامور فرمایا کہ اشد ضرورت کے وقت تشریف لا کر دشمن قوی کے ہاتھ سے اس کو بچائیں اور اس کے دشمن کو مقہور کر کے نئے سرے سے اس امت کا سکہ تمام عالم میں جمادیں اور خود بھی سید المرسلین ﷺ کے امتی ہونے کا فخر جس کی ایک زمانہ دراز سے آرزو تھی حاصل کریں **ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء. یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید.** حدیث مذکورۂ بالا میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں دجال کی وہ علامت تم سے کہتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ اس کا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا کیونکہ اس کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو ایک صفت مختصہ سے ممتاز کر دینا اس بات پر دلیل بین ہے کہ لوگوں کو اس کی شوکت اور اس کی قدرت ظاہر سے اس کی الوہیت کا گمان ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو جس کو حق تعالیٰ کی طرف سے اتنی قدرت حاصل ہو جائے کہ مُردوں کو

زندہ کرنے لگے تو ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی الوہیت کا شبہ ضروری ہوگا۔

اس کا مُردوں کو زندہ کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے ان ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال حدثنا النبی ﷺ یوماحدیثاً طویلا عن الدجال فکان فیما یحدثنا به انه قال یأتی الدجال وهو محرم علیه ان یدخل نقاب المدینة فینزل بعض السباخ التی تلی المدینة فیخرج الیه یومئذٍ رجل وهوخیر الناس اومن خیار الناس فیقول اشهد انک الدجال الذی حدثنا رسول الله ﷺ حدیثه فیقول الدجال ارأیتم ان قتلت هذا ثمّ حییته هل تشکون فیقولون لا فیقتله ثم یحییه فیقول والله ماکنت فیک اشد بصیرة منی الیوم فیرید الدجال ان یقتله فلا یسلط علیه کذا رواه الحاکم فی المستدرک والبیهقی یعنی ایک روز آنحضرت ﷺ نے دجال کے بہت سے احوال بیان فرمائے منجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا مگر کسی زمین شور میں اس کے مقام کرے گا اس وقت ایک بزرگ اس کے پاس جا کر کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کروں تو کیا جب بھی میرے کام میں یعنی خدائی میں تمہیں شک رہے گا۔ لوگ کہیں گے نہیں۔ تب وہ ان کو قتل کر ڈالے گا پھر زندہ کرے گا وہ بزرگ زندہ ہوتے ہی کہیں گے کہ اب تو تیرے دجال ہونے کا مجھ کو اور بھی یقین ہو گیا۔ غرض اس قسم کی قدرتیں اس کو حاصل ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خبردار فرما دیا کہ کتنی ہی قدرت اس کو حاصل ہو مگر سمجھ رکھو کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کانا ہے اور خدا کانا نہیں ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دجال کسی ایک آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے گروہ پادریاں مراد ہے انہوں نے ان کو اس لئے اختیار کیا کہ اگر شخص معین مراد ہو تو ان کا دعویٰ

عیسویت صحیح نہیں ہوسکتا کسی شخص کو دجال معین کر کے بتلانا پڑتا اگرچہ ممکن تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتا دیتے اس لئے کہ وہ ان کے سخت مخالف ہیں مگر ان سب صفات کی تطبیق مشکل تھی غرض مجبوری ایک گروہ کو دجال قرار دینے کی انہیں ضرورت ہوئی۔

یوں تو دجال کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مگر چونکہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو بہت مانتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے بالفعل ہم انہیں دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جو ابھی لکھی گئیں انہیں میں غور کیا جائے کہ آیا دجال ایک شخص معلوم ہوتا ہے یا ایک قوم ہے۔ان حدیثوں میں لفظ دجال مفرد ہے اگر جماعت مقصود ہوتی تو لفظ دجالون آتا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے: **قال النبی ﷺ فی امتی کذابون ودجالون** (کنز العمال)

یہ دجال لوگ دجال موعود نہیں جس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے صرف مشابہت کی وجہ سے وہ دجال ٹھہرائے گئے ہیں کیونکہ دجال موعود کی خصوصیات ان میں پائی نہیں جاتیں پھر یہ دجال جن کی کثرت اس حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے مثل پادریوں کے غیر محدود نہیں بلکہ ان کی تعداد بعض روایات میں ستائیس اور بعض میں تیس تک وارد ہے۔ (کنز العمال) اور ان دجالوں کی شناخت بھی حضرت نے فرمادی ہے کہ وہ سب یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں اور چونکہ اب تک سنا نہیں گیا کہ کسی پادری نے رسالت کا دعویٰ کیا ہو اسلئے کسی پادری پر لفظ دجال صادق نہیں آسکتا۔ اور اگر دجال سے پوری قوم پادریاں مراد ہے جیسے مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ پہلے تو وہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ معنی لغوی بیان کئے گئے ہیں جب تک کسی کتاب لغت سے نہ بتائے جائیں قابل تسلیم نہیں اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لئے جائیں تو ہمیں یہاں لغوی معنی سے بحث نہیں ہمارا کلام اس میں ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے دجال کو جو استعمال فرمایا اس کے معنی یہاں کل قوم پادری ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

حدیث مذکورۂ بالا میں مصرح ہے کہ دجال مدینہ شریف کی کسی زمین شور میں اترے گا اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ وہاں اس کا جانا قبل نزول عیسیٰ علیہ السلام ہوگا حالانکہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ کل گروہ پادریاں نہ اب تک وہاں پہنچا، نہ آئندہ کے لئے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ سب کے سب جمع ہو کر تمام ایشیا اور یورپ کو خالی کر کے اس زمین پاک میں جائیں گے پھر مجموع گروہ پادریاں لفظ دجال سے کیونکر مراد ہو سکتی ہے۔

پھر ان بزرگوار کا جن کا ذکر حدیث موصوف میں ہے لاکھوں آدمیوں کے مقابلہ میں جا کر یہ کہنا کہ **اشهد انک الدجال** کیونکر صحیح ہوگا اس وقت یوں کہنا چاہیے **اشهد انکم الدجالون یاانکم الدجال.** اسی طرح اس کا ساتھیوں سے پوچھنا کہ اگر میں اس کو مار کر زندہ کروں تو جب بھی تمہیں شک باقی رہے گا کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا اس جملے کو لاکھوں پادری ہم زبان ہو کر ادا کریں گے اور سب مل کر ہاتھوں ہاتھ ان کو مار ڈالیں گے پھر سب ملکر زندہ کریں گے اسی طرح اس بزرگ کا مخاطبہ (**ماکنت اشد بصیرة فیک**) صیغۂ واحد کے ساتھ وغیرہ ان قرائن سے ہر شخص کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پیش نظر اس ارشاد کے وقت ایک ہی شخص تھا یہ بات دوسری ہے کہ قرائن خارجیہ کے لحاظ سے کسی ضعیف الایمان کی عقل اس کی تمیز نہیں کرتی ہو جس کی پابندی مرزا صاحب کر رہے ہیں ہمارا کلام صرف اسی نقلی امر میں ہے جو حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان دار کو ضرور ہے۔

الحاصل ان حدیثوں پر غور کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ گروہ پادریوں کو آنحضرت ﷺ نے دجال قرار دیا۔ ان کے سوا کئی حدیثیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ

دجال پادریوں کا نام نہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے چند حدیثوں کا مضمون یہاں لکھا جاتا ہے۔(کنزالعمال)

۱......دجال کے ماں باپ کو تیس سال تک اولاد نہ ہوگی۔

۲......دجال کا باپ دراز قد کم گوشت ہوگا اور اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں کے پستان دراز ہوں گی۔

۳......دجال یہودی ہوگا۔ (حدیث نمبر ۷۰۷۵) مرزا صاحب نصاریٰ کے پادریوں کو دجال کہتے ہیں۔

۴......دجال کا حلیہ یہ ہے کہ وہ جوان ہوگا اور اس کی تشبیہ ایک شخص کے ساتھ دی گئی جو حضرت کے زمانے میں موجود تھا اور صحابہ اس کو پہچانتے تھے۔

۵......اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔

۶......اس کو اولاد نہ ہوگی۔

۷......جب وہ سوئے گا تو اس کی آنکھیں بند رہیں گی اور دل بیدار۔

۸......وہ اصفہان کے بعض دیہات سے نکلے گا۔

۹......وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ سیاحت کرے گا۔

۱۰......نہر اردن پر دجال کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا مسلمان غربی جانب میں ہوں گے اور وہ شرقی جانب میں۔

۱۱......عیسیٰ علیہ السلام اترتے ہی اس کو اور اس کے لشکر کو ہزیمت دیں گے اور اس کو قتل کریں گے اس وقت ہر چیز یہاں تک کہ دیواریں اور جھاڑوں کی ٹہنیاں مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کافر یہاں چھپا ہوا ہے اس کو مار لو۔

۱۲......دجال کے زمانہ میں مسلمانوں کی غذا تسبیح و تقدیس ہوگی جس سے ان کی بھوک جاتی

رہے گی۔

۱۴.....دجال جبل احد پر چڑھ کر مدینہ شریف کو دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ سفید محل احمد (ﷺ) کی مسجد ہے۔ پھر مدینہ میں جانا چاہے گا مگر جانہ سکے گا اس وقت مدینہ کو تین زلزلے ہوں گے جن سے منافق اور فاسق نکل پڑیں گے۔

ان کے سوا اور بہت سے حالات اور خصوصیات دجال کی احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند علامات کو مرزا صاحب نے ازالۃ الاوہام میں ذکر کر کے بعض کو تو رد ہی کر دیا اور بعضوں میں تاویلیں کیں۔

اگر چہ محدثین بھی بعض احادیث کو موضوع اور بعض کو ضعیف ٹھہرایا کرتے ہیں لیکن ان کے پاس یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب تک کسی حدیث کے راویوں میں کوئی جھوٹا، حدیثیں دل سے تراشنے والا ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت کو ساقط الاعتبار نہیں کر سکتے پھر اگر ایسا شخص کسی حدیث کے راویوں میں پایا جانے کی وجہ سے حدیث کو موضوع یا ضعیف ٹھہراتے ہیں تو جب بھی یہ کھٹکا ان کو لگا رہتا ہے کہ شاید وہ حدیث موضوع نہ ہو اس لئے کہ آخر جھوٹا کبھی سچ بھی کہتا ہے اس وجہ سے وہ تلاش کرتے ہیں کہ وہ روایت کسی اور طریقہ سے آئی ہے یا نہیں۔

غرض وہ کمال احتیاط سے کام لیتے ہیں کیونکہ جو بات نبی کریم ﷺ نے واقع میں فرمائی ہو اس کو لغو کر دینا یا نہ ماننا کمال درجہ کی بے ایمانی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا**۔ ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دیں اس کو لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اس تحقیق و تنقیح سے مقصود یہ کہ واقعی طور پر حضرت کا فرمانا ثابت ہو جائے اس کام کیلئے انہوں نے خاص ایک علم اصول حدیث مدون کیا ہے جس میں تحقیق و تنقیح کے قواعد مقرر ہیں اور ایک فن خاص راویان حدیث کی تحقیق

کے لئے مدون کیا ہے، جس کو فن رجال کہتے ہیں اس میں راویان حدیث کی سوانح عمریاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر محدث کا فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ جس محدث سے ملاقات ہو خواہ وہ استاد ہو یا ہم عصر اس کے حالات کی پوری پوری تحقیق کر کے اپنے شاگردوں اور ملاقاتیوں کو اس پر مطلع کر دیں تا کہ آئندہ آنے والوں کو اس کے پورے احوال معلوم رہیں جس سے اس کی روایتوں کے ضعف وقوت کا اندازہ کر سکیں۔ کسی حدیث کے خلاف عقل یا نقل ہونے سے اس حدیث کو وہ رد نہیں کر سکتے جب تک اس کا راوی مخدوش و مجروح ثابت نہ ہو کیونکہ جب نبی کا ارشاد سچے لوگوں کی روایت سے ثابت ہو جائے تو مومن کو اس کا ماننا ضرور ہے اس میں عقل کو دخل ہی کیا جتنے لوگ کافر رہ گئے اکثر بلکہ کل کو عقل ہی نے تباہ کیا۔

مگر مرزا صاحب نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ جو حدیث ان کے مقصود کے مضر یا مخالف ہو اس کو صاف باطل کہہ دیتے ہیں پھر اس پر بھی اکتفا نہیں اس کے ماننے والوں کو مشرک اور بے دین بھی ٹھہراتے ہیں دیکھ لیجئے جن احادیث میں دجال کے استدراج مثلاً زندہ کرنا، پانی برسانا وغیرہ امور مذکور ہیں ذکر کر کے صاف لکھ رہے ہیں کہ یہ مشرکوں کے اعتقاد ہیں۔ اب غور کیجئے یہ سب احادیث حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کتابوں پر کس کو اعتقاد نہیں تمام فقہاء انہیں کتابوں سے استدلال کرتے ہیں تمام اولیاء اللہ انہیں سے استفادہ کرتے ہیں تمام اہل اسلام انہیں کتابوں کو اپنے دین کی کتابیں سمجھتے ہیں اگر بقول مرزا صاحب یہ اعتقادات شرک ہیں تو ان کتابوں کو شرک سے بھری ہوئی کہنا پڑے گا اور ان کے جمع کرنے والے مشرک (معاذ اللہ)۔

ابھی معلوم ہوا کہ دجال کے زندہ کرنے کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے اور کنز العمال سے ظاہر ہے کہ تقریباً کل محدثین نے دجال کے اس قسم کے استدراج کی حدیثیں بکثرت روایت کی ہیں۔ اول درجہ میں ان حضرات پر الزام شرک کا عائد ہوتا ہے پھر

ان کتابوں کے معتقدوں پر جن میں جمیع اہل سنت و جماعت شریک ہیں پھر یہ سلسلہ صرف محدثین ہی پر ختم نہیں ہوسکتا ان حدیثوں کے کل رواۃ صحابہ تک اس الزام سے بچ نہیں سکتے اور بڑے غضب کی یہ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد فرمانا وہ بھی عین خطبہ میں جو خاص احکام الٰہی پہنچانے کے لئے موضوع ہے کس قدر وحشت انگیز ہوگا۔

اس سے بڑھ کر سنیے۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۲۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بالکل فاسد اور غلط اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مٹی کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں سچ مچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ یہ مشرکانہ خیال کس اعتقاد کے نسبت جو قرآن شریف سے ثابت ہے **قال اللہ تعالیٰ واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیراً باذنی.** یعنی عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونکتے تو حق تعالیٰ کے اذن سے وہ پرندے ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں تقریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اہل ایمان خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بے باکی ہوگی۔

آن کس کہ ز قرآن وخبر ز و نرہی   **آنست** جوابش کہ جوابش ندہی

ہم نے مانا کہ مرزا صاحب ان احادیث میں تاویل کر کے اپنی مرضی کے موافق بنا لیتے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ خود ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ **النصوص یحمل علی الظواھر** مسلّم ہے یعنی یہ بات مسلّم ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی لئے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ وغیرہم نے ان احادیث کے معنی وہی سمجھے جو مثل روز روشن ظاہر و باہر ہیں اور اس پر قرینہ قطعیہ یہ ہے کہ نہ آنحضرت ﷺ نے ان کی تاویل کی طرف کبھی اشارہ فرمایا، نہ صحابہ سے کوئی تاویل مروی ہے، نہ کسی محدث وفقیہ نے تاویل کی بلکہ جہاں ان کا مضمون بیان کیا وہی بیان کیا جو ہر شخص سمجھتا ہے بہر حال تاویل نہ کرنے والے شروع سے آخر تک بقول مرزا صاحب مشرک ٹھہر رہے ہیں جن کی کوئی دوسری بات

بھی قابل اعتبار نہیں رہ سکتی اس لئے کہ مستند اور معتبر تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو متدین ہو اور آدمی کو غیر متدین بنانے والی شرک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تمام جودت طبع صرف کر کے ایسے ایسے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ کسی کو اب تک نہ سوجھے۔ شرک کی وہ ڈانٹ بتائی کہ بھولے بھالے خوش اعتقاد لوگ گھبرا کر مرزا صاحب کا کلمہ پڑھنے لگے اور شدہ شدہ ایک گروہ بن گیا۔

ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اسی قسم کا شرک آیہ شریفہ **ان الحکم الا للہ** سے بھی ثابت کر کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمے لگایا گیا تھا جس نے بہتوں کو راہ استقامت سے ہٹا کر زمرہ خوارج واہل ہوا میں شریک کر دیا۔ جن کا سلسلہ آج تک ختم نہیں ہوا مگر اہل حق اس شرک مصنوعی کو عین ایمان سمجھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اتباع سے ایک قدم نہ ہٹے اب بھی اہل ایمان کو چاہیے کہ کمال استقلال سے اپنے قدیم عقیدہ پر ثابت قدم رہیں ورنہ وہی خوارج کا حال ہو گا۔

اس موقع میں بھی جب ہم سلف صالح پر نظر ڈالتے ہیں تو کل اہل سنت و جماعت بلکہ کل امت مرحومہ کا اتفاق اور صحابہ کا اجماع اس شرک مصنوعی پر مرزا صاحب کی مخالفانہ توحید کو محل خطر میں ڈال رہا ہے۔

ترسم کہ صرفہ نبرد روز باز خواست   نان حلال شیخ ز آب حرام ما

اور یہ آیہ شریفہ **وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا** (سورۃ النساء) اس نئے ایمان کی طرف ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور بے اختیار یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

ہر چہ گیرد علتے علت شود   کفر گیرد کاملے ملت شود

ابھی آپ سن چکے ہیں کہ جولوگ اہل حق کے مخالف ہیں اگر وہ قرآن بھی پڑھ کر سنانا چاہیں تو نہ سننا چاہیے اگر اتباع حق منظور ہو تو احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ اور سلف صالح کو اپنا مقتدا بنائے اور سیدھے ان کے پیچھے پیچھے ہی چلئے جب تو امید قوی ہے کہ وہیں پہنچو گے جہاں وہ حضرات پہنچ گئے ہیں اور اگر آپ نے ان کی راہ چھوڑ دی تو یاد رکھئے کہ ان سے تو آپ نہیں مل سکتے اور سوائے پریشانی کے کوئی فائدہ نہ ہوگا ان حضرات کا طریقہ چھوڑتے ہی پہلے پہل بہتر (۷۲) راہیں آپ کے پیش نظر ہو جائیں گی جن پر ایک ایک گروہ قرآن وحدیث لئے ہوئے آپ کو اپنی طرف کھینچتا ہوگا پھر مختلف دین وآئین والے دلائل عقلیہ کی تلواریں کھینچ کر آپ پر ہجوم کریں گے جس سے دین وایمان کا بچانا مشکل ہوگا اگر آپ اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو اس فقرہ پر عمل کیجئے جو کسی بڑے تجربہ کار کا قول ہے۔ یک در گیر محکم گیر۔

کلام اس حدیث شریف میں تھا جو بخاری میں ہے **تعلمون انه اعور وان اللہ لیس باعور** سمجھ رکھو کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ مرزا صاحب اس کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ دجال سے مراد فرقہ پادریان ہے اور ان کا اعور ہونا یہ ہے کہ ان کو دین کی عقل نہیں صرف ایک آنکھ ہے یعنی عقل معاش ہے اگر اس کے یہی معنی قرار دیئے جائیں تو اس کا حاصل مطلب یہ ہوگا کہ یاد رکھو کہ پادریوں کو دین کی عقل نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا تعالیٰ تو خالق عقل ہے مسلمان تو کیا کافر بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ کسی زمانہ میں خدا تعالیٰ کو دین کی عقل ہوگی یا نہ ہوگی پھر اس اہتمام اور تاکید سے آنحضرت ﷺ کا فرمانا **ان اللہ لیس باعور** کیونکر صحیح ہوگا کیا صحابہ سے کسی نے یہ خیال کیا ہوگا کہ دجال یعنی پادریوں کو تو دین کی عقل نہ ہوگی مگر خدا تعالیٰ کو بھی ہوگی یا نہ ہوگی جس کے جواب میں حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ ضرور ہوگی (معاذ اللہ) صحابہ کی یہ شان

نہیں کہ ایسا رکیک خیال کریں پھر اگر دجال سے مراد گروہ پادریان ہو تو وہ گروہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی موجود تھا چنانچہ خود قرآن شریف میں ان کا ذکر ہے اور ان کو دین کی عقل نہ ہونا بھی ثابت ہے کہ باوجودیکہ معجزات اور آیات بینات بچشم خود دیکھتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے۔

اس زمانے کے بیچارے پادریوں نے تو ایک بھی معجزہ نہیں دیکھا دراصل اگر اعور کے یہی معنی ہیں تو یہ لفظ انہی کے واسطے زیبا ہے ان کے مقابلہ میں ان کو اَرمد[1] کہنا چاہیے اور اس دجال اعور کے قتل کے واسطے نہ عیسیٰ کی ضرورت تھی، نہ مثیل عیسیٰ کی کیونکہ اس دجال کے وقت میں خود آنحضرت ﷺ بنفس نفیس موجود تھے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر دجال میرے وقت میں نکلے تو میں خود اس کا مقابلہ کرلوں گا تمہاری ضرورت نہیں۔ **کما قال علیہ الصلوۃ والسلام ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم** (رواہ احمد ومسلم والترمزی وابن ماجۃ، کنز العمال) ہاں دجال ارمد کیلئے اگر مثیل عیسیٰ کی ضرورت ہو تو وہ دوسری بات ہے مگر ہم نہ اس دجال ارمد کو دجال موعود کہہ سکتے ہیں، نہ اس کے قاتل کو عیسیٰ موعود۔ یہ دجال وعیسیٰ دونوں مانحن فیہ سے خارج ہیں ہمارا کلام اس دجال میں ہے جس سے نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا اور حضرت نے اپنی امت کو اس سے ڈرا کر اس کی علامتیں بتلا دیں وہ دجال مرزا صاحب والا دجال ہرگز نہیں ہوسکتا ورنہ **ان اللہ لیس باعور** فرمانا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔

آنحضرت ﷺ نے دجال کی علامتیں جو بکثرت بیان فرمائیں جن میں سے چند اوپر مذکور ہوئیں اس سے مقصود حضرت کا صاف ظاہر ہے کہ صرف خیر خواہی امت ہے تا کہ

---

[1] اَرمد اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھ میں رمد یعنی آشوب ہو۔۱۲

علامتیں اپنے دشمن کی معلوم کر رکھیں اور موقع پر اس کو پہچان کر اس کے شر سے بچیں مگر مرزا صاحب کو یہ خیر خواہی منظور نہ ہوئی۔ بالفرض اگر مرزا صاحب کی چل جائے اور پادریوں ہی کو دجال سمجھ بیٹھیں اور دجال اعور وقت مقررہ پر نکل آئے اور ضرور نکلے گا تو اس وقت یہ اس سے خالی الذہن رہیں گے اور جو مقصود آنحضرت ﷺ کا اس کی علامات بیان فرمانے سے تھا وہ تو خدانخواستہ فوت ہوجائے گا۔ معلوم نہیں اس سے مرزا صاحب کا کیا فائدہ ہوگا اور حضرت کو کیا جواب دیں گے؟ ازالۃ الاوہام اور مناظرہ مولوی محمد بشیر صاحب سہسوانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو اصح الکتب سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی روایات مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور مردہ کو زندہ کرکے اس کی تصدیق بھی کر دکھائے گا تو اب مرزا صاحب کا پادریوں کو دجال قرار دینا بے موقع ہے اس لئے کہ بیچارے پادریوں میں تو سوائے معمولی باتوں کے ایک بھی بات ایسی پائی نہیں جاتی جس سے کوئی جاہل سے جاہل بھی ان کی خدائی کا خیال کرے ان سے بچانے کیلئے تو ایک ہی عام حکم کافی ہے۔ **قولہ تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم** (سورۃ المائدۃ) یعنی جو کسی یہودی یا نصرانی کو دوست رکھے گا وہ بھی انہیں میں ہے اسی وجہ سے پادریوں کو کوئی جاہل مسلمان بھی دوست نہیں رکھتا اور جو دل سے دوستی رکھتا ہے وہ کرستان ہو ہی جاتا ہے اس میں پادریوں کا کیا قصور جن پر طمع دنیوی غالب ہوتی ہے ہمیشہ ان کے دین وایمان کی یہی کیفیت رہی ہے۔ دجال اعور اصطلاحی مرزا صاحب خود طمع دنیوی اور پیٹ کے دھندے میں گرفتار تھا چنانچہ اس کا انجیل میں تحریف کرنا اسی غرض سے تھا کہ کچھ پیسے مل جائیں قال اللہ تعالیٰ **فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا** (سورۃ البقرۃ) اور دجال ارمد بھی اسی

آفت میں پھنسا ہوا ہے اس کو دعویٰ الوہیت سے کیا سروکار وہ بے چارہ تو سرراہ پٹا کرتا ہے اور اپنی مظلومی کو باعث فخر سمجھتا ہے قتل کر کے زندہ کرنا تو درکنار گورنمنٹ کے خوف سے کسی کو قتل کی تہدید بھی نہیں کرسکتا۔

مرزا صاحب ہندوستان کے پادریوں کے فتنے جس قدر بیان کرتے ہیں سب واقعی ہیں مگر ایسے فتنے تو ہمیشہ اس امت میں ہوتے ہی رہے ہیں شروع سے دیکھئے کیا یزید کا فتنہ کم تھا اس کے بعد حجاج کا فتنہ جس سے صحابہ اور تابعین الحذر کرتے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ قرامطہ اور چنگیز خان و ہلاکو وغیرہ کے فتنے عرب، عجم، افریقہ وغیرہ بلاد اسلام میں ہوتے ہی رہے ہیں پادریوں کا فتنہ ہندوستان میں ان فتنوں کے پاسنگ میں نہیں ان کا اثر تو انہیں لوگوں پر ہوتا ہے جو ضعیف الایمان اور طمع دنیوی میں گرفتار ہیں۔

پھر مرزا صاحب جو ہندوستان کے پادریوں کو دجال قرار دیتے ہیں ان کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ دجال کا فتنہ ہندوستان کے ساتھ خاص ہے اور ممکن نہیں کہ کسی حدیث سے یہ ثابت ہو سکے کہ دجال ہندوستان میں نکلے گا برخلاف اس کے احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ وہ اصفہان کے دیہات سے نکلے گا اور حرمین شریفین وشام میں پہنچے گا حالانکہ پادریوں کا ان دونوں جگہ گذر ہی نہیں ان تصریحات کے بعد ہندوستان والے پادریوں کو دجال سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب کو دجال کی تلاش کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ عیسویت اور مہدویت کا دعویٰ بغیر اس کے صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان تینوں کے ظہور کا زمانہ بہت ہی قریب قریب ہے۔ مرزا صاحب نے اس موقع میں کمال ذہانت سے کام لے کر ان تینوں کا اتفاق پبلک کے سامنے پیش کردیا کہ خود تو مہدی اور عیسیٰ ہیں اور پادری دجال۔ ان کے پہلے جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا ان میں کسی کو یہ نہ

سوجھی انہوں نے صرف یہ خیال کرلیا تھا کہ دعویٰ مہدویت کے زمانے میں نہ عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے نہ دجال کی کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ نصاریٰ کے ساتھ پہلے جنگ کریں گے اس کے بعد دجال نکلے گا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ دجال اور عیسیٰ کی خبر اگر پوچھی جائے گی تو کہہ دیا جائے گا کہ وہ بھی ابھی آتے ہیں مرزا صاحب نے اس سوال و جواب کی بھی ضرورت باقی نہ رکھی کیونکہ جب دجال مہدی عیسیٰ اکھٹے ہوگئے تو اب کونسی حالت منتظرہ ہے جس کے پوچھنے کی ضرورت ہو۔ غرض سیدھے سادھے مسلمان ان لوگوں کے دعوؤں کو بھی قبول کرتے رہے اور لاکھوں کا مجمع ان کے ساتھ ہوگیا اب بھی وہی کیفیت ہے۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیامت کی بہت سی علامتیں ذکر فرما کر آخری علامتوں میں یہ فرمادیا تھا کہ مہدی نکلیں گے اور اسلام کی تائید میں نصاریٰ سے سخت جنگ کرکے فتح پائیں گے اور پھر دجال نکلے گا اور اس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے چونکہ ہر مسلمان کا کامل اعتقاد ہے کہ حضرت کی جملہ پیشین گوئیاں باطلاع وحی الٰہی تھیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ o إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ o** اس لئے جب وہ کوئی تغیر اور نئی بات دیکھتے فوراً قیامت ان کی پیش نظر ہوجاتی اس کا انتظار صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہوگیا تھا چنانچہ ابن صیاد یہودی سے جب بعض خوارق عادات صادر ہونے لگے تو بعض صحابہ کو گمان ہوگیا تھا کہ کہیں یہی دجال نہ ہو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا ارادہ مصمم کرلیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو روک دیا کہ اگر یہ وہی دجال موعود ہے تو اس کو تم قتل نہیں کرسکتے اس کا قتل عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مقدر ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل بے جا ہے۔

یہاں یہ خلجان ہوتا ہے کہ دجال کا واقعہ تو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جیسا

کہ صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں اس کو دجال کیوں سمجھا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نہایت حزم واحتیاط تھی جس کا حال ان کی سوانح عمری سے ظاہر ہے چنانچہ مشہور ہے کہ شجر بیعت رضوان باوجودیکہ متبرک مانا جاتا تھا اور لوگ دور دور سے اس کی زیارت کو جاتے تھے مگر انہوں نے اس احتیاط کے لحاظ سے کہ کہیں پرستش شروع نہ ہو جائے اس کو کٹوا ڈالا۔ غرض جب آپ نے دیکھا کہ ابن صیاد یہودی بھی ہے اور خوارق عادات بھی کچھ کچھ اس سے صادر ہو رہے ہیں اور دجال میں بھی یہی باتیں ہوں گی اپنے اقتضائے طبع کے مطابق حفظ ماتقدم اور حزم کے لحاظ سے چاہا کہ ابتداہی میں اس شجرہ خبیثہ کی بیخ کنی کر دی جائے۔ یہاں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یقینی طور پر کیوں نہیں فرمادیا کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ قیامت کا وقت مبہم رہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ بہت دور ہے تا کہ مسلمانوں کا ہر وقت خیال لگا رہے کہ شاید وہ ابھی قائم ہو جائے جس کی وجہ سے عمل خیر میں ساعی رہیں ارشاد ہوتا ہے: **ویسئلونک عن الساعة ایان مرسٰها قل انما علمها عند ربی لایجلیها لوقتها الا هو ثقلت فی السمٰوٰت والارض لاتاتیکم الا بغتة یسئلونک کانک حفی عنها قل انما علمها عند الله.**

ترجمہ: آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کب ٹھہراؤ ہے کہئے اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دے گا اس کو اپنے وقت۔ بھاری ہے وہ آسمان اور زمین میں وہ تم پر آئے گی تو یکایک آئے گی۔ ایسے پوچھنے لگتے ہیں گویا آپ اس کے تلاشی ہو تو آپ کہئے کہ اس کا علم خاص اللہ کے پاس ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہے: **ویقولون متٰی هو قل عسٰی ان یکون قریبا** (سورۃ بنی اسرائیل) یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہے آپ کہئے کہ شاید وہ قریب ہی ہو۔

اور آنحضرت ﷺ بھی اکثر فرمایا کرتے کہ میں قیامت کے قریب مبعوث ہوا ہوں۔ غرض ان آیات واحادیث سے قیامت ہروقت صحابہ کے پیش نظر رہتی تھی اور اپنی عادت کے مطابق قریب کے معنی سمجھتے تھے یہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قریب کس مقدار کے زمانہ کا نام ہے وہاں تو ایک دن ہزار برس کا ہے **کما قال تعالی وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** (سورۃ الحج) یعنی ایک دن تمہارے رب کے پاس ان ہزار سال کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ اس حساب سے تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے آج تک ڈیڑھ دن بھی نہیں گذرا اگر اس زمانہ میں کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو بھی دو ہزار سال تک کسی کو پوچھنے کا حق نہ تھا اور فرداے قیامت اس پر برابر صادق آسکتا۔

غرض مصلحت الٰہی اسی کو مقتضی ہے کہ قیامت کا حال پوشیدہ رہے اور لوگ اس کو قریب سمجھتے رہیں چونکہ آنحضرت ﷺ اعلیٰ درجہ کے مرضی شناس حق تعالیٰ کے تھے اس وجہ سے ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کی نہ آپ نے تصدیق کی، نہ انکار فرمایا بلکہ ایک ایسا مجمل کلام فرمادیا کہ مقصود فوت نہ ہو۔ یعنی ارشاد ہوا کہ اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کو مارنہ سکوگے اور اگر نہیں ہے تو اس کا قتل بے جا ہے۔

اب ابن صیاد کا بھی تھوڑا حال سنئے کہ کیسا پہلودار ہے جامع ترمذی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دجال کی ماں باپ کو تیس برس تک بچہ نہ ہوگا اور اس کے بعد ایک لڑکا ہوگا ایک چشمی جس کا ضرر زیادہ ہوگا اور نفع کم اس کے سونے کی یہ کیفیت ہوگی کہ آنکھوں میں تو نیند رہے گی اور دل ہوشیار اور باپ اس کا بہت بلند قد کم گوشت اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں موٹی دراز پستان ہوگی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک لڑکے کی شہرت ہوئی کہ عجائب روزگار سے ہے میں اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس کے گھر گئے دیکھا کہ ایک مرد اور اس کی عورت کا وہی حلیہ ہے جو

آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا تھا ہم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کوئی لڑکا بھی ہے انہوں نے کہا کہ تیس برس کے بعد ہمیں ایک لڑکا پیدا ہوا جو ایک چشمی ہے اس سے نقصان بہت ہے اور نفع کم۔ سوتا ہے تو آنکھیں بند رہتی ہیں اور دل ہوشیار۔ ہم ان کے پاس سے جب نکلے تو وہ دھوپ میں کچھ اوڑھا ہوا پڑا گنگنا رہا ہے ہماری آہٹ سن کر پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے ہم نے کہا کہ کیا تو نے سنا کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں میرا اور اس کا ساتھ ہوا اس نے بہت سی باتیں کہیں کہ صحابہ مجھے دجال سمجھتے ہیں حالانکہ دجال چنیں و چناں ہے اور وہ باتیں مجھ میں نہیں ہیں اس کی باتیں میرے دل میں اثر کر رہی تھیں کہ کسی نے پوچھا کہ اگر تو ہی دجال ہو تو تجھے اچھا معلوم ہوگا یا نہیں؟ کہا اگر وہ خدمت پیش کی جائے تو میں اس کو مکروہ نہ سمجھوں گا اور پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم دجال کی پیدائش کی جگہ اور اس کا مقام میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اب وہ کہاں ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر مجھے پھر اشتباہ ہوگیا انتہی ملخصاً۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ابن صیاد مدینہ شریف کے کسی راستہ میں مجھے ملا اتنا پھولا کہ راستہ بھر گیا میں نے اس کو دھتکار کر کہا کہ تیری کچھ قدر نہیں یہ کہتے ہی وہ سمٹ گیا اور میں راستہ پا کر چلا گیا انتہی ملخصاً۔

اس کے سوا اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ کو اس کے دجال ہونے کا خیال پیدا ہوگیا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر دس قسمیں کھانا بہتر سمجھتا ہوں اس سے کہ اس کے دجال نہ ہونے پر ایک قسم کھالوں یعنی دس حصہ گمان ہے کہ وہی دجال ہوگا۔ (کنز العمال)

پھر موت میں بھی اس کے اختلاف ہے بعض روایات سے اس کا مرنا معلوم ہوتا

ہے مگر سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں یزید کا لشکر مدینہ طیبہ پر آیا تھا ابن صیاد گم ہو گیا۔ الحاصل جب منظور الٰہی تھا کہ علی التعین قیام قیامت کا زمانہ کسی کو معلوم نہ ہو اور اس کو دور بھی نہ سمجھیں جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے تو حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ حضرت ہی کے زمانہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہو کہ اس کے دجال ہونے کا گمان تمام مسلمانوں کو ہو جائے اور اس کے ظہور سے خائف و ترساں رہ کر اپنے ایمان کے استحکام کی فکر میں لگے رہیں اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں کہ الٰہی اس کے فتنے سے ہمیں بچائیو۔ اسی وجہ سے ہمارے خیر خواہ سرور عالم ﷺ نے ہمیں تعلیم فرمادی کہ ہر نماز کے آخر میں یہ دعا کیا کریں۔ **واعوذبک من شرفتنة المسیح الدجال.**

آپ حضرات اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ اس زمانہ میں نہ ابن صیاد کوئی ایسا شخص تھا کہ اس کی ذات سے کچھ خوف ہو، نہ اس کے دجال سمجھنے سے یہ خیال کیا گیا کہ اس حالت موجودہ کے لحاظ سے وہ قابل خوف تھا۔ چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو ایک لکڑی ایسی ماری کہ اس کے جسم پر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مسیح الدجال یہی ابن صیاد ہے جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں لکھا ہے۔ البتہ خوف اس کے اس فتنے کا تھا جو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جس کے انسداد کی غرض سے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا **فان یکن الذی تخاف لن تستطیع قتله** (رواہ مسلم) یعنی اگر یہ وہی دجال ہے جس سے تمہیں خوف ہے تو تم اس کو قتل نہیں کرسکتے بلکہ عیسیٰ ابن مریم اس کو قتل کریں گے۔ (رواہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

اصل واقعات ابن صیاد کے یہ تھے جو مذکور ہوئے مرزا صاحب کو چونکہ عیسویت جمانے کی غرض سے دجال کی بہت تلاش تھی کمال پریشانی میں لفظ دجال ابن صیاد کے نسبت جو مل گیا بے خود ہو گئے کہ اب کیا ہے دجال کو مار لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دجال معہود

حضرت ہی کے زمانہ میں مر گیا اب از خود رفتہ ہیں کبھی تو تمام اہل سنت و جماعت پر بلکہ تمام اہل اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کہ یہ سب مشرک ہیں کہ دجال موعود کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں کبھی اکابر علماء امت پر وار ہے کہ ان ملاؤں نے دجال کو ہوا بنا رکھا ہے کبھی اکابر محدثین پر طعن ہے کہ ان کی ایک کتاب بھی خواہ بخاری ہو یا مسلم قابل اعتبار نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ دجال کے آخر زمانے میں نکلنے کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں ہیں اور ابن صیاد کے دجال ہونے کی روایتیں بھی انہیں میں ہیں اس لئے **اذا تعارضا تساقطا** پر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا چاہیے اور دجال کے استدراج میں جو احادیث صحاح میں وارد ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں۔ سوچنا چاہیے کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے۔ جملہ اہل سنت و جماعت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری ہے اور خود مرزا صاحب بھی اپنے استدلال کے موقع میں یہ فقرہ پیش کیا کرتے ہیں اور بقیہ کتب صحاح کے نسبت اجماع ہے کہ ان میں کوئی حدیث موضوع نہیں مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں سخت حیرت کا مقام ہے۔

ابن صیاد کو دجال سمجھنے اور قیامت کے قریب خروج دجال میں مرزا صاحب تعارض قرار دے کر کل حدیث کی کتابوں کو جو بے اعتبار بنا رہے ہیں معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے تعارض تو جب ہوتا کہ صحابہ اس کی تصریح بھی کر دیتے کہ دجال نکل چکا اور اب وہ قیامت تک نہ نکلے گا حالانکہ یہ تصریح کسی کتاب میں نہیں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا فان **یکن الذی تخاف لن تستطع قتله انما صاحبه عیسٰی ابن مریم** اس سے ظاہر ہے کہ اس کا خوف عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اس کے اس فتنہ کے لحاظ سے تھا جس کو بارہا آنحضرت ﷺ سے سن چکے تھے ورنہ کس کو خبر تھی کہ دجال کس بلا کا نام ہے اس کا نام تو ابن صیاد مشہور تھا پھر اس سے کوئی فتنہ بھی ایسا ظہور میں نہیں

آیا جو دجال کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں۔ ابن صیاد نے کوئی کام بھی ایسا نہیں دکھایا جو دجال معہود کے نشانیوں میں سے سمجھا جائے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دجال معہود سمجھتے تو صحابہ ضرور تخطیہ کرتے کہ اس کا خروج تو قیامت کے قریب ہوگا پہلے بیت المقدس فتح ہوگا اس کے ساتھ مدینہ منورہ کی ویرانی اس کے بعد جنگ عظیم ہوگا اور امام مہدی نکلیں گے اور وہ شہر فتح ہوگا جس کا ایک جانب سمندر میں ہے اور ایک جانب خشکی میں اور سب غنیمت کی تقسیم میں مصروف ہوں گے کہ ایکبارگی ایک شخص دوڑتا ہوا آکر پکار دیگا کہ دجال نکلا اور ان سب علامتوں کے پہلے آنحضرت ﷺ نے دوسری علامتیں بکثرت بیان فرمائی ہیں جن میں چند یہ ہیں کہ لوگ اونچے اونچے مکان بنائیں گے اور علم بالکل مفقود ہو جائے گا زنا اور لواطت اور شراب خواری علانیہ اور کثرت سے ہوگی زلزلے بہت ہوں گے ترک و کرمان و عجم کے ساتھ جنگ ہوگا تقریباً تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جو رسالت کا دعویٰ کریں گے ان کے سوا اور بہت سی علامتیں ہیں جو خروج دجال سے ظہور میں آئیں گے۔ الغرض اس کو دجال کہنے سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اگر یہ ہوتی کہ ظہور ابن صیاد کا خروج دجال موعود ہے تو دوسرے صحابہ صاف کہہ دیتے حضرت ہی کی زبان مبارک سے ہم نے دجال کا نام سنا ہے اور اس کے خروج کا وقت حضرت ہی نے بیان فرما دیا ہے کہ ان تمام امور کے ظہور کے بعد ہوگا پھر سب سے پہلے وہ کیوں کر نکل آیا۔ بلکہ حضرت خود فرما دیتے کہ میں اس کا وقت خروج ان علامات کے بعد بتلا رہا ہوں اور تم اس کو ابھی سے نکال رہے ہو غرض اس سے ظاہر ہے کہ اس کو دجال کہنا مجازاً تھا حقیقۃً نہ تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے یہ بھی روایت کر رہے ہیں کہ دجال نکلنے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے لوگ ان سے کہیں گے کہ اے روح اللہ امامت کیجئے وہ کہیں گے کہ تمہارا ہی امام نماز پڑھائے چنانچہ نماز کے بعد آگے بڑھ کر دجال کو قتل

کریں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن صیاد کو آئندہ کے لحاظ سے دجال کہا گیا جس کے نکلنے کا وقت قریب قیامت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ دجال کے پہلے تیس جھوٹے نکلیں گے سب کے آخر میں دجال نکلے گا اور اس کا فتنہ سب سے بڑا ہوگا اگر وہ ابن صیاد کو دجال موعود سمجھتے تو ان حدیثوں کو روایت نہ کرتے ورنہ محل اعتراض تھا کہ اجتماع ضدین کیسا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ظن غالب تھا کہ یہی ابن صیاد خروج کرے گا جس کو عیسٰی علیہ السلام قتل کریں گے۔

اور نیز عبداللہ بن عمر جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں شک نہیں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ دجال مدینہ منورہ کی زمین شور میں آئیگا اور آخر میں مارا جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اس حالت میں یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موعود ہی ہے اور فتنہ اس کا وقوع میں آچکا۔

اور نیز جابر رضی اللہ عنہ باوجود ابن صیاد ہونے پر قسم کھاتے ہیں یہ روایت کرتے ہیں کہ دجال کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا حالانکہ خود انہوں نے دیکھا تھا کہ ابن صیاد کی پیشانی پر کچھ بھی نہ تھا جیسا کہ ازالۃ الاوہام میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس میں ان علامات کے ظہور کا وقت دوسرا ہے ورنہ بجائے اس کے کہ اس کے دجال ہونے پر وہ قسمیں کھائیں دجال نہ ہونے پر قسمیں کھاتے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے پاس ابن صیاد کے دجال ہونے کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس کا خروج موعود ہو چکا بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا فتنہ اور سب علامات اسی وقت ظہور میں آئیں گے جب دوبارہ وقت معین پر نکلے گا الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم کھانا اس بات پر دلیل نہیں کہ دجال مر گیا اور نہ آنحضرت ﷺ کا سکوت اس امر پر دلیل ہو سکتا ہے کہ دجال کے فتنہ موعودہ میں شک تھا بلکہ اس بات پر

دلالت کرتا ہے کہ جس دجال کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے وہ یہی شخص ہے یا اور کوئی۔

مرزا صاحب جو تمام صحاح کو ساقط الاعتبار بنا رہے ہیں اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ دو چار صحابیوں نے جو کہا تھا کہ ابن صیاد دجال ہے اس کو حقیقت پر محمول کر رہے ہیں اگر اس کو مجاز پر محمول کرتے تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا آخر عیسیٰ اور دجال کے معنی بھی تو وہ مجاز ہی لے رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خود ہیں اور شخص دجال گروہ پادریان۔

مرزا صاحب کا بڑا اعتراض یہ ہوگا کہ اگر وہ قیامت کے قریب دجال ہونے والا تھا تو اس وقت اس کو دجال کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کل اہل عربیت جانتے ہیں کہ اس کو مجاز باعتبار مایؤل کہتے ہیں جو مجاز مرسل کی ایک قسم ہے قرآن شریف میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ **اعصر خمرا** ظاہر ہے کہ خمر نہیں نچوڑا جاتا شیرے کو خمر باعتبار مایؤل کہا گیا وقال اللہ تعالیٰ **ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلمًا انما یاکلون فی بطونھم نارا** (سورۃ النساء) یعنی جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ لوگ آگ کھاتے ہیں۔ اموال کو حق تعالیٰ نے باعتبار مایؤل آگ فرمایا وقال تعالیٰ **حتی تنکح زوجًا غیرہ** (سورۃ البقرۃ) ظاہر ہے کہ نکاح زوج کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے وقت وہ اجنبی ہوتا ہے جس پر زوج کا اطلاق ہوا۔ قافلہ سفر سے واپس آنے والے گروہ کہتے ہیں کیونکہ قفول کے معنی سفر سے واپس آنے کے ہیں حالانکہ جانے والے گروہ کو بھی قافلہ کہتے ہیں اور یہ تو ہمارے عرف میں بھی شائع ہے کہ حج کے جانے والے کو حاجی صاحب اور لڑکوں کو مولوی صاحب کہتے ہیں حالانکہ ہنوز وہ ان الفاظ کے معنی کے مستحق نہیں ہوتے۔

الحاصل ابن صیاد کو قبل دجال ہونے کے دجال کہنا بھی اسی قسم کا ہے۔ اب دیکھئے کہ ان احادیث میں تعارض کہاں رہا دونوں کا مطلب یہی ہوا کہ دجال موعود آخری زمانہ میں نکلے گا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جزم کرنے سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو چکا ہے

اور اپنے ظہور موعود کے وقت تک زندہ رہے گا اور یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہزار سال کی عمر نوح علیہ السلام کی نص قطعی سے ثابت ہے پھر اگر اس سے زیادہ کسی کو خدا تعالیٰ زندہ رکھے تو کیا تعجب ہے۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قابل غور ہے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے دجال ہونے کا علم کس قسم کا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ اس کا دجال ہونا نہ اولیات سے ہے، نہ فطریات سے، نہ مشاہدات سے، نہ وجدانیات سے، نہ تجربیات وو ہمیات محسوسہ وحد ثیات سے اور نہ متواترات سے اس لئے کہ اس وقت تک کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ دجال ہے۔ رہا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہوگا سو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ خود حضرت نے ان کی تصدیق نہیں کی بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کے دجال ہونے کا علم عمر رضی اللہ عنہ کو یقینی نہ تھا کیونکہ یقینیات کے کسی قسم میں وہ داخل نہیں ہوسکتا جو مذکور ہوئے البتہ قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اس کا ظن ہو گیا ہو تو ممکن ہے۔

مرزا صاحب کے اصول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا کبھی ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ ایسے جلیل القدر صحابی کا ایسی بات پر قسم کھانا جس کا ثبوت نہ شرعا ہو، نہ عقلا ہرگز قرین قیاس نہیں ہوسکتا مگر چونکہ یہ روایت معتبر کتابوں میں ہے اس لئے ہمیں ضرور ہے کہ حتی الوسع اس کی مناسب توجیہ کریں۔ بات یہ ہے کہ عرب کا دستور تھا اور اب تک ہے کہ محتملات و مظنونات پر بھی قسم کھالیا کرتے ہیں اس قسم کی قسم کو یمین لغو کہتے ہیں جس کے خلاف واقع ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم** تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو صحابہ تیر اندازی کر رہے تھے ایک شخص نے کہا **اصبت و اللہ** یعنی بخدا نشانہ پر مار دیا اور وہ خلاف واقع تھا۔ کسی

نے عرض کیا یارسول اللہ یہ شخص حانث ہوگیا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا یہ یمین لغو ہے اس میں کفارہ نہیں۔ اور ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابراہیم[1] رضی اللہ عنہم یمین لغو کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آدمی جس چیز پر قسم کھاتا ہو اس کے سچ ہونے کا گمان کرے اگرچہ درحقیقت وہ سچا نہ ہو۔ انتہی ملخصاً۔

الحاصل جب یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ممکن نہیں کہ یقین پر مبنی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ وہ یمین لغو شمار کی جائے کیونکہ اس کی تعریف بھی اس یمین پر صادق آرہی ہے اور صحابہ کے اقوال سے ثابت ہوا کہ ایسی قسم خلاف واقع پر بھی ہوا کرتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا دجال ہونا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم ہی سے مشکوک ہوگیا۔

اب ہم ایک دلیل مستند پیش کرتے ہیں جس سے اس کا دجال نہ ہونا ثابت ہوجائے وہ یہ روایت ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اعلان دیا کہ سب حاضر ہوں اس کے بعد حضرت نہایت خوش تبسم فرماتے ہوئے منبر پر تشریف رکھے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کس لئے جمع کیا اس وقت کوئی ترغیب وترہیب مقصود نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تمیم داری جو ایک نصرانی شخص تھے اسلام لائے اور ایک واقعہ ایسا بیان کیا کہ میں نے جو تمہیں دجال کی خبر دی تھی اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری کشتی شدت ہوا کی وجہ سے کسی کنارے پر جا لگی جب ہم اس جزیرے میں گئے تو ایک عجیب شخص سے ملاقات ہوئی ہم نے تو اس کو شیطان

---

[1] لعله ابراهيم بن ابی موسی الاشعری او ابراهيم بن عبدالرحمن عوف الزهری.

واللہ اعلم ۱۲ شریف الدین عفی عنہ

ہی سمجھا تھا مگر اس نے چند باتیں پوچھیں جس کا ہم نے جواب دیا منجملہ اس کے ایک بات یہ تھی کہ نبی امیین کی کیا حالت ہے؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکل کر یثرب میں ٹھہرے ہیں۔ کہا عرب نے ان سے جنگ کیا؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر کیا ہوا؟ ہم نے کہا قریب قریب کے لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ پوچھا ایسا ہوا ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا ان کی اطاعت ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے پھر کہا میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل جائے میں تمام زمین میں پھروں گا مگر مکہ اور طیبہ میں نہ جا سکوں گا حضرت نے فرمایا یہی طیبہ ہے یعنی مدینہ۔ پھر حضرت نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پیشتر ہی میں تم سے یہ کہہ چکا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا درست ہے۔ فرمایا تمیم داری کا یہ واقعہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا کہ جو میں نے تم سے کہا تھا اسی کے موافق ہے پھر فرمایا یہ طیبہ ہے اور وہی دجال ہے انتہی ملخصاً۔

اب دیکھئے کہ جب آنحضرت ﷺ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی خبر کی تصدیق کی اور عمر رضی اللہ عنہ کے تخمین وگمان کی تصدیق نہیں کی تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابن صیاد دجال نہ تھا کیونکہ ایک روایت سے تو اس کا مرنا ہی ثابت ہے اور جو روایت اس کے خلاف ہے اس سے اس کے مفقود ہونے کا زمانہ خلفائے راشدین کے بعد کا ہے بہر حال کسی طرح ابن صیاد وہ دجال نہیں ہو سکتا جس کی خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے دی اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ازالۃ الاوہام میں اس حدیث کا جواب مرزا صاحب اس طور سے دیتے ہیں کہ مسلم شریف میں تمیم داری کی حدیث کے آخر میں یہ ہے **الا انه فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما هو و اومی بیده الی المشرق یعنی من قبل المشرق ما هو** کہا دجال بحر شام میں ہے یا بحر یمن میں نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے

نکلے گا نہیں وہ یعنی وہ نہیں نکلے گا بلکہ اس کا مثل نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

مرزا صاحب نے عبارت مذکورہ حدیث میں کسی غرض سے اختصار کیا ہے پوری عبارت یہ ہے **لا بل من قبل المشرق ماهو من قبل المشرق ماهو واومی بیده الی المشرق.** مرزا صاحب نے **من قبل المشرق ما هو** کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔ ''وہ مشرق کے طرف سے نکلے گا نہیں وہ''۔ اردو جاننے والے معتقد تو مرفوع القلم ہیں ان کے حق میں مرزا صاحب کا قول خود بجائے وحی ہے مگر عربی دان سمجھ سکتے ہیں کہ **من قبل المشرق** کے لفظ سے ''وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا''۔ سمجھنا درست ہے یا نہیں کیونکہ اس جزو جملہ میں کوئی ضمیر نہیں جو دجال کی طرف راجع ہو اور نہ لفظ **یخرج** کہیں مذکور ہے شاید **من** کا متعلق یہ نکالا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ **من** زائدہ ہے جیسا کہ مغنی اللبیب میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے **ان من اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون.**

ماهو کے معنی ''نہیں وہ'' انہوں نے لکھا ہے اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ نکلے گا بلکہ مثیل نکلے گا حالانکہ سیاق کلام سے یہ بالکل مخالف ہے اس لئے کہ مقصود یہاں دجال کا مقام معین کرنا ہے کہ وہ بحر شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اس کے بعد ''نہیں وہ'' کہنے کا کوئی موقع نہیں۔

مرزا صاحب کی تقریر کا ماحصل یہاں یہ ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے دجال کا سارا قصہ سن کر سب صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ اس مضمون کا پڑھا کہ میں نے دجال کا حال جو تم سے کہا تھا تمیم داری کے چشم دید واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ دجال سے مل کر اور اس سے گفتگو کر کے آئے ہیں وہ مشرقی دریا میں ہے وہ نہیں اب غور کیجئے اس قدر اہتمام کے بعد یہ فرمانا کہ وہ نہیں کس قدر حیرت انگیز ہوگا پھر **من قبل المشرق**

ماھو کو تین تین بار دھرا کر فرمانے کا کیا مطلب ہوگا۔ مرزا صاحب اس ماکونافیہ لیتے ہیں اس صورت میں اس جملہ کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ مشرق کی طرف نہیں وہ مشرق کی طرف نہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے کہا تھا کہ وہ مشرق کی طرف ہے جس کا انکار حضرت بکرات ومرات فرمارہے ہیں اور اگر حسب تجویز مرزا صاحب، اس عبارت کے دو جملے قرار دیئے جائیں ایک من قبل المشرق یعنی دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا اور دوسرا ما ھو یعنی وہ نہیں تو حضرت کا تین بار یہ فرمانا کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہیں کس قدر بے موقع ہوگا۔

اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ ان متضاد مضمونوں کے دو جملوں کی تکرار فصاحت سے کیسی اجنبی ہوگی۔ پھر یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت کا مقصود اس سے یہ سمجھا جائے کہ دجال نہ نکلے گا بلکہ ہندوستان سے اس کا مثیل نکلے گا تو صحابہ ضرور یہ پوچھ لیتے کہ تمیم داری رضی اللہ عنہ جس دجال کو دیکھ آئے ہیں اور وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا وہ نہ نکلے گا تو اور کبھی نہ نکلے گا تو اس کے دجال ہونے سے ہمارا کیا نقصان یہ تو بڑی بشارت کی بات ہے کہ جس دجال سے آپ ڈراتے تھے اس سے تو بے فکری ہوگئی غرض کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس عبارت سے وہ مضمون سمجھا جاتا ہے جو مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

یہ سب خرابیاں ماھو کے ماکونافیہ لینے سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ مرزا صاحب کو مثیل دجال ثابت کرنا ہے اس لئے اس تحریف کی ضرورت ہوئی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: **قال القاضی لفظة ماھو زائدة صلة للکلام لیست بنافیة والمراد اثبات انه فی جھات المشرق** انتہی۔ دراصل یہ ما زائدہ وغیر نافیہ ہے جس کی مثالیں مغنی اللبیب میں یہ لکھی ہیں **شتان مازید وعمرو**. اور قول مہلہل **لو بابانین جاء یخطبھا زمل ما انف خاطف بدم** اس صورت میں **بل من قبل**

المشرق ماھو کے معنی یہ ہوئے کہ وہ دریائے شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اور اس جملہ کو مکرر کرنے سے یہ غرض تھی کہ اس کو یاد رکھیں اور یقینی سمجھ لیں کہ دجال ایک شخص معین مشرق کی جانب میں اس وقت زندہ موجود ہے۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت ﷺ تو اس قدر اہتمام اور تاکید سے اس کے شخص معین اور زندہ ہونے کی خبر دیں اور مرزا صاحب اس کی کچھ پرواہ نہ کر کے یہ کہیں کہ دجال کوئی چیز نہیں صرف پادریوں کا نام ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک)

اسی مقام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت ﷺ کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس تمیم داری رضی اللہ عنہ کے دجال کا یقین کیا تھا بلکہ تصدیق اس بات کی پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوگا۔

آپ تمیم داری کی حدیث کا ترجمہ ابھی پڑھ چکے ہیں جس میں یہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے تمیم داری کا پورا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دجال سے ملے اور اس سے سوال وجواب کئے اور دجال نے ان سے کہا کہ میں مسیح دجال ہوں اور قریب میں مجھے نکلنے کی اجازت ملنے والی ہے پھر حضرت نے اس کی تصدیق کی کہ وہی دجال تھا چنانچہ لفظ **و ذلک الدجال** صراحۃً موجود ہے باوجود اس کے مرزا صاحب کس ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اس پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی حضرت کے زبان سے نہیں نکلے اس کا کیا علاج۔ اگر کسی کو ہمارے بیان میں شبہ ہو تو مسلم شریف میں دیکھ لے کہ وہ سب قصہ اور لفظ **و ذلک الدجال** اس میں موجود ہے یا نہیں۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی موجود ہے کہ تمیم داری کا دیکھا ہوا واقعہ بیان کر کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا **الا ھل کنت حدثتکم ذلک فقال الناس نعم فانہ**

اعجبنی حدیث تمیم انه وافق الذی کنت احدثکم عنه ماحصل اس کا یہ ہے کہ سب صحابہ سے حضرت نے پوچھا کہ کیوں دجال کی خبر میں نے تمہیں پیشتر دی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں پھر فرمایا کہ تمیم داری کا چشم دید واقعہ مجھے اچھا معلوم ہوا جس سے میری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو تم سے اکثر کہا کرتا تھا۔ اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے واقعہ تمیم داری کی تصدیق کی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے پیشتر بھی خبر دی تھی کہ دجال ایک شخص معین ہے اور کسی جزیرہ میں مقید ہے اور معین وقت پر نکلے گا جس کی تصدیق تمیم داری کے واقعہ سے ہوئی اور چونکہ اس خبر کا ثبوت مشاہدہ سے ہو گیا اس وجہ سے آنحضرت ﷺ کو کمال درجہ کی فرحت ہوئی اور نہایت خوشی سے مسکراتے ہوئے برسر منبر بیان فرمایا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور آخر میں لفظ **اعجبنی** سے اس کی تصریح بھی کی مگر افسوس ہے کہ جس چیز سے آنحضرت ﷺ کو خوشی ہوئی تھی مرزا صاحب پر سخت صدمہ ہے۔ غرض مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت نے تمیم داری کی تصدیق نہیں کی کس قدر حیرت انگیز ہے اور جرأت قابل غور ہے کہ مسلم شریف جیسی مشہور ومعروف کتاب میں ایسے تصرفات کرتے ہیں اور جو جی چاہتا ہے خلاف واقع لکھ دیتے ہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ اہل علم اس کو کیا سمجھیں گے۔ تو اس پر قیاس کرنا چاہیے کہ الہامات اور خواب جو لکھا کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جو اخبار و حکایات بیان کردہ کی تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضرور نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق وحی کی رو سے ہو بلکہ محض مخبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے انبیاء لوازم بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے حضرت نے اس کی تصدیق کی کیونکہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اس قصہ کے بیان کرنے کے وقت مسلمان ہو چکا تھا اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کے نظر سے دیکھا

جائے انتہی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ تصدیق فرمانا اعتبار کے قابل نہیں بلکہ وہ عقلی طور پر ہونے کی وجہ سے اس میں غلطی ہوگئی اور ثبوت غلطی کا اس طور سے ہوا کہ مرزا صاحب کی جانچ میں سوائے پادریوں کے اور کوئی دجال نہیں اس دعویٰ اور دلیل کی تصدیق سوائے مرزا صاحب پر ایمان لانے والوں کے دوسرا کوئی مسلمان نہیں کرسکتا بلکہ اہل ایمان کے پاس ایسا خیال کفر سے کم نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہ تصدیق وحی کی رو سے نہ تھی۔ معلوم نہیں مرزا صاحب نے اس کا ایک طرفہ قطعی فیصلہ کس طرح کرڈالا۔ ہم اہل اسلام کو تو حق تعالیٰ نے حکم قطعی کردیا ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ فرمادیں اس کو مان لیں کسی کو چوں وچرا کی مجال نہیں کہ حضرت نے یوں ہی عقل سے یہ فرمادیا کوئی وحی بھی آئی تھی اور وحی آئی تھی تو کس کے روبرو دو گواہ بھی اس وقت موجود تھے یا نہیں اور اگر موجود تھے تو انہوں نے جبرئیل کو وحی سناتے وقت دیکھا اور پہچانا بھی تھا یا قرائن سے کہہ دیا اور قرائن قطعی تھے یا ظنی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وما اتاکم الرسول فخذوہ** اور فرماتا ہے **وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی** یعنی کوئی بات حضرت اپنی خواہش سے نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں صرف وحی سے فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کو نہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر اعتبار آتا ہے، نہ خود حضرت کا اعتبار ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تصدیق جو حضرت نے کی تھی صرف تمیم داری کے اعتبار پر تھی۔ تہذیبی پیرایہ میں انہوں نے اس مقدمہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کردیا کہ اپنی رائے سے جھوٹی خبر کی تصدیق حضرت نے کردی (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمیم مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے وہ اس لائق تھا کہ اس کا بیان عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ باوجودیکہ حضرت نے ان کو قابل اعتبار سمجھا مگر

انہوں نے جھوٹ کہنے میں کمی نہ کی پھر جھوٹ بھی کیسا کہ افضل الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے روبرو جس کو حضرت نے منبر پر چڑھ کر ایک مجمع کثیر صحابہ کے روبرو کمال بشاشت سے بیان فرمایا۔

اب اہل ایمان غور کریں کہ کیا کوئی مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جھوٹی خبر بیان کرنے کے لئے صحابہ کو فراہم کریں اور منبر پر چڑھ کر وہ خبر بیان فرمادیں پھر اتنے بڑے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت کو اطلاع نہ ہو کہ وہ خبر دراصل جھوٹی تھی اور اس کی غلطی نکالنے کا موقع ایک پنجابی کے ہاتھ آئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ امور کی اطلاع بذریعہ وحی یا الہام حضرت کو ہو جایا کرتی تھی ایسا بڑا واقعہ جس سے مرزا صاحب اور ان کے اتباع کی نظر میں حضرت (نعوذ باللہ) بے اعتبار ہوئے جاتے ہیں اس کی اطلاع حضرت کو کسی طرح نہ ہوئی کیونکہ اگر اطلاع ہوتی تو حضرت ضرور فرمادیتے کہ تمیم داری نے جو خبر دی تھی جھوٹ ثابت ہوئی۔ اس مقام میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ زمانہ کا مقتضیٰ ہے کہ ایسے خیالات کے لوگ بھی مقتدیٰ بنائے جاتے ہیں **اللّٰھم انا نعوذبک من فتنۃ المحیا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال**۔ اب اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا صاحب کا یہ قول کہ دجال معہود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ظاہر ہو گیا اور مر بھی گیا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ خود مرزا صاحب ہی کا استدلال احادیث ابن صیاد سے ان کے دعویٰ کو مضر اور ہمارے لئے مفید ہے اس وجہ سے کہ احادیث ابن صیاد سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ صحابہ دجال کو ایک معین شخص سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق بھی کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نے کسی قوم کا نام دجال نہیں رکھا جیسا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ دجال گروہ پادریان کا نام ہے بلکہ گویا حضرت نے یہ فرمادیا کہ وہ ایک شخص ہوگا جیسا کہ تم سمجھتے ہو اس لئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ابن صیاد کو دجال قرار دے کر اس کو قتل کرنا چاہا تو جس صورت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کا نام ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو ان کی غلط فہمی کی اصلاح آنحضرت ﷺ فرما دیتے اور یہ ارشاد ہوتا کہ دجال ایک شخص نہیں جس کو تم مارنا چاہتے ہو وہ تو ایک جماعت ہوگی جو آخر زمانے میں پیدا ہوگی۔ کسی ادنیٰ شخص کے کلام کے معنی اس کی مراد کے خلاف بیان کئے جائیں تو وہ اپنی مراد ظاہر کر کے اس غلط فہمی کی اصلاح کر دیتا ہے شارع کو بطریق اولیٰ ضرور ہے کہ اپنی مراد بیان کر کے غلط فہمی سے اپنی امت کو بچالیں۔ شاید مرزا صاحب تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اعتراض کریں گے کہ بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص خواہ آدمی ہو یا جانور آنحضرت ﷺ کے بعد سو برس زندہ نہ رہا وہ حدیث یہ ہے ان **عبداللہ بن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما **قال صلی لنا رسول اللہ** ﷺ **العشاء فی اخر حیاتہ فلما سلم قام فقال ارأیتکم لیلتکم ھذہ فان رأس مائۃ سنۃ من لایبقی ممن ھو علی ظھر الارض احد** (رواہ البخاری) پھر تمیم داری رضی اللہ عنہ نے جس دجال کی خبر دی ہے وہ آخری زمانے میں کیونکر نکل سکتا ہے۔

اس کے جواب کے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انتقال کے قریب جو یہ ارشاد فرمایا ہے اس کا منشا کیا ہوگا یہ تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی وصیت ہے جس پر عمل کرنا مطلوب ہو، نہ کوئی ایسی چیز ہے جو ذات الٰہی یا امور اخروی سے متعلق ہو کیونکہ **الیوم اکملت لکم دینکم** سے صاف ظاہر ہے کہ دینی اعتقادات سے متعلق کل امور کو حضرت نے بیان کر کے دین کا تکملہ فرما دیا سو برس کے اندر تمام آدمیوں اور جانوروں کا مر جانا ایسا کوئی ایسی بات نہیں جس کو حضرت دینی امر تصور فرمائے ہوں۔ اور وہ علامات قیامت میں بھی نہیں ورنہ تصریح فرما دیتے جیسے دوسرے علامات میں موجود ہے پھر ایک غیبی بات کی خبر دینا وہ بھی عشاء کے بعد جس وقت خاص خاص حضرات حاضر رہتے تھے اس میں

کوئی خاص غرض ضرور تھی۔

قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب **الیوم اکملت لکم دینکم** اور سورۃ **اذاجاء نصر اللہ** سے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوگیا کہ اب اس عالم میں آپ کے تشریف فرما رہنے کی ضرورت نہ رہی ادھر سے جذبات اور ادھر سے عشق واشتیاق بڑھنے لگے تو آپ نے سفر آخرت کا ارادہ مصمم فرمالیا مگر اس کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ شیفتگان جمال نبوی کا اس مفارقت سے کیا حال ہوگا کیونکہ ان کی دل بستگی اور شیفتگی کو حضرت ﷺ جانتے تھے کہ یہ صدمہ ان کی حالت کو خطرناک بنادے گا ان کی زبان حال بآواز بلند کہہ رہی تھی۔

از فراق تلخ میگوئی سخن ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن

صحابہ تو صحابہ ہی تھے استن حنانہ جو ایک چوب خشک تھا حضرت کی مفارقت سے روتے روتے بیخود ہوگیا تھا جس کا حال بخاری شریف میں موجود ہے۔ حضرت کی سواری مبارک کا گدھا جس کا نام یعفور تھا اس پر اس مفارقت کا یہ صدمہ ہوا کہ بمجرد وفات شریف کے کمال بے تابی سے کنویں میں گر کر جان دے دی اور ناقہ سواری خاص کو اس غم نے ایسا مدہوش بنادیا کہ کھانا پینا چھوڑ کر اسی صدمہ سے مرگئی یہ روایتیں مواہب اللدنیہ وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ اب اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب اونٹ اور گدھے اور چوب خشک کا مفارقت جان عالم ﷺ میں یہ حال ہو تو ان حضرات کا کیا حال ہوگا جو پروانہ وار شمع جمال پر جان دینے کو ہر وقت مستعد تھے انہیں ایام میں آنحضرت ﷺ نے تذکرہ فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ نے اختیار دیا کہ چاہے دنیا کی نعمت اور آسائش اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ کے پاس ہے اس بندے نے وہی اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے یہ سنتے ہی بعض صحابہ روتے روتے بیخود ہوگئے اور بآواز بلند کہنے لگے کہ ہم اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کرتے ہیں۔ (رواہ البخاری) حالانکہ صراحۃً اس میں کوئی بات نہیں مگر صرف خیال نے یہ اثر پیدا کردیا۔

ہر چند صحابہ جانتے تھے کہ اس مفارقت کا زمانہ چالیس پچاس برس سے زیادہ نہ ہوگا کیونکہ جب ارشاد سراپا ارشاد سے معلوم ہوگیا تھا کہ اکثر لوگوں کی عمر ستر سال سے کم ہی رہے گی مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ بعضوں کی عمر اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے پھر خدا جانے وہ کون ہوگا اور اس زیادتی کی نوبت کہاں تک پہنچے گی۔ اگر بالفرض مثل امم سابقہ سینکڑوں کی نوبت پہنچ جائے جیسے قرآن شریف سے ہزار سال کی عمر بعض حضرات کی ثابت ہے تو اس مفارقت میں بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اور معلوم نہیں یہ فراق کیا رنگ لائے اس خیال کے دفع کرنے کے لئے حضرت نے اس خاص وقت میں فرمادیا کہ آج کی رات یاد رکھو کہ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کی عمر ہوگی تو اس وقت سے سو برس سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔ الغرض اس سے صحابہ کی تسکین مقصود تھی اور یہ بیان کرنا تھا کہ ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس پر قرینہ بینہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنے انتقال کے قریب یہ خبر دی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مشرق و مغرب اور یورپ و ایشیا کے سب لوگ مر جائیں گے اور قیامت قائم ہوجائے گی۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ کی اس حدیث میں تخصیص نہیں بلکہ عام ارشاد ہے کہ جو کوئی اس رات میں روئے زمین پر موجود ہے ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا ایسے عام لفظ کو صحابہ کے ساتھ خاص کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ **مامن عام الاوقد خص منه البعض** یعنی کوئی عام ایسا نہیں جس کی تخصیص نہ ہوئی ہو اور اس کے کئی شواہد و نظائر قرآن شریف میں موجود ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے قولہ تعالیٰ **انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون فی الارض فسادا ان يقتلوا اويصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف اوينفوا من الارض**۔ یعنی جو لوگ اللہ و رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی جزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ

پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے نکال دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ زندوں کو کل روئے زمین سے نکال دینا ممکن نہیں اس لئے **الارض** کی تخصیص ضروری ہے اور اس سے وہی زمین مراد ہے جہاں وہ رہتے ہیں۔ اسی طرح **علی ظهر الارض** جو اس حدیث شریف میں ہے اس سے بھی کل روئے زمین مراد نہ ہوگی بلکہ وہی زمین مراد ہوگی جہاں صحابہ رہتے تھے اور اگر تعمیم کی جائے اس طور پر کہ اس رات کے موجودہ کل آدمی مرجائیں گے تو اول تو اس سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ نہ وہ قیامت کی خبر ہے، نہ صحابہ کا اس سے کوئی نفع وضرر۔

اور قطع نظر اس کے یہ تعمیم کسی طرح بن بھی نہیں سکتی اس لئے کہ ظاہر الفاظ سے یہی مستفاد ہے کہ اس رات سے سو برس تک جتنے لوگ روئے زمین پر ہونگے سب مرجائیں گے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس رات والوں کی تخصیص سمجھی جائے اگر یہی مقصود تھا تو **من علی ظهر الارض الليلة** ارشاد فرماتے اور اگر **الليلة** کا لفظ ہم اپنے طرف سے بڑھائیں تو جب بھی تخصیص ہی ہوئی بہرحال کسی نہ کسی طرح سے اس حدیث میں تخصیص کرنے کی ضرورت ہے ورنہ عام رکھا جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ کہنا پڑے گا کہ سو برس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ کوئی باقی نہ رہے گا حالانکہ یہ باطل ہے فرق یہ ہے کہ ہم لفظ **احد** کو **منکم** کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور معترض **علی ظهر الارض** کو **الليلة** کے ساتھ۔

اب ہمارے اور معترض کی توجیہات کے نتائج کو دیکھئے ہماری توجیہ میں ایک مہتم بالشان فائدہ ہے اور معترض کی توجیہ میں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

ایک جماعت کثیرہ اولیاء اللہ کی مثل حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اپنے مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں کہ ہم نے خضر علیہ السلام کو بچشم خود دیکھا ہے اور ان سے فیضیاب ہوئے معترض کی توجیہ پر سب کی تکذیب ہو جائے گی اور ہماری توجیہ پر ان کی تصدیق ہوتی

ہے۔

اور ہماری توجیہ پر بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں تعارض نہیں رہتا جس سے حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بھی بحال خود صحیح رہتی ہے بخلاف معترض کی توجیہ کے کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ٹھہرانے کی ضرورت ہوگی اگر کہا جائے کہ بخاری بہ نسبت مسلم کے زیادہ معتبر ہے اس لئے تعارض کے وقت بخاری کی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں ترجیح دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے تمیم داری کی تصدیق نہیں کی جس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلم کی حدیث موضوع ہے اس قسم کی ترجیح اس اجماع کو باطل کرتی ہے جو مسلم شریف کے صحیح ہونے پر ہوا ہے اور ہماری توجیہ پر دونوں حدیثیں صحیح رہتی ہیں۔ غرض ہم نے بخاری شریف کی حدیث کی تخصیص کی ہے وہ بہ نسبت اس تخصیص کے جو معترض نے کی ہے کئی طرح سے مفید ثابت ہے۔

الحاصل حدیث تمیم داری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ابن صیاد دجال معہود نہ تھا اور مرزا صاحب ابن صیاد کو دجال قرار دے کر دجال شخصی کی بلا اپنے سر سے ٹالنا چاہتے ہیں وہ ٹل نہیں سکتی یعنی جب تک ایک معین شخص دجال نہ بتائیں جس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ان کی عیسویت ثابت نہیں ہوسکتی۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ اس بحث کی دو ٹانگیں تھیں ایک مسیح ابن مریم کا آخری زمانہ میں اترنا دوسری ٹانگ دجال معہود کا آخری زمانے میں ظاہر ہونا سو یہ دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔

ناظرین تقریر بالا سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مرزا صاحب کی عیسویت کی تین ٹانگیں تھیں ایک ابن صیاد کا دجال موعود ہونا جو گذر چکا، دوسری ٹانگ پادریوں کا دجال ہونا، تیسری مسلمانوں میں صفات یہودیت آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہونا۔ سو یہ تینوں ٹانگیں بفضلہ تعالیٰ ٹوٹ گئیں۔ جب یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتی کہ

مسلمانوں میں یہود کے صفات آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہوگی بلکہ صدہا حدیثوں سے اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کے نکلنے کے بعد اس کے قتل کے لئے اتریں گے۔ اور پادریوں کو جو مرزا صاحب نے دجال قرار دیا اس کا خلاف واقع ہونا اور ابن صیاد کا دجال موعود نہ ہونا ثابت ہوگیا تو اب وہ عیسیٰ موعود تو نہیں ہو سکتے ہاں جیسے عیسیٰ خان اور موسیٰ خان نام ہوتے ہیں تبرکاً اگر یہ نام اختیار کیا ہے تو ہمیں اس میں کلام نہیں مگر اس کے لئے یہ دعویٰ ضرورت سے زیادہ ہے کہ دم عیسوی سے وہ دجال یعنی پادریوں کو قتل کر رہے ہیں اگر یہ دعویٰ بھی صحیح ہوتا تو جب بھی مضائقہ نہ تھا مسلمان لوگ اس خوشی میں کہ ہمارا دشمن تو ہلاک ہوگیا اغماض کر جاتے یہاں تو پادریوں اور ان کی دجالیت کی ترقی روز افزوں ہو رہی ہے جس کے خود مولوی صاحب شاکی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کرستان بنائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب جو دعویٰ عیسویت کرتے ہیں اس کی بنا احادیث پر ہے کیونکہ بقول مرزا صاحب قرآن سے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت نہیں پھر جن احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے ان میں یہ بھی مصرح ہے کہ وہ اترتے ہی دجال کو مار ڈالیں گے اور ہمیں معلوم ہے کہ مرزا صاحب بیس سال سے پہلے کادیان میں اتر کے دعویٰ عیسویت کر رہے ہیں اور اب تک ان کا دجال مرا نہیں تو ان کا دعویٰ انہیں کی دلیل سے باطل ہوگیا کیونکہ عیسیٰ کو دجال کا مار ڈالنا لازم ہے اور یہ لزوم انہیں احادیث سے ثابت ہے۔ جن پر مرزا صاحب کا استدلال ہے اس صورت میں بحسب قاعدہ عقلیہ مسلّمہ انتفائے لازم سے انتفاء ملزوم ضروری ہے۔ یعنی پادریوں کے معدوم نہ ہونے سے مرزا صاحب کا عیسیٰ نہ ہونا انہیں دلائل سے ثابت ہوا جن پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں۔

یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب تو دجال یعنی پادریوں کو مار ہی ڈال

رہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ وہ مرتا نہیں۔ واقعی اس مجبوری کا علاج نہیں بجز اس کے کہ اس دشمن قوی کے ہلاک ہونے کی دعا کی جائے چنانچہ ہم بھی دعا گو ہیں اور بصدق دل چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اس دجال پر فتح نصیب ہو اگرچہ قرائن بینہ اور وجدان گواہی دیتے ہیں کہ اس دعا کا اثر مرزا صاحب کی زندگی میں ظاہر ہونا ممکن نہیں۔ خیر یہ دعا تو ہوتی رہے گی ہم بھی کرتے ہیں مرزا صاحب بھی کرتے ہوں گے مگر کلام عیسویت میں ہے کہ پھونکتے پھونکتے عیسیٰ کا ناک میں دم آئے اور دم عیسوی ہوا اور برباد ہو جائے اور دشمن کو اس سے کچھ جنبش نہ ہو بلکہ اور اشتعال زیادہ ہو ایسے عیسیٰ سے تو بیمار بھی بھلا جس کی حالت کو دیکھ کر دلوں پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کو اس کا اضطراب چارہ جوئی پر مجبور کرتا ہے۔ کاش مرزا صاحب وہ درد جو ازالۃ الاوہام کے آخر میں ظاہر کرتے ہیں کہ

ابن مریم ہوا کرے کوئی　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

قوم کی روبرو پیش کر کے اپنی سچی حالت کا ثبوت دیتے تو طیبان قوم ایسے قسی القلب نہ تھے کہ اس طرف کچھ توجہ نہ کرے مگر افسوس ہے کہ طبیعت مرزائی نے ذلت کو گوارہ نہ کر کے ایسے راست بازی کے طریقے سے روکا جو مستحکم اور قوی الاثر تھا۔

ازالۃ الاوہام میں مرزا صاحب مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں دجال کی سرعت سیر اور پانی برسانا کھیتی اگانا اور احیائے موتی وغیرہ امور کا ذکر ہے نقل کر کے بیان کرتے ہیں کہ اگر ظاہر معنوں پر اس کو حمل کریں تو اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی وہ کن سے سب کچھ کرے گا سوچنا چاہیے کہ یہ سب کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے انہوں نے (یعنی علماء نے) ایک طوفان شرک برپا کر دیا انتہی ملخصاً۔

معلوم نہیں مرزا صاحب اس اعتقاد کو کس لحاظ سے شرک ٹھہراتے ہیں اکابر علماء

نے جنہوں نے اس حدیث کو صحیح مان لیا ہے جس کی بنا پر تمام اہل اسلام کا اعتقاد اس پر جما ہوا ہے ان تک تو شرک کی ہوا بھی نہیں آسکتی کیونکہ انہوں نے قرآن شریف اول سے آخر تک پڑھا ہے اور ہر آیت ان کے پیش نظر تھی وہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے **کما قال تعالیٰ وھو علی کل شیٔ قدیر** وہی پیدا کرتا ہے۔ وہی مارتا ہے اس کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں **قال تعالیٰ وھوالذی یحیی و یمیت** وہی رزق دینے والا ہے۔ **وھوالرزاق** وقولہ تعالیٰ **نحن نرزقکم وایاھم** پانی برسانا اسی کا کام ہے **وھو الذی ینزل من السماء ماء** کھیتی کا اُگانا اس کا کام ہے **وھو الذی انزل من السماء ماء فاحیا بہ الارض** گمراہ کرنے کے واسطے وہی شیاطین کو بھیجتا ہے **انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازاً** گمراہ کرنے والوں کو ہر جگہ وہی مقرر فرماتا ہے **وکذٰلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا لیمکروا فیھا** بعضوں کو خاص فتنوں کے لئے قرار دیتا ہے **وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ** جیسا کہ وہ آدمیوں کو پیدا کرتا ہے ان کے کاموں کو بھی پیدا کرتا ہے **واللہ خلقکم وما تعملون** ہدایت وگمراہی کے اسباب وہی پیدا کرتا ہے **یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیرا** کاموں کی نسبت جو بندوں کی طرف ہے مجازی ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے افعال ہیں **فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** اگرچہ ہدایت انبیاء کے طرف منسوب ہے **کما قال تعالیٰ وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق** لیکن درحقیقت وہ اللہ ہی کا کام ہے **انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشآء** اور برے کاموں کی رغبت اگرچہ شیطان دلاتا ہے **کما قال تعالیٰ وزین لھم الشیطان اعمالھم** مگر درحقیقت وہ بھی اللہ ہی کا کام ہے **وزین لھم اعمالھم فھم یعمھون** جب تک خدا تعالیٰ کی مشیت کسی کام سے متعلق نہیں ہوتی کسی کا خیال اس طرف

متوجہ نہیں ہوسکتا وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العلمین فتح وشکست اسی کے ہاتھ ہے جس کو چاہتا ہے زمین کا مالک بنا دیتا ہے ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ وقولہ تعالیٰ ومکّنّٰھم فی الارض مالم نمکن لکم ہدایت والوں کو دونوں کو اور گمراہی والوں کو دونوں کو وہی مدد دیتا ہے کلا نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربک اس کی مصلحت میں کسی کو دخل نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون انبیاء کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور شیطان اور آدمیوں کو ان کا دشمن بنا دیتا ہے جن سے ان کو سخت مصیبتیں پہنچتی ہیں وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما فعلوہ مگر ان کے دلوں کو ثابت رکھتا ہے ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئا قلیلا جن کی گمراہی مقصود ہے ان کو انبیاء وغیرہم کتنا ہی سمجھائیں اور کیسے ہی دلائل بتائیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا، ختم اللہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ، ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لایفقھون بھا ولھم اعین لایبصرون بھا ولھم اذان لایسمعون بھا وہ مالک ومختار ہے اپنے مخلوق میں جو چاہے کرے کسی کو مجال نہیں کہ اس سے پوچھ سکے لایسئل عمایفعل وھم یسئلون۔

غرض نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں خواہ خیر ہوں یا شر معمولی ہوں یا غیر معمولی یعنی خوارق عادات سب کو حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے شیطان ہو یا دجال اپنی خودمختاری سے کچھ نہیں کرسکتا جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے ازل ہی میں سب کام معین اور تقسیم ہو چکے ہیں کہ فلاں کام فلاں شخص فلاں وقت میں کرے گا۔ وعندہ ام

الکتاب وقال النبی ﷺ جف القلم بماھو کائن. ازل میں حق تعالیٰ ہی مقرر فرما چکا ہے کہ دجال اس قسم کے فتنے برپا کرے جس کی خبر جمیع انبیاء نے پہلے سے دی ہے۔
چونکہ مشیت الٰہی مقتضی ہے کہ اس کی وجہ سے سوائے چند اہل ایمان کے کل گمراہ ہوجائیں اور قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہو کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے اولاً دجال کو ان تمام فتنہ پردازیوں اور دعویٰ الوہیت کا الہام ہوگا۔ آپ حضرات شاید لفظ الہام پر برافروختہ ہوئے ہوں گے کہ دعویٰ الوہیت کو الہام سے کیا نسبت تو اس کا جواب اجمالاً سن لیجئے کہ جھوٹے خواہ دعویٰ نبوت کا کریں یا الوہیت کا جب تک الہام نہیں ہوتا نہیں کر سکتے ہر اچھے اور برے کام کیلئے الہام ہوا کرتا ہے **ونفس وما سواھا o فالھمھا فجورھا وتقوٰھا o** غرض جب وہ بحسب الہام ضلالت دعویٰ الوہیت کرے گا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو مدد ملے گی۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور چند لوازم الوہیت مثلاً پانی کا برسانا زمین شور سے زراعت کا اگانا مُردوں کو زندہ کرنا اس سے ظہور میں آئیں گے اور جس طرح عادت اللہ جاری ہے کہ کلمہ کن سے ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اسی طرح یہ سب چیزیں خاص اللہ تعالیٰ ہی کے امر کن سے وجود میں آئیں گی دجال کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں مگر چونکہ دجال کے دعویٰ کے بعد ان امور کا ظہور ہوگا اس لئے ظاہر میں بے ایمان یہی سمجھیں گے کہ وہ سب اپنے حکم سے ہوئے جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور کن سے وہ سب کچھ کرے گا۔ اور جس طرح بنی اسرائیل نے گوسالہ میں غیر معمولی بات دیکھ کر اس کو معبود بنالیا تھا اسی طرح ان خوارق عادات کی وجہ سے دجال کو معبود خالق رازق محیی ممیت سمجھ لیں گے کیوں کہ قرآن پر تو ان کا اعتقاد ہی نہ ہوگا اور جن کا اعتقاد قرآن پر ہوگا وہ صاف کہہ دیں گے کہ تو دجال جھوٹا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مرزا صاحب جو

لکھتے ہیں کہ دجال کو چنان وچنین سمجھنا شرک ہے فی الواقع صحیح ہے جولوگ اس کورزاق محیی وغیرہ سمجھیں گے وہ بیشک مشرک ہوں گے مگر احادیث صحیحہ پروہ جو الزام لگاتے ہیں کہ ان میں شرک بھرا ہوا ہے اس الزام سے وہ احادیث مبرا ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اولاً توحید افعالی کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ فرمادیا اور جن آیات میں اس کا ذکر ہے باعلان شائع کرکے سب کو ان کا عامل بنادیا جس سے ہر اہل ایمان سمجھ سکتا ہے دجال نہ رازق ہوسکتا ہے، نہ محیی، نہ ممیت۔ اب اگر کوئی شخص قرآن نہ پڑھا ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور تعلیم نبوی سے ناواقف ہو تو وہ بیشک اس حدیث شریف کو اعتراض کی نظر سے دیکھے گا مگر ایسا بے علم یا منکر شخص قابل التفات نہیں کلام ان علماء کے اعتقاد میں ہے جن کے پیش نظر یہ سب آیات اور تعلیم نبوی تھے کیا یہ حضرات اور پورے قرآن پر کامل ایمان رکھنے والے بھی اس شرک کے قائل ہوں گے جس میں مرزا صاحب گرفتار ہیں؟ ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب کو مجددیت بلکہ مہدویت بلکہ عیسویت کا دعویٰ ہے اور یہ کل امور ایسے ہیں جن کا مدار ایمان پر ہے ان کی اس تقریر سے تو یہ مقولہ پیش نظر ہو جاتا ہے کہ **پیرما همه دارد ایمان ندارد** کیونکہ اگر ان کو ان آیات پر ایمان ہوتا تو وہ دجال کی الوہیت لازم آنے کے قائل نہ ہوتے اور جب وہ اس کے قائل ہیں تو لازم آتا ہے کہ سامری کی قدرت خدائی پر ان کو ایمان ہوگا اور مان لیا ہوگا کہ مثل حق تعالیٰ کے کن کہہ کر گوسالہ کو اسی نے سے بنی اسرائیل کا معبود بنادیا جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے **فاضلهم السامری** اور **فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالوا هذا الهكم واله موسیٰ فنسی** کیوں کہ سونے اور چاندی سے ایسا بچھڑا بنانا جو زندہ اور آواز کرتا ہو کوئی معمولی بات نہیں ورنہ ایک خلق کثیر اس کی الوہیت کی کیوں کر قائل ہوتی اگر وہ معمولی بات ہوتی تو حق تعالیٰ ان کی حماقت کے بیان میں فرماتا کہ وہ گوسالہ کوئی غیر معمولی نہ تھا جس کی الوہیت

کے وہ قائل ہو گئے تھے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع وضرر کا مالک تھا کما قال تعالٰی **افلا یرون الا یرجع الیھم قولا ولا یملک لھم ضرا ولا نفعا** اب اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ جن حدیثوں میں دجال کے خوارق عادات مذکور ہیں ان احادیث پر ایمان لانے کی وجہ سے صحابہ اور محدثین اور کل امت مرحومہ پر الزام شرک عائد ہو سکتا ہے یا اس اعتقاد کی وجہ سے مرزا صاحب پر ؂

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ   زندازرہ نیاز بدار السلام رفت

حق تعالٰی اہل ایمان کو سمجھ عطا فرمائے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ مرزا صاحب ایک استدلال یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ عیسٰی ابن مریم اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے انتہی ملخصا۔ اور لکھتے ہیں جو کچھ دمشقی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار اس حدیث میں درج ہیں اور پیغمبر ﷺ نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ میرا مکاشفہ ہے یا ایک خواب ہے اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک خواب ہے جیسا کہ اس میں یہ اشارہ بھی کانَّ کا لفظ بیان کر کے کیا گیا ہے۔

دمشق والی حدیث جس کا حوالہ مرزا صاحب دیتے ہیں اس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر وہ میرے زمانہ میں نکلے گا تو میں خود اس کا مقابلہ کرلوں گا۔ اور اگر میں نہ رہوں تو ہر شخص اپنے طور پر حجت قائم کرلے (اس کی علامتیں یہ ہیں) وہ جواب ہوگا اس کے بال مڑے ہوئے ہوں گے اور ایک آنکھ اس کی پھولی ہوئی ہوگی وہ عبدالعزیٰ بن قطن کے مشابہ ہوگا۔ انتہی ملخصا۔

مرزا صاحب اس حدیث کے ساتھ طواف والی حدیث کو جوڑ لگاتے ہیں اس غرض سے کہ جیسے طواف کی تعبیر ضروری ہے ویسے ہی دجال کی تاویل ضروری ہے اسی وجہ سے دجال سے گروہ پادریان مراد ہے اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں مکاشفات بھی مثل خواب قابل تعبیر ہیں لفظ کاَنَّ سے اس طرف اشارہ ہے۔ مرزا صاحب یہاں ایک نیا قاعدہ ایجاد کررہے ہیں کہ کاَنَّ سے خواب کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے حالانکہ یہ نص قطعی کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلما جآءت قیل اهکذا عرشک قالت کانه هو** ظاہر ہے کہ بلقیس کا یہ قول خواب میں نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ کانّ تشبیہ کیلئے ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ دجال کو ایسے طور پر معین و مشخص فرمادیں کہ امت کو اس کے پہچاننے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے تاکہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں اس لئے اولاً اس کے تمام حالات وخوارق عادات بیان کر دیئے پھر اس کا حلیہ بیان فرمادیا اس پر بھی اکتفانہ کرکے ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کو مشخص فرمادیا جس کو لوگ پہچانتے تھے تاکہ لوگ معلوم رکھیں کہ وہ کیسے ہی دعویٰ کرے مگر دراصل وہ ایک آدمی ہوگا مشابہ عبدالعزیٰ کے چنانچہ ایک موقع میں صراحۃً فرمادیا کہ میں اس کی وہ علامتیں تمہیں بتلاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

اہل انصاف خود غور فرمالیں کہ اس تشبیہ سے آنحضرت ﷺ کو دجال کی تعیین وتشخیص مقصود تھی یا الہام جب لفظ کانّ سے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ قابل تعبیر ہے تو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق تعبیر اور تاویل کرے گا کیونکہ حضرت نے اس کی تعبیر کچھ بیان ہی نہیں فرمائی اس صورت میں حضرت کا وہ تمام اہتمام جو اس کی تعین کے باب میں فرمایا سب بیکار ہوجائے گا عقلاً وعادۃً یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی غائب کو معین کرکے بتلادینا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اس کے احوال مختصہ بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے اور

چونکہ حلیہ میں بھی مفاہیم کلیہ ہوتے ہیں جس سے تعین شخصی نہیں ہوتی اس لئے اس کے مشابہ کوئی ہو تو اس کو دکھلا کر کہا جاتا ہے کہ وہ غائب اس کے مشابہ ہے آنحضرت ﷺ نے بھی دجال کی تعیین وتشخیص کے بارے میں یہ تینوں مدارج طے فرمادیئے کنز العمال دیکھ لیجئے کہ ان تینوں قسم سے متعلق احادیث بکثرت موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب کو ضد ہے کہ آنحضرت ﷺ کتنا ہی اس کو مشخص فرمادیں وہ مشخص ہونے نہیں دیتے بلکہ اس کوشش میں ہیں کہ جہاں تک ہوسکے ابہام بڑھایا جائے۔

گورنمنٹ کی مخالفت کے خیال کو جو عیسیٰ بننے میں پیدا ہوتا تھا کس اہتمام سے مرزا صاحب نے دفع کیا چنانچہ کشف الغطا میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے عربی فارسی اردو کتابیں لکھ کر عرب، شام، کابل، بخارا وغیرہ کے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی اور معقول وجوں سے ان کو اس طرف جھکا دیا کہ گورنمنٹ کی اطاعت بہ دل وجان اختیار کریں۔ دیکھئے ان تمامی اسلامی بلاد کے مسلمانوں کو مرزا صاحب نے جو بار بار تاکید کی کہ ان اسلامی شہروں کو سلطنت اسلامی سے خارج کر کے نصاریٰ کے قبضہ میں دے دیں اور وہ اس طرف مائل بھی ہوگئے اس میں کس قدر مرزا صاحب کا روپیہ صرف ہوا ہوگا مگر اس کی کچھ پروانہ کی اور یہ سب کچھ رفع الزام مخالفت گورنمنٹ میں گوارا کیا مگر افسوس ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ضد اور مخالفت اعلانیہ کررہے ہیں اور اس کی کچھ پروانہیں اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ اس قسم کی مخالفتوں پر دین کا مدار سمجھا جارہا ہے۔

مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ کو اپنے مکاشفہ پر قیاس کر کے اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس مکاشفہ سے کشف وظہور نہیں ہوسکتا بلکہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یعنی مکاشفہ میں جو چیز دیکھی جاتی ہے درحقیقت وہ چیز نہیں ہوتی جیسے خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس سے مراد مثلاً علم ہے دودھ نہیں

اسی وجہ سے خواب دیکھنے والے پریشان ہوکر تعبیر پوچھتے پھرتے ہیں پھر اگر کوئی شخص اس کی تعبیر بھی بیان کر دے تو وہ بھی قابل یقین نہیں ہوسکتی کیونکہ جب تعبیر باعتبار صفات ولوازم مناسبات لی جاتی ہے اور ہر چیز کے لوازم ومناسبات بکثرت ہوسکتے ہیں تو کیونکر یقین ہو کہ جن مناسبتوں کا لحاظ تعبیر میں رکھا گیا وہی واقع میں بھی ہیں۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مکاشفہ اور خواب کا ایک ہی حال فرض کریں جب بھی ہم کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ کا خواب اوروں کے الہام سے افضل تھا اس لئے کہ اس کا مقصود حضرت پر ظاہر ہو جاتا تھا جس کو تعبیر کے پیرایہ میں بیان فرمادیتے تھے چنانچہ احادیث سے ظاہر ہے کہ خود حضرت کوئی خواب دیکھتے یا صحابہ اپنے خواب عرض کرتے حضرت اس کی تعبیر دے کر اس کے ابہام کو اٹھا دیتے تھے اگر اس مکاشفہ میں عبدالعزیٰ صورت مثالی دجال کی تھی جس کی تعبیر کی حاجت ہے تو مثل اور خوابوں کے اس کی بھی تعبیر خود بیان فرمادیتے ورنہ صورت مثالی کو بیان کر کے مصداق اور تعبیر بیان نہ کرتے شان نبوت سے بعید ہے کیونکہ ایسی مبہم چیز کے بیان سے سوائے سامعین کی پریشانی خاطر کے کوئی نتیجہ نہیں اور پیشین گوئی کے مکاشفہ کو صحابہ قابل تعبیر سمجھتے تو جیسے اور خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے اس کی بھی تعبیر پوچھ لیتے کہ عبدالعزیٰ کے مشابہ ہونے کا کیا مطلب ہے پھر دجال کا واقعہ کوئی معمولی نہ تھا کہ چنداں قابل التفات نہ ہو اس کی خوفناک حالتیں حضرت ہمیشہ بیان فرماتے امم سابقہ کا اس سے ڈرنا اور انبیاء کا ڈرانا صحابہ کو معلوم تھا نماز میں دعا کرتے **واعوذبک من فتنة المسیح الدجال** ایسی حالت میں اگر مکاشفہ دجال کو قابل تعبیر سمجھتے تو صحابہ کی شان نہ تھی کہ ایسے اہم معاملہ کو مبہم چھوڑ دیتے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیا تھا تو کسی کو تو افسوس ہوتا کہ کاش کہ حضرت سے اس کی تعبیر پوچھ لی ہوتی حالانکہ کوئی روایت اس قسم کے افسوس کی نہ مرزا صاحب نے بتلائی، نہ بتلا سکتے ہیں ایک بار آنحضرت ﷺ نے

اپنا خواب بیان فرمایا کہ میرے پیچھے گویا کالی بکریوں کا ایک مندہ (ریوڑ) چلا آرہا ہے پھر سفید بکریوں کا اتنا بڑا مندہ (ریوڑ) آ گیا کہ اس میں کالی بکریاں چھپ گئیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی شاید کالی بکریوں سے عرب اور سفید بکریوں سے عجم مراد ہوں گے فرمایا ہاں صبح کے قریب ایک فرشتے نے بھی یہی تعبیر دی۔ دیکھئے حضرت ﷺ کے تعبیر بیان فرمانے سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تعبیر دے دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مبہم اور تعبیر طلب امور کی تعبیر معلوم کرنے میں صحابہ بے چین ہو جاتے تھے۔

جب ادنیٰ ادنیٰ شبہات کو صحابہ پوچھ کر اعتقاد کو مستحکم کر لیا کرتے تھے تو ایسے پرخطر اور خوفناک واقعہ کو صحابہ ضرور پوچھتے کہ حضرت ﷺ انبیاء سابقین نے دجال کو ہوّا بنا رکھا تھا (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں) یا واقع میں وہ کوئی چیز بھی ہے اور اگر ہے تو کسی قوم کا نام ہے یا کوئی معین شخص ہوگا جس کا یہ حلیہ بیان ہو رہا ہے اور تشبیہ دی جارہی ہے۔

آپ حضرات خود سمجھ سکتے ہیں کہ بعد اس کے کہ دجال کا حلیہ بیان فرمایا گیا اور ایک شخص کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر معین فرما دیا اس پر بھی اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت اس کو آپ نے ہوّا بنا رکھا ہے یا وہ کوئی قوم ہے تو یہ سوال کیسا سمجھا جاتا اور اس کا جواب کیا ہوتا کاش مرزا صاحب کا ہم خیال اس وقت کوئی ہوتا اور خود آنحضرت ﷺ سے پوچھ لیتا تو اس سوال و جواب کا لطف سخن شناسوں کو قیامت تک آتا رہتا۔

کشف کے معنی مرزا صاحب یہ لیتے ہیں کہ اس میں صورت مثالی ظاہر ہوتی ہے اگر یہی معنی کشف کے ہیں تو چاہیے کہ اگر کسی چیز کا خیال کر لیا جائے تو اس کو بھی کشف کہیں اس لئے کہ اس میں بھی آخر صورت خیالی کا کشف ہوتا ہے اور دونوں میں اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر بعد تعبیر کے انطباق صورت مثالیہ کا صورت خارجیہ پر ممکن ہے تو بعد تحقیق کے صورت خیالیہ کا انطباق بھی صورت خارجیہ پر ممکن ہے پھر ایسا کشف جس کو

خیال پر بھی فضیلت نہ ہو سکے اس کو کشف کہنا ہی اندھیر ہے۔

تمام اہل کشف کا اتفاق ہے جس سے اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے ہوئے ہیں کہ جس چیز کا کشف ہوتا ہے اس کو وہ **کرأی العین** دیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ وہ خبر دیتے ہیں برابر اس کا ظہور ہوتا ہے مگر مرزا صاحب اس کو کیوں ماننے لگے تھے اگر ان کے روبرو حضرت بایزید بسطامی یا حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی پیش کئے جائیں تو وہ نہ مانیں گے اور اگر اپنے مطلب کی بات ہو تو نواب صدیق حسن خان صاحب کا قول پیش کرتے ہیں چنانچہ ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ سلف صالح میں سے بہت سے صاحب مکاشفات مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتلا گئے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی صدیق حسن خان صاحب (بھوپالی) نے ایسا ہی لکھا ہے انتہی۔ مرزا صاحب نے یا تو بہت سے اہل مکاشفات وسلف صالح سے سوائے ان دو شخصوں کے کسی کا نام قابل ذکر نہیں سمجھا یا اس قول موافق کی وجہ سے ان کی قدر افزائی کر کے سلف صالح اور اہل مکاشفات میں ان کا حساب کر لیا بہر حال ان کے صرف اس خیال اور تخمینی قول کی وجہ سے جو من وجہ مفید مدعا ہے اگر سلف صالح ہیں تو وہ ہیں اور ولی کامل اور صاحب مکاشفہ ہیں تو وہ ہیں اور جس کا قول ان کے مخالف ہو خواہ وہ محدث ہو یا صحابی صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے بلکہ تمام اکابرین پر شرک کا الزام لگا ہی دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اگر قابل تاویل وتعبیر ہو تو آنحضرت ﷺ کا کشف ہو اور ایسے لوگوں کے کشف وپیشین گوئی میں نہ تاویل کی ضرورت ہے، نہ تعبیر کی چنانچہ ان کے کشف کے مطابق چودھویں صدی کے شروع میں عیسیٰ آ بھی گیا افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو صدیق حسن خان صاحب کی پیشین گوئی کی جتنی وقعت ہے آنحضرت ﷺ کی اتنی بھی وقعت نہیں اس پر یہ دعوئی مہدویت وغیرہ وغیرہ اسی طرح اپنے کشفوں کی نسبت ہمیشہ زور دیا جاتا ہے کہ وہ صحیح

نکلے گو ہر طرف سے اس کا انکار ہو رہا ہو۔ مسلم شریف کی حدیث چونکہ ان کے مدعا کے مخالف ہے لکھتے ہیں کہ دمشق کی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دجال کی علامتیں جو حدیث مسلم میں وارد ہیں حضرت نے نہیں بیان فرمایا بلکہ مسلم نے بیان کیا ہے یعنی بنالیا ہے حالانکہ وہ حدیث خاص آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور دجال کو خواب میں دیکھنے کی حدیث کو چونکہ مفید مدعا سمجھتے ہیں کمال عقیدت اور اہتمام سے لکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا ﷺ نے صاف وصریح طور پر بیان فرمادیا یہ خبر میرا مکاشفہ یا ایک خواب ہے حالانکہ اس حدیث میں نہ مکاشفہ کا لفظ ہے، نہ خواب کا نام۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ کشف سے واقعہ منکشف ہوجاتا ہے یا وہ قابل تعبیر اور مبہم رہتا ہے قرآن شریف سے تو ثابت ہے کہ اصل واقعہ مشہور ہوجاتا ہے دیکھ لیجئے خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو صرف اس کشف کی بنا پر مار ڈالا کہ اگر وہ جوان ہوگا تو اپنے ماں باپ کو کافر بنادے گا اب غور کیجئے کہ کس درجہ کا ان کو اپنے کشف پر وثوق تھا کہ ایک لڑکے کو بغیر کسی گناہ کے نبی وقت کے روبرو مارنے کی کچھ پروانہ کی اگر ذرا بھی ان کو اشتباہ ہوتا تو یہ قتل ہرگز جائز نہ ہوتا اور حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر جو اپنے کلام پاک میں دی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو یقینی کشف وعیان عطا فرماتا ہے اس موقع میں اہل ایمان واہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ باوجود یکہ خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ان کا کشف جب یقینی ہو تو افضل انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کشف یقین کے کس درجہ میں ہونا چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے پیش نظر کردیا ہے میں اس کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو میں ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو علانیہ دیکھتا ہوں۔ غرض ان وجوہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کی خبر جو کشف سے دی ہے اس میں نہ

حضرت کو کسی قسم کا اشتباہ تھا، نہ کوئی اہل ایمان شبہ کر سکتا ہے اور وہ کشف مثل خوابوں کے قابل تعبیر بھی نہیں بلکہ جس طرح دجال کا حلیہ بیان فرمایا اور عبدالعزیٰ کے ساتھ اس کو تشبیہ دی ویسا ہی وہ ہوگا۔

اب ہم چند کشف آنحضرت ﷺ کے بیان کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت نے بیان فرمایا بلاکم وکاست وبغیر احتیاج تعبیر وتاویل اس کا ظہور ہوا۔ یوں تو حضرت کے مکاشفات بے حد وبے شمار ہیں مگر یہ چند بمنزلہ مشتے نمونہ ازخروارے یہاں لکھے جاتے ہیں جن روایات ذیل میں کسی کتاب کا نام نہیں لکھا گیا الخصائص الکبریٰ سے لکھی گئی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے ہر روایت کا حاصل مضمون لکھا گیا۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا دو شخص کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ایک ثقفی دوسرا انصاری۔ اولاً آپ نے ثقفی سے فرمایا کہ جو تم پوچھنا چاہتے ہو پوچھو اور اگر منظور ہو تو تمہارا سوال بھی میں ہی بیان کردوں عرض کیا یہ اور زیادہ نادر ہوگا فرمایا کہ تم رات کی نماز اور رکوع وسجود وغسل جنابت کا حال پوچھنا چاہتے ہو انہوں نے قسم کھا کر حضرت کی تصدیق کی۔ پھر انصاری سے خطاب کر کے فرمایا کیا تمہارا بھی سوال میں ہی بیان کردوں عرض کیا ارشاد ہو فرمایا تمہارا قصد بیت اللہ جانے کا ہے مسائل وقوف عرفات وحلق راس وطواف ورمی جمار پوچھنا چاہتے ہو انہوں نے بھی قسم کھا کر تصدیق کی۔

جس روز نجاشی بادشاہ حبش کا انتقال ہوا حضرت نے ان کے وفات کی خبر دی اور عیدگاہ تشریف لے گئے جہاں جنازوں پر نماز پڑھی جاتی تھی اور ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ نماز جنازہ غائب پر نہ تھی بلکہ جنازہ حضرت کے پیش نظر تھا۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ انہیں دنوں مشک وغیرہ ہدیہ میں نے نجاشی کو بھیجا تھا مجھے اسی روز یقین ہوگیا کہ

وہ ہدیہ واپس آجائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے ایک لشکر موتہ (نام مقام) پر روانہ فرمایا تھا جس روز کفار کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا آپ خبر دے رہے تھے کہ رایت یعنی نشان کو زید رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید ہو گئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے یہ فرما رہے تھے اور چشم مبارک سے اشک جاری تھے فرمایا پھر سیف اللہ خالد بن ولید نے بغیر امارت کے لیا اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ (رواہ البخاری)

جب مسجد قبا کی آپ نے بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ عمارت آپ بنا فرماتے ہیں اور یہی تین صاحب آپ کے ساتھ ہیں فرمایا کہ تینوں شخص میرے بعد میرے خلفاء اور ملک کے والی ہوں گے۔

فرمایا خلافت نبوت میری امت میں تیس (۳۰) سال رہے گی اس کے بعد بادشاہی ہو جائے گی اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ خلافت راشدہ کی مدت اسی قدر ہے اور فرمایا کہ میں نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر ایسے کود رہے ہیں جیسے بندر۔

اور فرمایا کہ بنی امیہ کے سرکشوں سے ایک سرکش کا خون رعاف میرے اس منبر پر بہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عمر بن سعید بن العاص کا خون رعاف منبر شریف پر بہا۔ ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا ان کا نام آپ نے عبداللہ رکھ کر فرمایا کہ خلیفوں کے باپ کو لے جاؤ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو حضرت سے استفسار کیا فرمایا ہاں یہ خلفاء کے باپ ہیں ان کی اولاد میں سفاح مہدی وغیرہ ہوں گے۔

اور فرمایا بنی امیہ کے ہر روز کے معاوضہ میں بنی عباس دو روز اور ہر مہینے کے

معاوضہ میں دو مہینے حکومت کریں گے یعنی خلفاء عباسیہ کی حکومت کی مدت بنی امیہ کی مدت حکومت سے دو چند ہوگی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ خاص بنی امیہ کی حکومت تراسی (۸۳) سال رہی اور بنی عباس کی حکومت ایک سو ساٹھ (۱۶۰) برس سے چند سال زیادہ رہی۔

فرمایا جب تک تم میں عمر رضی اللہ عنہ ہیں دروازہ فتنوں کا بند ہے اور ان کی شہادت کے بعد ہمیشہ آپس میں کشت وخون ہوا کریں گے۔ اہل علم پر یہ امر اظہر من الشمس ہے۔

فرمایا قیصر و کسریٰ جواب موجود ہیں ان کے بعد پھر قیصر و کسریٰ کوئی نہ ہوگا، ایسا ہی ہوا۔ فرمایا فارس اور روم کو اہل اسلام فتح کریں گے فارس کے ایک دو حملے ہوں گے اور اس کا خاتمہ ہو جائے گا مگر روم کے حملے مدتوں ہوتے رہیں گے۔ کتب تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

فرمایا کسریٰ کے وہ خزانے جو سفید محل میں رکھے ہوئے ہیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے اور کل خزانے کسریٰ وقیصر کے راہ خدا میں صرف کئے جائیں گے تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے سراقہ بن مالک کے ہاتھ دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے دست بند اور کمر میں اس کا کمر بند اور سر پر اس کا تاج ہے جس روز تم یہ زیور پہنو گے تمہاری کیا حالت ہوگی۔ جب فتح فارس کے بعد دست بند وغیرہ کسریٰ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو آئے تو آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور وہ سب پہنا کر خدا کا شکر بجالایا کہ زیور کسریٰ جیسے بادشاہ سے چھین کر سراقہ کو جو ایک بدوی شخص ہے پہنایا۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حیرہ بیضا کو (جو

ایک شہر ہے) میں دیکھ رہا ہوں اور یہ شیما بنت نفیلہ ازویہ کالی اوڑھنی لپیٹے ہوئے خچر پر سوار ہے۔خریم بن اوس نے عرض کیا یارسول اللہ وہ عورت مجھے عطا فرمادیجئے جس وقت ہم حیرہ کو فتح کریں اور اس کو پائیں تو میں اس کو لے لوں اور فرمایا اچھا ہم نے تمہیں کو دیدیا۔خریم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب ہم حیرہ پر گئے پہلے وہی شیما بنت نفیلہ اسی حالت سے سامنے آئی جس طرح حضرت نے خبر دی تھی میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا یہ وہی عورت ہے جسے آنحضرت ﷺ نے مجھے ہبہ کردیا ہے خالد بن ولید نے اس دعویٰ پر مجھ سے گواہ طلب کئے میں نے دو گواہ پیش کئے جب وہ میرے قبضہ میں آگئی تو اس کا بھائی میرے پاس آیا کہ شیما کو قیمت لے کر دے دو میں نے کہا کہ دس سو سے کم میں ہر گز نہ دوں گا اس نے ہزار درہم دے کر لے گیا لوگوں نے کہا تم نے کیا کیا اگر لاکھ درہم مانگتے تو وہ تمہیں دیتا میں نے کہا مجھے خبر نہ تھی کہ دس سو سے زیادہ بھی کوئی عدد ہوتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو خلعت خلافت پہنائے گا اور لوگ چاہیں گے کہ تم اس کو اتار دو تو تم ہر گز ان کی بات نہ ماننا قسم ہے اگر تم وہ خلعت اتار دو گے تو ہر گز جنت میں نہ جاؤ گے۔فرمایا بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مدینہ کوئی چیز نہیں۔ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی وجہ سے کوفہ کی اقامت اختیار کی۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب مکانات سلع تک (جو ایک پہاڑ ہے مدینہ طیبہ میں) پہنچ جائیں تو تم شام کی طرف چلے جانا اور میں جانتا ہوں کہ تمہارے امراء تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔عرض کیا ان لوگوں کو قتل نہ کروں جو آپ کے حکم میں حائل ہوں فرمایا نہیں ان کی سنو اور اطاعت کرو اگر چہ غلام حبشی ہو جب وہ حسب ارشاد شام گئے معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ لوگوں کو شام میں بگاڑ رہے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا پھر وہ وہاں بھی نہ رہ سکے۔ ربذہ کو چلے گئے وہاں کا حاکم

عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا ایک روز نماز کی جماعت قائم ہوئی غلام نے چاہا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ امامت کریں آپ نے کہا کہ تمہیں آگے بڑھو کیونکہ تم غلام حبشی ہو اور مجھے حضرت کا حکم ہو چکا ہے کہ غلام حبشی کی اطاعت کروں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابن ملجم نے زخمی کیا آپ نے اثنائے وصیت میں فرمایا جتنے اختلاف آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں سب کی خبر حضرت نے مجھے دی ہے یہاں تک کہ یہ میرا زخمی ہونا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا مالک ملک ہونا اور ان کا بیٹا ان کا جانشین ہونا پھر مروان کی اولاد کے یکے بعد دیگرے وارث ہونا اور بنی امیہ کے خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں حکومت کا منتقل ہونا مجھے معلوم کرادیا اور وہ خاک بھی بتلادی جس میں حسین قتل ہوں گے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا اور معاویہ سے صلح کرلی۔

فرمایا میرے اہل بیت کے لئے حق تعالیٰ نے آخرت پسند کی ہے میرے بعد ان کو بلاؤں کا سامنا ہوگا نکالے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے تذکرہ فرمایا کہ بعض امہات المومنین خلیفہ وقت سے جنگ کرنے کو نکلیں گے اور حواب (نام مقام) کے کتے ان کو دیکھ کر بھونکیں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سن کر ہنسیں آپ نے فرمایا اے حُمیرا دیکھو کہیں تمہیں نہ ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے ان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ جب یہ تمہارے قبضہ میں آجائیں تو نرمی سے پیش آنا اور ان کے گھر ان کو پہنچادینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا باارادۂ مقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب حواب کو پہنچیں کتے بھونکنے لگے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حواب۔ سنتے ہی آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آگیا اور

فوراً واپس ہونے کا ارادہ کر لیا مگر زبیر رضی اللہ عنہ نے ترغیب دی کہ شاید آپ کی وجہ سے مسلمانوں میں صلح ہو جائے غرض جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا وہ سب ظہور میں آیا۔

حضرت نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے جنگ جمل میں زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر میں تھے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں آئے آپ نے ان سے کہا کہ میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں کہ ایک روز تم اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے حضرت نے تم سے پوچھا کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو تم نے کہا کون چیز اس سے مانع ہے فرمایا تم ان سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھول گیا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گئے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے فرمایا کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا حضرت کے وفات کے بعد ایک بار وہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ امید منقطع ہو گئی چنانچہ ایک دفعہ غشی ہوئی جس سے سب گھر والے رونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں بچھونے پر مروں گا ہرگز نہیں حضرت نے مجھ سے فرما دیا ہے کہ گروہ باغی مجھے قتل کرے گا۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں ان کو معاویہ کے لوگوں نے شہید کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے اور قتل بھی کئے جاؤ گے اور داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہو گی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بقصد عراق اونٹ پر سوار ہو رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام آئے اور کہا کہ آپ اگر عراق کو جائیں تو آپ کو تلوار کا سخت زخم لگے گا فرمایا خدا کی قسم یہی بات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بھی فرمائی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تمہیں

خلافت کا لباس پہنایا جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہوگی سوچو کہ اس وقت کیا کرو گے ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کیا میرے بھائی خلیفہ ہوں گے فرمایا ہاں لیکن اس میں بہت شر و فساد ہوں گے۔

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ حکم بن ابی العاص کا گذر ہوا حضرت نے فرمایا میری امت کو اس شخص سے جو اس کی پیٹھ میں ہے بڑی بڑی مصیبتیں پہنچیں گی۔

کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ مروان بن الحکم کی وجہ سے مسلمانوں کو کیسی کیسی مصیبتیں پہنچیں دراصل بانی فساد یہی تھا جس کی وجہ سے اہل مصر برہم ہوئے اور واقعہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیش آیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جتنی لڑائیاں ہوئیں سب کا ظاہری منشا یہی شہادت تھی جس کا باعث مروان ہوا غرض مروان اسلام کے حق میں ایک بلائے جانکاہ تھا۔

ایک بار معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا بہت سے فتنے تیرہ و تار پے در پے ہونے والے ہیں ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں تم گنتے جاؤ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ایک ایک فتنہ کا نام لیتے تھے اور میں انگلیوں پر گنتا تھا چنانچہ پانچواں فتنہ یزید کا بیان کرکے فرمایا **لایبارک اللہ فی یزید** اور چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر مجھے دی گئی اور ان کی قتل گاہ اور ان کے قاتل کا نام بھی مجھے معلوم ہے اس کے بعد اور فتنے بیان کرکے دسواں ولید کا فتنہ بیان فرمایا کہ وہ ایک فرعون ہوگا کہ اسلام کے شرائع کو ڈھائے گا۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں ولید کا حال لکھا ہے کہ وہ ۱۲۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ہمیشہ لہو ولعب میں مشغول رہتا تھا شراب خواری کی یہ کیفیت کہ ایک حوض شراب سے بھرا رکھتا تھا

جب خوش ہوتا اس میں کود پڑتا اور خوب پیتا۔ ایک بار حج کا ارادہ اس غرض سے کیا کہ کعبہ شریف کے سقف پر جا کر شراب پئے۔ ایک روز لونڈی کے ساتھ مرتکب ہو کر بیٹھا تھا کہ موذن نے اذان دی کہا خدا کی قسم آج اس لونڈی کو امام بنادونگا چنانچہ اپنا لباس اس کو پہنا کر مسجد کو بھیجا اور حالت جنابت میں اس نے امامت کی۔ ایک بار قرآن کی فال دیکھی یہ آیت نکلی **واستفتحوا وخاب کل جبار عنید** برہم ہو کر قرآن شریف کو پارہ پارہ کر دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید فھا انا ذاک جبار عنید

اذاما جئت ربک یوم حشر فقل یارب مزقنی ولید

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لائے حاضرین سے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو مکروہ نہ جانو جب وہ تم میں نہ رہیں گے تو مثل حنظل کے سر لڑھکا کریں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ ۶۰ھ اور لڑکوں کی امارت نہ دکھائیو۔ ان حضرات کی پیشین گوئی کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر پہلے دی تھی چنانچہ ایک بار فرمایا کہ یہ امر یعنی اسلام کا معاملہ سیدھا اور قائم رہے گا اس وقت تک کہ ایک شخص ہی بنی اُمیہ سے جس کا نام یزید ہے اس میں سوراخ اور رخنہ ڈالے گا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر حرہ پر ہوا وہ جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے حضرت کھڑے ہو گئے اور **انا للہ** پڑھا صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اس مقام پر میری امت کے بہتر اور عمدہ لوگ قتل کئے جائیں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت میں مقام حرہ پر صرف علماء سات سو قتل ہوئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔

سعید بن مسیّب نے کہا کہ خلیفہ ابو بکر ہیں اور دوسرے عمر۔ کسی نے پوچھا

دوسرے عمر کون؟ کہا قریب ہے کہ تم پہچان لوگے بیہقی کہتے ہیں کہ دوسرے عمر، عمر بن عبدالعزیز ہیں۔ سعید ابن میسّب کا انتقال ان کے دوسال پہلے ہوا اس لئے وہ بتلا نہ سکے۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بنی امیہ پر لعنت مت کرو ان میں ایک صالح امیر ہیں یعنی عمر بن عبدالعزیز۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھیں۔

فرمایا قیامت تک تیس جھوٹے نکلیں گے جن میں مسیلمہ، عنسی اور مختار ہے اور عرب میں بدتر قبیلے بنی امیہ اور بنی ثقیف ہیں۔ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ وہ اچھوں سے کوئی اچھی بات قبول کرے گا، نہ بروں کی خطا معاف کرے گا بلکہ جاہلیت کا سا حکم کرے گا۔

ابوالیمان کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ حجاج ثقفی نکلنے والا ہے جس کے اوصاف انہوں نے بیان کر دیئے اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ مسیلمہ کذاب، عنسی، مختار اور حجاج کیسے بلائے بے درماں تھے جن کی خبر حضرت نے دی ہے۔

فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو لوگ غیلان کہیں گے اس کا ضرر ابلیس کے ضرر سے بڑھا ہوا ہوگا۔ یہ شخص دمشق میں تھا مذہب قدریہ کو اس نے ایجاد کیا اس کا قول تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں آدمی اپنے فعل کا آپ مختار اور خالق ہے۔

خوارج کے قتل کا واقعہ اوپر مذکور ہوا جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے اور سب پیشین گوئیاں بلاکم وکاست ظہور میں آگئیں۔

آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ ایک آگ نکلے گی جس سے بصریٰ میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آگ ۶۵۴ھ میں نکلی تھی۔ خلاصۃ الوفاء میں لکھا ہے کہ اکابر محدثین مثل امام نووی اور قطب قسطلانی وغیرہ نے جو اس زمانہ میں

موجود تھے اس آگ کے حالات میں مستقل رسالے لکھے ہیں اور اہل شام کے نزدیک اس آگ کا نکلنا بتواتر ثابت ہے۔ اس کا واقعہ مواہب اللدنیہ اور خلاصۃ الوفاء وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک آگ مقام ہیلا میں پیدا ہوئی جو مدینہ منورہ سے شرق کے جانب ایک منزل پر واقع ہے اس آگ کا طول چار فرسخ یعنی سولہ میل اور عرض چار میل تھا اور بہیئت مجموعی ایک وسیع آگ کا شہر نظر آتا تھا جس کے اطراف فصیل اور اس کے اوپر کنگرے اور برج آگ کے محسوس ہوتے تھے اور ارتفاع میں اس قدر تھی کہ مکہ معظمہ کے لوگوں نے اس کو دیکھا اور بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں اس سے چمکتی تھیں جب اپنے مقام سے وہ حرکت کی تو جس پہاڑ پر اس کا گذر ہوتا اس کو گلا دیتی اور بڑھتی ہوئی مدینہ تک پہنچی دو یا تین مہینے حد حرم پر رہی۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں یعنی ۲۷ رجب کو وہ آگ بجھی۔ خوارج کے متعلق پیشین گوئیاں اوپر مذکور ہوئیں اور ان کے وقوع کا حال بھی معلوم ہوا۔

اسی طرح وہابیوں کے فتنہ کی بھی پوری پوری خبریں حضرت نے دیں چنانچہ الدرر السنیہ میں شیخ دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ کے باب میں صحیح صحیح احادیث وارد ہیں بعض بخاری اور مسلم میں ہیں اور بعض دوسری کتابوں میں۔ ان میں سے چند حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں **قال النبی ﷺ الفتنة من ھھنا الفتنة من ھھنا واشارہ الی المشرق** یعنی فرمایا کہ فتنہ ادھر سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ **وقال ﷺ اللّٰھم بارک لنا فی شامنا وبارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا قال ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان** مختصراً یعنی ایک بار حضرت نے دعا کی کہ یا اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیو لوگوں نے کہا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمایئے ارشاد ہوا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور شیطان کا سینگ

وہاں سے نکلے گا۔ وفی روایة سینظر من نجد شیطان یتزلزل جزیرة العرب من فتنة یعنی فرمایا قریب ہے کہ ظاہر ہوگا نجد کی طرف سے ایک شیطان جس کے فتنے سے جزیرۂ عرب متزلزل ہوجائے گا۔ وقال ﷺ یخرج ناس من المشرق یقرءون القرآن لا تجاوز تراقیهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة لایعودون فیه حتی یعود السهم الی فوقه سیماهم التحلیق یعنی فرمایا بہت سے لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ ہرگز دین میں نہ لوٹیں گے اور نشانی ان کی سر منڈوانا ہے۔ قال ﷺ ان من ضیئضی هذا ای ذی الخویصرة اوفی عقب هذا قومًا یقرءون القرآن لایجاوز حناجرهم یمرقون من الدین کما یمرق السهم من الرمیة یقتلون اهل الاسلام و یدعون اهل الا وثان یعنی ذوالخویصرہ تمیمی کے خاندان سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے اہل اسلام کو وہ قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

شیخ دحلان نے الدرر السنیہ میں اس قسم کی اور روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے ابن عبدالوھاب نجدی قبیلہ بنو تمیم کا ایک شخص تھا ۱۱۴۳ھ میں اس کا فتنہ نجد سے شروع ہوا اول تو لوگوں کو خالص توحید کے طرف بلاتا اور شرک کی مذمتیں بیان کرتا تھا جب اہل اسلام نے سادگی سے اس کا اتباع قبول کرلیا اور رفتہ رفتہ ایک گروہ بن گیا تو اس نے قتل و غارت شروع کردیا اور ظالمانہ طریقہ سے بزور شمشیر تسلط بڑھاتا گیا یہاں تک کہ حرمین شریفین بلکہ کل جزیرہ عرب پر اس گروہ کا تسلط ہوگیا حالت ان کی یہ تھی کہ جمیع انبیاء اور آنحضرت ﷺ کی تنقیص اور کسر شان کے ساتھ ان کو نہایت دل چسپی تھی شہداء اور اولیاء اللہ کی قبریں کھدوا کر

نجاستیں بھر دی جاتی تھیں دلائل الخیرات اور اوراد و اذکار کی کتابیں اور بزرگان دین کے تذکرے جلا دیئے تھے اور ضروریات دین سے یہ بات ٹھہرائی گئی تھی کہ ۶۰۰ھ سے اس طرف جتنے علماء و سادات و مشائخین و اولیاء اللہ ہوئے ہیں سب کی تکفیر کی جائے اگر اس میں کوئی تامل کرتا تو فوراً قتل کر دیا جاتا غرض ان ملحدانہ اور ظالمانہ حرکات سے تمام جزیرۂ عرب ۱۲۲۷ھ تک ایک تہلکہ عظیم میں گرفتار تھا۔ اس نے اپنے ہم مشربوں کی علامت تحلیق راس قرار دی تھی اگر کوئی سر نہ منڈواتا تو اس کو اپنے گروہ میں نہ سمجھتا اس باب میں اس کو اس قدر اصرار تھا کہ عورتوں کو بھی سر منڈوانے پر مجبور کیا آخر ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سر کے بال ایسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھیاں مرد لوگ اگر داڑھیاں منڈوا دیں تو ہمارا سر منڈوانا بجا ہوگا اس جواب سے لاجواب ہو کر عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ غرض اس کا نجدی اور خاندان بنی تمیم سے ہونا اور مدینہ کے شرقی جانب سے جو نجد اسی جانب میں واقع ہے نکلنا اور بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرنا اور تمام جزیرۂ عرب اس کے فتنہ سے متزلزل ہونا اور قرآن کا کوئی اثر اس قوم کے دل میں نہ ہونا اور تحلیق کو اپنے گروہ کی علامت قرار دینا جس طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا بلا کم و کاست ظہور میں آیا۔

بعض احادیث میں وارد ہے کہ آخری زمانہ کے مسلمان بنی اسرائیل کی پیروی کریں گے اور بعضوں میں مطلقاً امم سابقہ کی تصریح ہے جن میں نصاریٰ اور فارسی بھی شریک ہیں۔ اس پیشین گوئی کا وقوع ظاہر ہے کہ اس زمانے کے مسلمان نصاریٰ کی کس قدر پیروی کر رہے ہیں۔ کھانا پینا لباس وضع رفتار گفتار نشست برخاست وغیرہ جمیع امور معاشرت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ مونچھیں بڑھانے میں سخت وعید وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسے شخص کی شفاعت نہ کریں گے مگر اس کی کچھ پرواہ نہیں صرف انگریزی دانوں کی تقریریں سن کر علوم اسلامی میں نکتہ چینیاں ہوتی ہیں حکمت جدیدہ کا اگر کوئی مسئلہ پیش ہو گیا تو قبل اس کے کہ اس کی دلیل معلوم کریں قرآن و حدیث پر اعتراض

ہونے لگتے ہیں نہایت ذہین اور محقق وہ شخص مانا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں تحریف وتاویل کرکے نئے خیالات کے مطابق کردے۔ نصاریٰ اپنے مکانات کی آرائش تصاویر سے کیا کرتے ہیں مسلمانوں نے بھی وہی اختیار کیا حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے **لاتدخل الملئكة بيتًا فيه كلب ولا تصاوير** (متفق علیہ) اور جبریل علیہ السلام کا قول حضرت نے نقل فرمایا کہ **لا تدخل بيتاً فيه كلب ولاصورة** یعنی جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔ مرزا صاحب کے مریدوں کے گھر میں ان کی تصویر ضرور رہا کرتی ہے اور مرزا صاحب نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی عادت یہودیوں کی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **يحرفون الكلم عن مواضعه** یعنی کلمات کو اپنے مقام ومعانی سے دوسرے طرف پھیر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اور ان سے پہلے سرسید صاحب نے وہی اختیار کیا جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تصانیف سے ظاہر ہے یہاں چند تحریفیں جو مرزا صاحب نے کی ہیں لکھی جاتی ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ظاہر ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہوگیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا کیونکہ قرآن وحدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اور قرآن کریم **انهم لايرجعون** کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے اور قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم وغشی بھی آیا ہے دیکھو قاموس اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر

ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے۔ ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہوسکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرور کہیں اس کی موت کا ذکر ہوتا۔ انتہی۔

جس آیت شریفہ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ

اوکالذی مرّ علی قریة وھی خاویة علی عروشھا قال انّٰی یحی ھذہ بعدموتھا فاماته اللہ مائة عام ثم بعثه قال کم لبثت قال لبثت یوما اوبعض یوم قال بل لبثت مائة عام فانظر الی طعامک وشرابک لم یتسنه وانظر الی حمارک ولنجعلک آیة للناس وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما فلما تبین له قال اعلم ان اللہ علی کل شیٔ قدیرo ترجمہ: یا جیسے وہ شخص کہ گذرا ایک شہر پر جو گر پڑا تھا اپنے چھتوں پر بولا کہاں جلا دیگا اس کو اللہ مر گئے پیچھے۔ پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا کہا تو کتنی دیر رہا بولا میں رہا ایک دن یا اس سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ رہا تو سو برس اب دیکھ اپنا کھانا پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے۔ اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت، پھر جب اس پر ظاہر ہوا تو بولا میں جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تفسیر درمنثور میں مستدرک حاکم اور بیہقی وغیرہ کتب سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد جب زندہ کئے گئے تو پہلے حق تعالیٰ نے ان کی آنکھیں پیدا کیں جن سے وہ اپنے ہڈیوں کو دیکھتے تھے کہ ایک دوسرے سے متصل ہو رہی ہے اس کے بعد ان پر گوشت پہنایا گیا۔ اور اسی میں ابن عباس

اور کعب اور حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور سو برس تک وہ مردہ رہے جب زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو ان کے پوتے بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اسلئے کہ مرتے وقت آپ کی عمر چالیس ہی برس کی تھی۔ اسکے سوائے اور کئی روایتیں اس مضمون کی مؤید درمنثور میں موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب ان احادیث کو نہیں مانتے اور آیہ شریفہ میں جو **فاماته الله** ہے اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالی نے ان کو سلا دیا یا بیہوش کر دیا۔

یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ عزیر علیہ السلام کو استبعاد کس امر کا تھا سو کے اٹھنے کا یا مردے زندہ ہونے کا اس آیہ شریفہ میں توانی **یحی ھذہ اللّٰہ بعد موتھا** سے صاف ظاہر ہے کہ احیائے اموات کا استبعاد تھا اور ظاہر ہے کہ یہ استبعاد سو کے اٹھنے یا بیہوشی سے ہوش میں آنے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتا اس صورت میں مرزا صاحب کی یہ توجیہ کہ موت بمعنی نوم یا غشی ہے کیونکر صحیح ہو گی ہاں سو برس کی نیند یا بیہوشی کے بعد اٹھنا البتہ ایک حیرت خیز بات ہے مگر اس سے بھی انکار استبعاد احیاء دور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ موت ظاہراً اعدام محض ہے اور نوم و غشی طویل میں صرف طول عمر ہے جو قابل استبعاد نہیں اور طول عمر پر اعادہ معدوم کا قیاس بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر ناقص نظیر کے طور پر اس کو مان بھی لیں تو اس تطویل مدت کا ان کو مشاہدہ بھی نہیں ہوا اسی وجہ سے جواب میں انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ **لبثت یومًا اوبعض یوم** یعنی تقریباً ایک دن گذرا ہو گا جس کے بعد ارشاد ہوا کہ سو برس گذر چکے ہیں اس کی تصدیق بھی انہوں نے ایمانی طور پر کی جیسے احیائے اموات کی تصدیق پہلے سے ان کو حاصل تھی۔ البتہ ان کا استبعاد اس طور سے دور ہو سکتا تھا کہ بچشم خود مردہ کو زندہ ہوتے دیکھ لیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پہلے ان کی آنکھیں زندہ کی گئیں جس سے انہوں نے خود اپنے تمام جسم کے زندہ ہونے کو دیکھ لیا پھر گدھے کے زندہ ہونے کو دیکھا جیسا کہ حدیث شریف

سے ثابت ہے۔ اگر ان کے استبعاد کے دور کرنے کا وہی طریقہ بیان کیا جائے جو مرزا صاحب کہتے ہیں تو عوام الناس کو خصوصاً منکرین حشر کو بڑا موقع اعتراض کا ہاتھ آجائے گا کہ حق تعالیٰ میں احیائے اموات کی (نعوذ باللہ) قدرت ہی نہیں کیونکہ اگر قدرت ہوتی تو ایسے موقع میں کہ نبی استبعاد ظاہر کر رہے ہیں ضرور اس کا اظہار ہوتا جس سے وہ اعتراف کر لیتے۔ مگر جب ہمیں ان کا اعتراف یقیناً معلوم ہو گیا جیسا کہ اس قصہ کے اخیر میں ہے **فلما تبین له قال اعلم ان الله علی کل شیء قدیر** تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ در حقیقت انہوں نے اپنے اور اپنے گدھے کے مر کر زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ورنہ تبین درست نہ ہوگا۔

مرزا صاحب کا مذاق چونکہ فلسفی ہے اور اکثر فلسفہ کے خلاف میں جو آیات واحادیث وارد ہوتے ہیں ان کو رد کر دیتے ہیں چنانچہ اسی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے باب میں لکھتے ہیں کہ اس کو نہ فلسفہ قدیمہ قبول کرتا ہے، نہ فلسفہ جدیدہ اس لئے وہ محال ہے اسی طرح عزیر علیہ السلام کی پہلی موت اور اس کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ہر چند نوم و غشی کے معنی سیاق وسباق کے بالکل مخالف ہیں مگر مذاق فلسفیانہ کی مخالفت کی وجہ سے اس کی کچھ پروا نہ کر کے بیہوشی کے معنی لیتے ہیں۔

یہاں حیرت اس امر کی ہوتی ہے کہ فلسفہ نے یہ اجازت کیونکر دی کہ آدمی بغیر کھانے پینے کے سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ رہنے میں تو بڑا ہی زور لگایا کہ کیا وہاں ظروف بھی ہوں گے مطبخ بھی ہوگا پاخانہ بھی ہوگا۔ معلوم نہیں اس سو برس کیلئے جس کے چھتیس ہزار دن ہوتے ہیں مطبخ وغیرہ کی کیا فکر کی گئی۔ مرزا صاحب ہیں بڑے ہوشیار اگرچہ لکھا نہیں مگر اس **مائة عام** میں کوئی نہ کوئی نکتہ معتقدین کے لئے سینہ بسینہ ضرور رکھا ہوگا۔ چونکہ ان کی طبیعت نکتہ اس حساب جمل وغیرہ سے اکثر کام لیتی ہے

چنانچہ اپنی عیسویت کو غلام احمد قادیانی کے اعداد سے ثابت کر ہی دیا کہ اس نام کے تیرہ سو عدد ہیں اور دنیا میں اس نام والا کوئی شخص نہیں اس لئے خود عیسیٰ موعود ہیں۔ تعجب نہیں کہ اس مقام میں بھی اسی قسم کا نکتہ پیش نظر ہوگا کہ یہاں لفظ سنۃ، حول اور خریف وغیرہ چھوڑ کر لفظ عام استعمال کیا گیا اور لفظ عام کے اعداد ۱۱۱ ہیں چونکہ یہ شکل بارہ کے لئے موضوع ہے اسی وجہ سے تمام گھڑیوں میں یہی شکل بارہ کے لئے مخصوص کی گئی ہے کہ جب کانٹا اس شکل پر آتا ہے تو بارہ بجتے ہیں اس سے قطعاً اور یقیناً ثابت ہے کہ بارہ گھنٹے وہ سورہے تھے اور قیلولہ کا وقت بھی بارہ ہی کا ہے۔ ہر چند اس نکتہ میں **مائة عام** سے مائۃ کے معنی متروک ہوتے ہیں مگر نکات میں سیاق وسباق کا لحاظ چنداں ضروری نہیں سمجھا جاتا جیسے اپنے نام کے صرف اعداد سے عیسویت کا ثبوت اسی بنا پر ہوتا ہے کہ نہ وہ سیاق میں ہے، نہ سباق میں اور نیز اسی آیۂ شریفہ کے معنی سے جو مرزا صاحب کے اجتہاد سے پیدا ہوتے ہیں ابھی معلوم ہوگا یہ نکتہ تو ہمارے بادی الرائے میں سمجھا گیا مرزا صاحب نے جو غور وتامل سے نکالے ہوں گے وہ اس سے زیادہ تر پتا ہوگا۔

قوله: قرآن وحدیث دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔

ظاہر آیت موصوفہ اور احادیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام بعد موت کے دنیا میں زندہ کئے گئے اور دوسری آیت واحادیث سے ثابت ہے کہ ہزاروں آدمی بعد موت کے دنیا میں ہی زندہ کئے گئے **کما قال تعالی الم ترالی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم** ترجمہ: تم نے نہیں دیکھا وہ لوگ گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو اللہ تعالیٰ نے مرجاؤ پھر ان کو زندہ کیا انتہیٰ۔ حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم

اجمعین سے بکثرت روایتیں تفاسیر میں موجود ہیں کہ وہ لوگ چار ہزار تھے جو طاعون سے بھاگ کر کسی مقام میں ٹھہرے تھے۔ حق تعالیٰ نے سب کو مار ڈالا پھر کئی روز کے بعد حزقیل علیہ السلام کی دعا سے وہ سب زندہ ہوئے۔ اب دیکھئے کہ قرآن وحدیث کی گواہی سے ہمارا حق ثابت ہو رہا ہے یا مرزا صاحب کا۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ مرزا صاحب نہ حدیث کو مانتے ہیں، نہ قرآن کو۔

قولہ: قرآن **انھم لایرجعون** کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے۔

پوری آیت شریفہ یہ ہے **وحرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لایرجعون** یعنی جس گاؤں کو ہم لوگ ہلاک کرتے ہیں وہ پھر نہیں لوٹتے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ہلاک کی ہوئی بستیاں خودمختاری سے نہیں لوٹتیں کیونکہ **لایرجعون** بصیغۂ معروف ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی کو زندہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ابھی قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ ہزارہا مُردوں کو ایک وقت میں حق تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔

قولہ: عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ درحقیقت الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر جان ڈالتا ہے۔

یہاں بھی مرزا صاحب نے عجیب لطف لیا ہے کہ نہ وہاں گدھا مرا ہوا تھا، نہ اس کی ہڈیاں تھیں بلکہ ایک عورت کا رحم پیش نظر تھا جس کے اندر ہڈیوں پر گوشت چڑھ رہا تھا کیونکہ حق تعالیٰ نے عزیر علیہ السلام کی طرف خطاب کر کے فرمایا **انظر الی العظام کیف ننشزھا** اس سے معلوم ہوا کہ رحم کی طرف وہ دیکھ رہے ہوں گے مگر قرآن شریف میں کوئی لفظ یہاں ایسا نہیں ہے جس سے معنی رحم کے سمجھ میں آئیں اور جب گدھے کے زندہ ہونے

اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھنے سے کوئی تعلق نہیں اور رحم کی حالت جدا گانہ بتلانا منظور تھا تو معلوم نہیں کہ **انظر الی حمارک** کہہ کر صرف گدھے کو بتلا دینے سے کیا مقصود تھا کیا گدھا بھی کوئی ایسی چیز تھا کہ اس وقت اس کا دیکھ لینا ان کو ضرور تھا۔ پھر بھی اس کا ذکر بڑے اہتمام سے قرآن شریف میں کیا گیا ہے کہ ان کو گدھا دکھلایا گیا تھا گدھے تو اب بھی ہر قسم کے موجود ہیں اس گدھے میں ایسی کونسی بات تھی جس کی حکایت کی جارہی ہے۔ اب اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ جن ہڈیوں پر گوشت چڑھائے جانے کا ذکر ہے وہ مردہ گدھے کی ہڈیاں تھیں یا رحم کے بچے کی اور صورت ثانیہ یہ بھی غور طلب ہے کہ ہڈیاں رحم میں پہلے بن کر اس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے یا گوشت پہلے بنتا ہے۔ اگر اہل انصاف صرف اسی بحث کو کرات ومرات بغور ملاحظہ فرمائیں تو مرزا صاحب کی قرآن فہمی کا حال بخوبی واضح ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اپنی بات بنانے کو وہ کس قدر کلام الٰہی میں تصرف کرتے ہیں یوں تو معتزلہ وغیرہ اہل ہوا بھی قرآن شریف میں تاویل کرتے ہیں مگر مرزا صاحب کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے۔

قولہ: کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہ تھی۔

مطلب یہ ہوا کہ **فاماتہ اللہ** میں عزیر علیہ السلام کی موت کا جو ذکر ہوا اس کے بعد دوسری ان کی موت کا ذکر نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ **بعثہ اللہ** سے مراد اس عالم کی زندگی نہیں بلکہ اس عالم اخروی میں زندہ ہونا مراد ہے اس سے ظاہر ہے کہ **اماتہ اللہ** سے مراد موت حقیقی لی گئی حالانکہ اس کا انکار کر کے نوم وغشی کے معنی ابھی بیان کر آئے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کو **اماتہ** سے کام ہے نہ **بعثہ** سے جہاں کوئی موقع مل گیا الٹ پھیر کر کے اپنی جمائے جاتے ہیں۔

اب مرزا صاحب کی توجیہات کے مطابق آیۂ موصوفہ کی تفسیر سنئے کہ عزیر علیہ السلام نے احیائے اموات پر استبعاد ظاہر کیا اس پر حق تعالیٰ نے ان کو بیہوش کر دیا اور عالم اخروی میں ان کو زندہ کر کے پوچھا کہ کتنے روز تم کو مر کر ہوئے انہوں نے کہا تقریباً ایک روز۔ ارشاد ہوا کہ سو برس تم کو مر کر ہوئے دیکھو تمہارا کھانا پینا متغیر نہیں ہوا اور گدھے کو دیکھ لو اور رحم میں دیکھو کہ بچے کے ہڈیوں پر کس طرح ہم گوشت چڑھاتے ہیں یعنی مرنے کے سو برس بعد۔ اس کا استبعاد دور ہو گیا معلوم نہیں سو برس تک وہ کہاں رہے اس عالم سے تو مر ہی گئے تھے اور اس عالم میں سو برس کے بعد زندہ ہوئے پھر کھانا پینا بھی ساتھ ساتھ گویا سفر آخرت کا توشہ تھا جس کے دیکھنے کا حکم ہوا اور گدھا جو دکھلایا گیا وہ بھی شاید سواری اس سفر کی تھی بھلا یہ زادراہ اور سواری تو قرین قیاس بھی ہے کہ آخر سفر کا لازمہ ہے مگر رحم کے بچے کو دیکھنے میں تامل ہوتا ہے کہ اس کی وہاں کیا ضرورت تھی۔ بہر حال مرزا صاحب کے ان حقائق و معارف قرآنی کو ہم ہدیہ ناظرین کر دیتے ہیں وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ قرآن شریف میں مرزا صاحب کیسے کیسے تصرفات و تحریفات کرتے ہیں لفظ **اماتت** میں تحریف کی پھر **لا یرجعون** میں پھر **انظر الی العظام** میں پھر **نکسوھا لحما** میں۔ اگرچہ ہنوز اس میں غور و فکر کو گنجائش ہے مگر بنظر ملال ناظرین اسی پر اختصار کیا گیا۔

مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

فی الحقیقت مرزا صاحب نے قرآن کے حقائق و معارف بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان اس میں ان کا ہم پلہ ہو سکے کیونکہ یہ بیچارے اس حدیث شریف کے لحاظ سے نار دوزخ سے خائف اور لرزاں ہیں۔ **قال رسول اللہ** ﷺ **من قال فی القران برأیه فلیتبوأ مقعده من النار** (رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ) یعنی

فرمایا حضور ﷺ نے جو کوئی قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو اپنی جگہ دوزخ میں بنالے اور مرزا صاحب کو اس کا کچھ خوف نہیں کیونکہ مذاق فلسفی میں اس نار کا تو وجود ہی نہیں پھر اس سے خوف کیا ہے۔

ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں **اوترقی فی السماء قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا** یعنی کفار کہتے ہیں تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لے آئیں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دیکھا دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے۔

مرزا صاحب نے خودغرضی سے اس آیت شریفہ میں اختصار وحذف وغیرہ کیا ہے پوری آیت یہ ہے **وقالوا لن نومن لک حتی تفجرلنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنة من نخیل وعنب فتفجرالانهار خلالها تفجیرا اوتسقط السماء کما زعمت علینا کسفا اوتاتی بالله والملئکة قبیلا اویکون لک بیت من زخرف اوترقی فی السماء ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل کنت الابشرارسولا۔** ترجمہ: بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرا دے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آئے اللہ اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جائے تجھ کو ایک ستھرا گھر یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے چڑھنا جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک لکھا جو ہم پڑھ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا آئی۔ اب اس

پوری آیت پڑھنے کے بعد بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے جب تک وہ تدبیر نہ کی جائے جو مرزا صاحب نے کی انہوں نے اپنی کامیابی کا یہ طریقہ نکالا کہ جو جملے اپنے مدعا کے مخالف ہوں ان کو نکال دور کر کے چند متفرق الفاظ اکھٹے کئے اور کہہ دیا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا ثابت ہے دیکھ لیجئے تمام آیت میں سے **اوترقی** کا جملہ لے لیا اور **لن نومن لرقیک** کو حذف کر کے **قل سبحان** کے جملہ کے ساتھ اس کی جوڑ لگادی تا کہ اس ترک وحذف سے اصل مضمون خبط ہو کر نیا مضمون پیدا ہو جائے۔ چونکہ مرزا صاحب کو یہ ثابت کرنا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے اس لئے انہوں نے کفار کی کل درخواستوں کو چھوڑ دیا کیونکہ ان میں چند چیزیں ایسی بھی ہیں کہ اہل اسلام کے پاس ممکن الوقوع ہیں مثلاً چشمہ جاری کرنا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے کر دکھایا تھا اور کھجور اور انگور کا باغ اور ستھرے مکان حضرت کیلئے تیار ہو جانا کوئی مشکل بات نہ تھی گو کفار کے پاس یہ چیزیں بھی محال تھیں ان کو خوف ہوا کہ اگر کسی کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے گی تو حضرت کا آسمان پر جانا بھی انہیں نظائر میں سمجھ لیں گے اور مقصود فوت ہو جائے گا۔ **اوترقی فی السّماء** کے بعد کا جملہ یعنی **ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا** کو اس واسطے حذف کیا کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی درخواست تھی اور ترقی کے جواب میں **ھل کنت الا بشرا** سے جب یہ استدلال ہو کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جا سکتا تو وہی جواب **حتی تنزل علینا** کا بھی ہے اس سے بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کتاب بھی نازل نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن شریف برابر نازل ہوتا تھا اور اکثر کفار اس کا اعجاز دیکھ کر **منزل من اللہ** سمجھتے اور ایمان لاتے تھے۔

ہر چند مرزا صاحب نے تحریف کا الزام اپنے ذمہ لیا مگر اس سے بھی ان کا مطلب ثابت نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر کے لئے اتنی ہی آیت فرض کیجئے جس کا ترجمہ انہوں نے

استدلال میں پیش کیا ہے یعنی **وقالوا لن نومن لک حتی ترقی فی السماء قل سبحان ربی هل کنت الابشرا رسولا** اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کفار نے حضرت سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تو ان کو یہ جواب ملا کہ میں تو ایک بشر ہوں یعنی خدا نہیں کہ اپنی ذاتی قدرت سے ایسے خوارق عادات ظاہر کروں اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اگر کسی جسم کو آسمان پر لے جائے تو اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ رہا یہ کہ عادت نہیں تو جتنے معجزات ظہور میں آئے تھے سب خوارق عادات تھے۔ کوئی کم فہم بھی اس جملہ سے کہ ''میں تو ایک بشر رسول ہوں۔'' یہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ عادت نہیں کہ خدا جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے اب دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب کی تحریف اور عبارت آرائی نے کیا نفع دیا۔

شکوہ آصفی واسپ بادو منطق طیر　　بیادرفت وازان خولجہ ہیچ طرف نہ بست

اس بے تکے استدلال سے تو یہ استدلال کسی قدر قریب الفہم ہوگا کہ ان کے جواب میں حضرت نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں کوئی عامی شخص نہیں بلکہ میں بشر رسول ہوں بفضلہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب معراج اسی جسم خاکی سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جس کی تصدیق صدہا حدیثیں کر رہی ہیں اور تمامی امت کا اجماع ہے مرزا صاحب گو فلسفہ پر کامل اعتقاد ہونے کی وجہ سے معراج کا انکار کرتے ہیں مگر کوئی مسلمان جس کو خدا کی قدرت پر ایمان ہے اور آنحضرت ﷺ کے اخبار کو سچے سمجھتا ہے وہ تو ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔

چونکہ مرزا صاحب کو (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کی شان کو گھٹانے کی یہاں ضرورت تھی اس لئے **هل کنت الا بشرا رسولا** کے ترجمہ میں رسول کے لفظ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا کہ ''میں بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک آدمی''۔ تا کہ اردو پڑھنے والوں

کا خیال رسالت کی طرف منتقل ہی نہ ہو کیونکہ رتبۂ رسالت الٰہی عموماً وفطرۃً معظم ومکرم سمجھا گیا ہے اسی وجہ سے کفار اس رتبے کے مستحق ملائکہ کو سمجھتے تھے چنانچہ ان کا قول **کما قال تعالٰی لولا انزل علیه ملک فیکون معه نذیرا** اور صرف بشریت کی وجہ سے **ان انتم الابشرا مثلنا** کہہ کر انبیاء کی رسالت میں کلام کرتے تھے مرزا صاحب نے خیال کیا کہ اگر لفظ رسول ترجمہ میں شریک کیا جائے تو مبادا کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ حضرت کو جب رسالت کی قوت اعجازی دی گئی تھی تو ممکن ہے کہ آسمان پر جانے کی قدرت بھی ہو اس وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو ترجمہ میں ترک ہی کر دیا۔

مرزا صاحب نے آیۂ موصوفہ میں **سبحان ربی** کی توجیہ یہ کی کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دار الابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشانیاں دکھلا دے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ کھلے کھلے قدرت کی نشانیاں دکھانا خدا تعالٰی کی نسبت ایک ایسا سخت عیب ہے جس سے تنزیہ کرنے کی ضرورت ہے معلوم نہیں کہ خدائے تعالٰی کی یہ قدرت نمائیاں کس وجہ سے عیب ٹھہرائی گئی ہیں یہ تو ہر شخص جانتا ہے جس میں کوئی کمال ہو اس کا ظاہر کرنا کمال مستحسن سمجھا جاتا ہے پھر خدا تعالٰی کی قدرت جو غایت درجہ کا کمال ہے اس کا اظہار کس وجہ سے نقص اور عیب ہوگا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عیب (نعوذ باللہ) حق تعالٰی پر جو لگایا گیا ہے اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ اس سے مرزا صاحب کی عیسویت کو صدمہ پہنچتا ہے اس لئے کہ اگر جسم خاکی آسمان پر جا سکے تو عیسٰی علیہ السلام کی زندگی ثابت ہو جاتی ہے پھر مرزا صاحب کو کون پوچھے غرض **سبحان ربی** سے یہ مطلب نکالنا صرف تحریف ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب سوال کوئی بے موقع اور بدنما ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ لفظ بطور تعجب کہا جاتا ہے چنانچہ اس حدیث شریف سے بھی ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے۔ **عن عائشة ان امرأة سالت النبی ﷺ عن غسلها من الحیض فامرها**

كيف تغتسل قال خذى فرصة من مسك فتطهرى بها قالت كيف اتطهر بها قال تطهرى بها قالت كيف قال سبحان الله تطهرى فاجتبذتها الى فقلت تتبعي اثر الدم. یعنی ایک عورت نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ حیض کا غسل کس طرح کیا جائے فرمایا کہ ایک کپڑے کے ٹکڑے میں مشک لگا کر اس سے پاک کر۔ کہا کیسے پاک کروں؟ فرمایا پاک کر۔ پھر اس نے پوچھا کیسے؟ فرمایا سبحان اللہ پاک کر۔ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر تدبیر بتلا دی۔ اب دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس بے موقع سوال کے جواب میں بطور تعجب یہ لفظ فرمایا اسی طرح کفار کے ان بے موقع اور مہمل سوالوں کے جواب میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہ سوال بے موقع اس وجہ سے تھے کہ حضرت نے یہ دعویٰ کب کیا تھا کہ اپنی خودمختاری سے تمام خوارق عادات ظاہر فرمادیں گے حضرت تو ہمیشہ اپنی عبودیت کے معترف تھے۔ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت اور تعلّی ثابت کرنے کیلئے کیا کیا دقتیں پیش آرہی ہیں کبھی تمام علمائے اسلام کو مشرک بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی نبی ﷺ کی توہین اور حق تعالیٰ پر عیب لگانے کی احتیاج (نعوذ باللہ من ذٰلک)۔

اس تقریر سے ایک اور امر مستفاد ہے کہ مرزا صاحب معجزات کے بھی قائل نہیں اس لئے کہ معجزات تو وہی ہوتے ہیں جو قدرت الٰہیہ کی نشانیاں ہوں اور قدرت بشری سے خارج ہوں پھر جب ایسی نشانیوں کا اظہار عیب اور خدائے تعالیٰ کو اس سے منزہ سمجھنے کی ضرورت ہو تو ممکن نہیں کہ ان کا وقوع ہو سکے اس صورت میں بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث جو معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء سے بھری ہوئی ہیں (نعوذ باللہ) سب کو جھوٹی سمجھنا پڑے گا بلکہ خود قرآن شریف میں بھی جو معجزات اور خوارق عادات مذکور ہیں وہ بھی بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوں گے ہر چند مرزا صاحب اپنے کو ہم خیال معتزلہ کا بیان

کرتے ہیں چنانچہ ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں معتزلہ وغیرہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں مگر معجزات کے انکار سے ظاہر ہے کہ مذاق فلسفی میں سرسید صاحب کے بھی ہم خیال ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ انہوں نے جس قدر دینی مسائل میں تفرقہ اندازی کی مقصود اس سے بظاہر مسلمانوں کی دنیوی خیر خواہی تھی اور مرزا صاحب کو اس سے بھی کچھ کام نہیں چاہے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں مگر ان کی مجددیت امامت مہدویت عیسویت وغیرہ جم جائے تو بس ہے۔

ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی۔ اور احمد و عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کے رو سے ایک ہی ہیں اسی کے طرف یہ اشارہ ہے **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد** مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشین گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی قدرت بیان کرکے اپنا الہام بیان کیا **وجعلنا ک مسیح ابن مریم** اس کے بعد لکھا کہ جو عام طور پر مشائخ و علماء ہیں ان میں موت روحانی پھیل گئی اس کے بعد لکھا کہ اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشین گوئی موجود ہے قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس کی مدت ٹھہرائی ہے بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت **وانا علی ذهاب به لقادرون** جس کے بحساب جمل ۱۲۷۴ عدد ہیں اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی بشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عدد میں بحساب جمل پائی جاتی ہے۔

جس آیت کو مرزا صاحب نے ذکر کیا وہ یہ ہے **واذ قال عیسی ابن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**۔ ترجمہ: جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچانے والا اس کو جو مجھ سے آگے ہے توریت اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔

مرزا صاحب آپ اور عیسیٰ جمالی بن کر آنحضرت ﷺ کو اس آیت کے مصداق ہونے سے خارج کر رہے ہیں مگر ان کو ضرور تھا کہ پہلے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کر دیتے کہ عیسیٰ اور احمد جمالی نام ہیں اور محمد جلالی اس کے بعد یہ ثابت کرنے کی بھی ضرورت تھی کہ جمالی نام والے کی پیشین گوئی جمالی نام والے کے واسطے ہونا ضرور ہے اس میں جلالی نام والا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کی خودسری بھی حد سے بڑھی ہوئی ہے احادیث کی وقعت تو ان کے پاس اتنی بھی نہیں جتنی صدیق حسن خان صاحب کے قول کی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ رہا کلام اللہ اس کی حالت بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس رسول کی بشارت دی جس کا نام احمد ہے اور وہ کہتے ہیں نہیں وہ غلام احمد قادیانی کی بشارت ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشین گوئی احمد بھیجا گیا پھر ایک الہام کا جوڑ لگا کر کہ **وجعلناک مسیح ابن مریم** لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشین گوئی موجود ہے یعنی آیۂ شریفہ **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** اپنے آنے کی پیشین گوئی ہے اس لئے کہ الہام سے آپ مسیح ابن مریم ہیں اور احمد وعیسیٰ جمالی معنی کے رو سے ایک ہی ہیں تو جو احمد کی پیشین گوئی ہے وہی عیسیٰ کی پیشین گوئی ہوئی۔ اس سے حاصل مطلب صاف ظاہر ہے کہ **رسول یاتی من بعد اسمہ احمد** سے مراد غلام احمد ہے جو عیسیٰ ابن مریم

بھی ہے اور ہمارے نبی ﷺ مراد نہیں۔

قولہ: مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں۔ یعنی اگر حضرت کا نام صرف احمد ہی ہوتا تو ممکن تھا کہ اس پیشین گوئی سے کچھ حصہ مل جاتا کیونکہ آخر خود بھی تو احمد ہیں اور جب حضرت کا نام صرف احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہے تو آپ بالکل اس سے بے تعلق ہیں اس لئے کہ جلال و جمال سے مرکب ہونے کی وجہ سے خالص جمال نہ رہا جو عیسٰی میں تھا اور پیشین گوئی اسی وقت صادق آئے گی کہ عیسٰی کی حقیقت بھی اندر موجود ہو جیسا کہ لکھتے ہیں برطبق پیشین گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔

اس تحقیق سے ایک قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کسی کی نسبت پیشین گوئی کرتے ہیں تو ان کی حقیقت اس میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ عیسٰی کی حقیقت مرزا صاحب میں ہے احادیث صحیحہ سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک کل انبیاء نے دجال کی پیشین گوئی کی ہے اس قاعدہ کے رو سے مرزا صاحب کے اعتقاد میں یہ بات ضرور ہوگی کہ کل انبیاء کی حقیقت اس دجال میں ہے جس کے قتل کرنے کے لئے مرزا صاحب آئے ہیں مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب مرزا صاحب کو افضل کہنا چاہیے یا پادریوں کو کیونکہ مرزا صاحب میں تو صرف حقیقت عیسوی ہے اور پادریوں میں بحسب قاعدہ مذکورہ تمام انبیاء کی حقیقت ہے۔

قولہ: اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرف یہ اشارہ ہے **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**۔ اب دیکھنا چاہیے کہ عیسٰی علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے آنے والوں کا نام احمد ہو وہ غلام احمد ہو یا احمد بیگ یا احمد خان سب مثیل عیسٰی ہوں گے یا ان میں کوئی مابہ الامتیاز بھی ہے اگر بالکل تعمیم کی جائے تو مرزا صاحب کی شیخی باقی نہیں رہتی اور اس تخصیص

کا کوئی قرینہ نہیں جس سے مرزا صاحب ہی داخل ہوں لیکن جب ہم آیہ شریفہ کو دیکھتے ہیں تو وہ بزبان فصیح کہہ رہی ہے کہ وہ خاص رسول ہے جس کا متبرک نام احمد ہے، نہ ان میں کوئی غلام ہے، نہ بیگ، نہ خان۔ اس کے بعد مرزا صاحب کا اس غرض سے کہ خود بھی شریک ہو جائیں یہ کہنا کہ آنے والے کا نام احمد رکھا گیا ہے غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے ہر چند مرزا صاحب نے اس میں آنکھ بچا کر داخل ہونے کی یہ تدبیر نکالی کہ لفظ رسول کو چھوڑ کر صرف آنے والے کا نام احمد ہے لکھ دیا تاکہ لوگ رسالت کے دعویٰ سے چونک نہ جائیں مگر سمجھنے والے سمجھ ہی جاتے ہیں۔

چشم مخمور تو دارو زدلم قصد جگر ترک مست است مگر میل کباب دارد

اگر یہ کہتے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے اور میں وہی ہوں تو ہر طرف سے دار و گیر شروع ہو جاتی مگر داخل ہونے کے بعد چپ نہ رہ سکے دبی آواز میں رسالت کا دعویٰ بھی کر ہی دیا چنانچہ اسی بحث کے آخر میں لکھتے ہیں کہ میں آخری زمانہ میں بھیجا گیا تاکہ اس آیہ شریفہ کا پورا مصداق بن جائیں اور **رسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** میں کوئی کسر نہ رہ جائے یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے **وارسلنا الریاح** اور **انا ارسلنا الشیاطین** وغیرہ بھی فرمایا ہے جب ہوائیں اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ بھیجا کرتا ہے تو اگر مرزا صاحب نے اپنے کو بھیجا گیا ہوں کہا تو کونسی بری بات ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع ہر چیز کو خاص کام کے لئے حق تعالیٰ بھیجا کرتا ہے مثلاً ہواؤں کو پانی برسانے کے لئے۔ اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ کس کام کے لئے بھیجے گئے ہیں وہ ایک جلیل القدر شخص ہیں اس واسطے تو نہیں بھیجے گئے ہوں گے کہ زراعت وغیرہ میں لگائے جائیں کیونکہ انہوں نے زمین داری چھوڑ کر علمی خدمت اختیار کی ہے جس سے ہدایت یا ضلالت متعلق ہے اگر **انا ارسلنا الشیاطین** کے مد میں داخل ہیں تو ممکن ہے کیونکہ شیاطین کے لئے کوئی

حد مقرر نہیں کی گئی قیامت تک گمراہ کرنے والے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے مگر مرزا صاحب اس کو قبول نہ کریں گے اور یہی فرمائیں گے کہ میں ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں جس سے مقصود یہ کہ رسولوں کے زمرہ میں شریک ہوں تو یہ بات اہل اسلام ہرگز قبول نہیں کر سکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کے لئے تمام مدعیوں کو مایوس کر دیا غرض میں بھیجا گیا ہوں کہنا ان کے سوائے دعویٰ رسالت کے اور کوئی بات نہیں اور یہ دعویٰ بمقتضائے مقام ان کو لازم بھی تھا اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ اس آیت شریفہ کے مصداق نہ ہوئے تو بقول مرزا صاحب ضرور ہوا کہ وہ اس کے مصداق بنیں ورنہ خبر قرآنی خلاف واقع ہو جاتی تھی اور وہ خود کہتے بھی ہیں **رسول یاتی من بعدی اسمه احمد** سے اپنی طرف اشارہ ہے غرض اس تقریر سے اور نیز بعض الہامات سے جس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے مثلاً **انی رسول اللہ الیکم جمیعا** سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو دعویٰ رسالت ضرور ہے۔

اب ہم یہاں نہایت ٹھنڈے دل سے گذارش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مدعی رسالت ہیں اور جو مدعی رسالت ہو وہ دجال ہے۔ صغریٰ کا ثبوت ابھی معلوم ہوا اور کبریٰ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہے **قال النبی ﷺ لاتقوم الساعة حتی یبعث دجالون کذابون قریبًا من ثلثین کلھم یزعم انه رسول اللہ** (رواہ احمد والبخاری ومسلم وداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ کذا فی کنز العمال) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک جھوٹے دجال قریب تیس کے نہ نکلیں گے سب کا دعویٰ یہی ہوگا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

شکل اوّل سے یہ نتیجہ نکلا کہ غلام احمد قادیانی دجال ہے تو پہلے ہی ایسا نام رکھا گیا کہ وہ مادۂ تاریخ اس خدمت کا بن سکے یعنی مسمائے غلام احمد قادیانی بشکل اول دجال ہو تو

ان کے نام نامی سے مادہ تاریخ اس خدمت کی نکل آنا ایک مناسبت کے ساتھ ہوگا بخلاف اس کے کہ اس عدد سے عیسویت ثابت کی جائے جیسا کہ مرزا صاحب نے کی ہے مرزا صاحب جوازالۃ الاوہام میں لکھے ہیں کہ گورنمنٹ انگریزی دجال ہے۔ سو اس سے کیا فائدہ۔

قولہ: قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس مدت ٹھہرائی الخ۔

پہلے اس آیت کے بتلانے کی ضرورت تھی کہ چودہ سو برس تک مسیح کبھی نہ کبھی نکل آئے گا اور اگر حساب جمل سے نکل آنے کا نام قرارداد مدت ہے تو جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان کے اعداد نکال کر دیکھ لیجئے کہ چودہ سو برس پر انحصار نہیں ہوسکتا پہلے سب سے زیادہ مستحق اعداد نکالنے کے لئے وہ آیت ہے جس میں حقیقت عیسیٰ یعنی احمد آنے کا ذکر ہے۔ یعنی آیت **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** مگر اس میں سولہ سو نکلتے ہیں چونکہ اس میں بہت سے تجربہ کی ضرورت ہے اس لئے مرزا صاحب اپنے کام میں اس کو نہ لاسکے جب ان کو اس مضمون کی کوئی آیت نہ ملی جس میں عیسیٰ یا احمد کا ذکر ہو تو بہ مجبوری یہ آیت اختیار کی **وانا علی ذھاب بہ لقادرون** جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں۔ اب یہ نہیں معلوم کہ کس کے لے جانے پر قادر ہیں کیونکہ آیت تو پوری ذکر ہی نہیں کی جس سے ضمیر کا مرجع معلوم ہو اس لئے کہ اس کے اعداد بہت بڑھ جاتے ہیں اس الہام کو انہوں نے اس طرح اٹھایا کہ اس میں اسلامی چاند کے سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ ہے جس سے ہر شخص سمجھ جائے کہ ضمیر چاند کی طرف پھرتی ہے اور چاند جانے سے سلخ ہوجاتا ہے مگر پوری آیت جو دیکھی گئی تو اس میں چاند کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ ہم آسمان سے اندازہ کا پانی برسا کر اس کو زمین میں رکھتے ہیں پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہم اس کو بھی لے جانے پر قادر ہیں **کما قال تعالیٰ وانزلنا من السماء ماءً بقدر فاسکناہ**

فی الارض وانا علی ذهاب به لقادرون. اس صورت میں مرزا صاحب نے سن ۱۲۷۴ کے عدد کی آیت جو اس غرض سے نکالی تھی کہ اپنے ظہور کے پیشتر اسلام کا چاند ڈوب جائے گا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی تحریف کی ضرورت پڑی کیونکہ بہٖ کی ضمیر کو چاند کی طرف پھیر دی جس کا ذکر ہی نہیں تا کہ جہاں اعتبار کر کے سمجھ لیں شاید اوپر اس کا ذکر ہوگا پھر غلام احمد قادیانی سے یہ نکالا کہ تیرہ سو برس میں عیسیٰ نکلے گا اب دیکھئے کہ اس سلسلہ تقریر کی ابتداء یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہے اس میں یہ تحریف کی کہ آنحضرت ﷺ پر صادق نہیں آتی پھر یہ بات بنائی کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ چودہ سو برس تک عیسیٰ نکلے گا پھر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ عیسیٰ تیرہ سو برس میں نکل پڑا ایک آیت پیش کی کہ قرآن سے ثابت ہے کہ ۱۲۷۴ میں اسلام کا چاند غروب کرے گا حالانکہ نہ اس میں چاند کا ذکر ہے، نہ ۱۲۷۴ کا۔ پھر اپنے نام کے مجرد اعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) سے یہ مطلب نکالا کہ عیسیٰ کے نکلنے کا سنہ یہی ہے معلوم نہیں کہ اس سنہ کے ساتھ عیسیٰ کو کیا مناسبت۔ پہلے کوئی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ سن ۱۳۰۰ میں نکلے گا اس کے بعد اگر یہ نام کے اعداد لکھے جاتے تو ایک شاعرانہ مضمون کی دلیل بن سکتی اس تقریر سے تو وہ بھی نہ بنی۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ ایجاد کیا ہے کہ کچھ کمی و زیادتی کر کے آیت یا حدیث کو اپنے مطلب کی تائید میں لے لیتے ہیں یہ طریقہ کوئی قابل تحسین نہیں اکثر آزاد غیر متدین یہی کام کیا کرتے ہیں مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں اور یہ الہام **انا انزلناہ قریبا من القادیان وبالحق انزلناہ وبالحق نزل وکان وعد اللہ مفعولا** جو براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے بصراحت اور بآواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں بد پیشین گوئی موجود ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے ہیں انہوں نے ان فقرات کو پڑھا۔ **انا انزلناہ قریبا من القادیان** تو میں نے سن کو بہت تعجب سے کہا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے تب انہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر جو ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ، مدینہ، قادیان۔ مرزا صاحب کے دعویٰ عیسویت پر جب یہ اعتراض ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا صحیح صحیح احادیث سے ثابت ہے تو انہوں نے خود یہ سوال کر کے اس کا جواب دیا کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ امام حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کے نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا ہمرنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں کلام نہیں ہوگا اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت اور سچی مشابہت سے تنبیہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ کہا گیا تا کہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آجائے جس میں لخت جگر رسول اللہ ﷺ حضرت مسیح کے طرح کمال درجہ کے ظلم اور جور و جفا کے راہ سے دمشقی اشقیا کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدائے تعالیٰ اس دمشق کو جس سے ایسے ظلم پر احکام نکلتے تھے اور جس ایسے سنگدل اور سیاہ دروں لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے تشابہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی ہی میں آتے رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ لعنت کی جگہ کو برکت کے مکانات بنا تا رہتا ہے اس استعارہ

کو خدائے تعالیٰ نے اس لئے اختیار کیا کہ پڑھنے والے دو فائدہ اس سے حاصل کریں ایک یہ کہ امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشین گوئی اشارہ کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی اس کی عظمت اور وقعت دلوں پر کھل جائے دوسرا یہ کہ تا یقینی طور پر معلوم کر جائیں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کے کام انہوں نے کئے ایسا ہی جو مسیح آنے والا ہے دراصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کے روحانی حالت کا مثیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے کہ جس کے دل میں حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہیے ہر ایک شخص اس دمشقی خصوصیت کو جو ہم نے بیان کی ہے کمال انشراح صدر سے ضرور قبول کرے گا اور نہ صرف قبول بلکہ اس مضمون پر نظر امعان کرنے سے حق الیقین تک پہنچ جائے گا۔

اس تقریر میں مرزا صاحب نے کئی امور ثابت کیے ہیں۔

۱......قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے۔

۲......قادیان و دمشق میں مشابہت معنوی ہے۔

۳......حدیث شریف میں قادیان بلفظ دمشق بیان کیا گیا۔

۴......دمشق کے لوگ ظالم ہونے کی وجہ سے قادیان میں برکت پھیلی اور عدل کا ہیڈ کوارٹر ہوا۔

۵......عیسیٰ علیہ السلام کے دمشق میں اترنے کی پیشین گوئی جو حدیث شریف میں ہے لفظ دمشق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کا اشارہ ہے۔

۶......یہ بات یقینی طور سے معلوم ہوگئی کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔

قرآن میں قادیان کا نام تلاش کرنے کی ضرورت مرزا صاحب کو اس وجہ سے

ہوئی کہ **انا انزلناہ قریبا من القادیان** کا الہام ہوا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور بآواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔

اس سے ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ الہام میں جس چیز کا نام ہو وہ نام قرآن میں ضرور ہوا کرتا ہے اگر صرف یہی ایک آیت **انا انزلناہ قریبا من القادیان** قرآن میں بڑھادی جاتی تو چنداں فکر کی بات نہ تھی یہ ایک مصیبت تھی کسی طرح نمٹ لی جاتی مگر اس قاعدے نے تو کمر ہی توڑ دیا کہ جو چیز الہام میں ہو وہ قرآن میں بھی ہوگی مرزا صاحب کے الہاموں کا سلسلہ ایک مدت دراز سے جاری ہے اور ابھی اس کے ختم ہونے کی توقع بھی نہیں بلکہ زیادتی ہی کا اندیشہ ہے اس لئے کہ جس قدر پختگی بڑھتی جائے گی الہاموں کی آمد زیادہ ہوگی اور اگلے پچھلے الہاموں کی آیتیں بڑھتی جائیں گی جس سے بجائے خود ایک دوسرا قرآن تیار ہو جائے گا۔ قادیان والی آیت ایک عالم کو برہم کر رہی ہے جب وہ پوٹ کا پوٹ نیا قرآن نکلے گا تو معلوم نہیں کیسی قیامت برپا کرے گا۔

روز اول کہ بسر زلف تو دیدم گفتم　　　کہ پریشانی این سلسلہ را آخر نیست

اس الہام میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ **انا انزلناہ** کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے اگر قرآن کی طرف ہے تو چنداں مضائقہ نہیں اس لئے کہ جو قرآن قادیان میں اترتا ہے اس میں قادیان کا نام بے موقع نہ ہوگا مگر مرزا صاحب کا اس پر راضی ہونا دشوار ہے وہ تو یہی فرمائیں گے کہ اگر جعلی قرآن میں بھائی صاحب نے یہ آیت بڑھادی تو لطف ہی کیا رہا۔ عظمت وشان قادیان تو جب ہوگی کہ قرآن قدیم میں یہ آیت بڑھے اسی وجہ سے یہ لکھتے ہیں کہ قادیان کا نام اعزاز کے ساتھ مثل مکہ ومدینہ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے اور **انزلناہ** کی ضمیر مسیح وغیرہ کے طرف پھر نہیں سکتی اس لئے کہ اس کا ذکر پہلے نہیں جو شرط ضمیر غائب ہے اور اگر یہی مطلب ہوتا تو مثل دوسرے الہاموں کے **انزلناک** بصیغہ خطاب ہوتا یا مرزا

صاحب خود کہہ دیتے کہ **انا انزلناہ** کی ضمیر میری طرف پھرتی ہے اور جہاں قرآن شریف میں **انا انزلناہ** اور **وبالحق انزلنٰہ وبالحق نزل** وارد ہے قرآن شریف کی طرف ضمیر پھرتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ **انا انزلناہ** کی ضمیر قرآن ہی کی طرف پھرتی ہے مگر جب واقعہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن قریب قادیان نہیں اتارا گیا اور ہم مرزا صاحب پر بھی جھوٹ کا الزام نہیں لگا سکتے کہ بغیر الہام ہونے کے کہہ دیا کہ مجھ پر یہ الہام ہوا اب سخت دشواری یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سچا کہیں تو قرآن کا قادیان میں اترنا واقع کے خلاف ہے اور اگر واقعہ کا لحاظ کریں تو مرزا صاحب جھوٹے ہوئے جاتے ہیں مگر تطبیق وتوفیق کی ضرورت نے ہمیں ایک ایسا کھلا راستہ دکھلا دیا کہ ہم اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے وہ یہ کہ **انا انزلناہ** کا کہنے والا کوئی دوسرا ہی ہے جس کی تصدیق خود مرزا صاحب ہر جگہ کرتے ہیں چنانچہ ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں جب کہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ ومرد وفرد کو شیطانی الہام ہوا تو دوسرے عامۃ الناس اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ ان کو الہام ضرور ہوا اور قرآن شریف کا قادیان میں اترنا بھی نہیں لازم آتا البتہ صرف اتنی جرأت کی ضرورت ہے کہ وہ الہام شیطانی مان لیا جائے اور یہ چنداں بدنما بھی نہیں اس لئے کہ جب ہم خلاف واقع اور جھوٹ کے مقابلہ میں اس کو لا کر دیکھتے ہیں تو بمصداق **من ابتلی بلیّتین فخیار اھونھما** کے اس کو الہام شیطانی سمجھنا مرزا صاحب کو بھی مفید ہے اس لئے کہ جھوٹا رسول ہرگز نہیں ہوسکتا جس کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے اور نہ مجدد وامام زمان کی یہ شان ہے کہ خلاف واقعہ یا جھوٹ کوئی خبر دے۔ رہا الہام شیطانی سو بقول مرزا صاحب بڑے بڑے لوگوں کو ہو چکا ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اس صورت میں مرزا صاحب اپنی ذات سے بری الذمہ ہو جائیں گے کہ جو کچھ انہوں نے واقعہ میں دیکھا کہہ دیا اس سے کیا بحث کہ دکھانے

والا کون تھا وہ فعل مرزا صاحب کا نہیں جو اس کے ذمہ دار ہوں بلکہ دکھانے والا قابل مواخذہ ہوگا ہر چند وہ اپنی براءت ظاہر کرے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **کمثل الشیطان اذ قال للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٔ منک انی اخاف اللّٰہ رب العلمین** مگر مواخذہ سے وہ بری نہیں ہوسکتا جیسا کہ اسی آیت شریفہ کے آخر میں ہے: **فکان عاقبتھما انھما فی النار.**

البتہ ایک الزام مرزا صاحب کے ذمہ عائد ہوگا کہ انہوں نے الہام شیطانی اور رحمانی میں فرق نہ کیا مگر اہل دانش اس باب میں بھی ان کو معذور رکھ سکتے ہیں کہ الہام ایک کیفیت وجدانی کا نام ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے میں احساس کرتا ہے یہ کیا معلوم وہ کہاں سے آئی جب شیطان الہام کرنے پر قادر ہے تو وہ ایسا بے وقوف نہیں کہ اپنا نام اس الہام کے وقت بتا کر خبردار کردے جس سے اس کا مقصود فوت ہوجائے غرض اس الہام کو شیطانی کہیں تو مرزا صاحب کے ذمہ اس کا قصور عائد نہیں ہوسکتا مگر مرزا صاحب کو یہ فرمانا سزاوار نہیں کہ قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے مرزا صاحب کو اپنے الہام و مکاشفہ پر کس قدر وثوق ہے جو لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور بلند کہہ رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں ہے اور آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ اوپر معلوم ہوا۔ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اپنے مکاشفہ کو آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ سے کس قدر بڑھا رہے ہیں اور کس قدر اپنی فضیلت آنحضرت ﷺ پر اس باب میں بیان کررہے ہیں مگر آخری زمانہ کے مسلمانوں کو اس کی کیا پرواہ۔ وہ لکھتے ہیں کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت معنوی ہے اس لئے کہ امام حسین اور عیسیٰ علیہما السلام کے واقعے نہایت ہم رنگ ہیں مطلب اس کا یہ ہوا کہ قادیان مشبہ اور دمشق مشبہ بہ ہے اور وجہ شبہ مظلومیت کا مقام ہونا مرزا صاحب کو

ضرور تھا کہ دونوں واقعوں کی ہمرنگی پہلے ثابت کرتے کیونکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ مارے گئے، نہ سولی پر چڑھائے گئے بلکہ نہایت عظمت وشان کے ساتھ شاداں وفرحاں آسمان پر چلے گئے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لهم** و قولہ تعالیٰ **وما قتلوہ یقیناً بل رفعه الله الیه** اور اگر بالفرض عیسیٰ علیہ السلام بحالت مظلومی سولی پر چڑھائے بھی گئے جیسے مرزا صاحب کہتے ہیں تو پہلے یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر قادیان میں ظلم ہوا تھا تا کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت ثابت ہو جو مقصود اس تقریر سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جاتا کہ امام حسین علیہ السلام دمشق میں مظلوم شہید ہوئے کیونکہ ان دونوں شہروں میں جو مشابہت بیان کی جارہی ہے اس میں وجہ شبہ یہی ہے کہ دونوں مظلومیت کے مقام ہیں اور اگر وجہ شبہ یہ ہے کہ اجرائے احکام ظلم کے مقام ہیں تو یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کے احکام قادیان سے جاری ہوئے اور یہ دونوں امر خلاف واقع ہیں یعنی نہ دمشق میں امام حسین پر ظلم ہوا، نہ قادیان میں عیسیٰ علیہ السلام پر۔ پھر ان دونوں واقعوں کے ہم رنگ ہونے سے قادیان ودمشق میں مشابہت کہاں سے آ گئی کیونکہ وجہ شبہ طرفین میں موجود نہیں حالانکہ مشابہت کے لئے اس کا طرفین میں موجود ہونا ضرور تھا۔

پھر مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ لفظ دمشق بطور استعارہ قادیان پر استعمال کیا گیا اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے **اذ بعث الله المسیح ابن مریم فینزل عندالمنارۃ البیضاء شرقی دمشق** یعنی عیسیٰ علیہ السلام دمشق کے شرقی جانب منارہ کے پاس اتریں گے مقصود انکا یہ ہے کہ دمشق سے مراد قادیان ہے عموماً اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ استعارہ ایک قسم کا مجاز ہے اس لئے کہ اس میں بھی لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل نہیں ہوتا اس وجہ سے وہاں ایسے قرینہ کی ضرورت ہے کہ معنی موضوع لہ مراد نہ

ہونے کو صراحۃً بتلا دیئے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ شیر کو دیکھا ہوگا یہ کوئی نہ سمجھے گا کہ کسی جوانمرد آدمی کو اس نے دیکھا ہے جب تک کوئی قرینہ اس پر قائم نہ کیا جائے اور اگر یوں کہے میں نے ایک شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا تو اس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اس نے شیر کو دیکھا نہیں بلکہ کسی جوانمرد آدمی کو دیکھا ہے کیونکہ تیر چلانا اس امر پر قرینہ ہے کہ شیر کے حقیقی معنی مراد نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک قرینہ قائم نہ ہو معنی حقیقی متروک نہیں ہو سکتے اب دیکھئے کہ اگر اس حدیث شریف میں دمشق کے حقیقی معنی متروک ہوتے اور قادیان اس سے مراد ہوتا تو اس پر کوئی قرینہ ضرور ہوتا حالانکہ کوئی قرینہ نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل ہے اور قادیان اس سے مراد سمجھنا محض غلط ہے۔

اور نیز علم بیان میں مصرح ہے کہ استعارہ اعلام میں جائز نہیں مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور اس سے یہ مراد لی کہ دہلی یا لکھنؤ میں داخل ہوا تو ہرگز صحیح نہیں اسی طرح دمشق سے قادیان مراد لینا صحیح نہیں شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ سخی کو حاتم کہنا صحیح ہے حالانکہ حاتم بھی ایک شخص کا نام تھا اس کا جواب یہ ہے کہ حاتم سخاوت میں ایسا مشہور ہے کہ شخصی معنی کی طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ حاتم کہنا اور جواد کہنا برابر ہے۔

اس وجہ سے گویا علمی معنی اس کے متروک ہو گئے چنانچہ تمام کتب فن میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ دمشق میں یہ بات صادق نہیں آتی جس وقت آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا بیان فرمایا اس وقت یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محل اجرائے احکام ظلم ہے بلکہ برعکس اس کے مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ نہایت عمدہ اور برگزیدہ مقام تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نہایت فضیلت اس کی بیان فرمائی تھی چنانچہ صحیح روایتوں میں وارد ہے کہ شام اللہ تعالیٰ کے پاس تمام شہروں میں برگزیدہ اور پسندیدہ مقام اور خدائے تعالیٰ کے

بہترین عباد کے رہنے کی جگہ ہے اور خاص دمشق کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ شام کے تمام شہروں میں دمشق بہتر ہے۔ اب غور کیا جائے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دمشق کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ اور تمام امت میں اس کی عمدگی مشہور ہوگی یا بقول مرزا صاحب اس کی خرابی کہ وہاں کے لوگ بدترین خلق ہیں اگر چند روز یزید نے ظلم کے احکام جاری کیے تو اس سے دمشق کی ذاتی فضیلت کو کیا نقصان جیسے ابوجہل وغیرہ سے مکہ معظمہ کی عظمت میں کوئی نقص نہ آیا یہ تو قاعدہ ہے کہ جہاں اچھے لوگ بکثرت ہوتے ہیں چند برے بھی ہوتے ہیں بڑی حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ تو دمشق کو اچھا اور اس میں رہنے والوں کی تعریفیں فرمائیں اور مرزا صاحب برخلاف اس کے یہ کہتے ہیں کہ وہ برا اور اس میں رہنے والے نہایت برے ہیں یہ کیسی بے باکی ہے کہ امتی ہونے کا دعویٰ اور اس پر یہ مخالفت (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اب دیکھئے کہ نہ دمشق میں کوئی ذاتی برائی ہے، نہ باعتبار واقعہ کے اس میں کوئی برائی آئی، نہ قادیان و دمشق میں کسی بات میں مشابہت ہے، نہ استعارہ دمشق کا علم ہونے کی وجہ سے صحیح ہوسکتا ہے مگر مرزا صاحب زبردستی نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث کو جھوٹی بنانے کی فکر میں ہیں کہتے ہیں کہ نہ عیسیٰ اتریں گے، نہ دمشق ان کے اترنے کی جگہ ہے۔ اگر عیسیٰ ہوں تو میں ہوں اور اگر ان کے اترنے کی جگہ ہے تو قادیان ہے یہاں مجنوں کی حکایت یاد آتی ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ خلافت امام حسین کا حق تھا یا یزید کا اس نے کہا کہ نہ ان کا حق تھا نہ اس کا میری لیلیٰ کا حق تھا مرزا صاحب بھی چونکہ عیسویت کے عاشق ہیں اس قسم کی بات کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے مجنونانہ مضامین کو قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے دمشق کو نشانہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل و ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی بستی میں آتے رہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ قادیان مثیل دمشق ہے یعنی ظالموں کی بستی ہے اور ایسے بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اس لئے خود بدولت قادیان میں عدل پھیلانے کو آئے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں جبھی تو کہا کہ انبیاء ایسی بستیوں میں آتے رہتے ہیں۔ اگر ختم نبوت کے قائل ہوتے تو کہتے کہ آتے رہتے تھے۔ جب قادیان کا ظالموں کی بستی ہونا ثابت کر کے کہا کہ ایسی بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں اس میں ایمان وعدل پھیلانے کو آیا ہوں اور نیز لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں برطبق پیشین گوئی احمد بھیجا گیا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا تو اب ان کے دعویٰ نبوت میں کیا شک ہے۔

مرزا صاحب نبوت کی طمع میں قادیان کے لوگوں کو زبردستی ظالم بنا رہے ہیں ہم نے تو نہ کسی سے یہ سنا کہ قادیان ظالموں کی بستی ہے، نہ کوئی اس میں ظلم کا ایسا واقعہ کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ غیر معمولی طور پر یادگار رہا ہو البتہ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب پر وہاں کے لوگوں نے یورش کی ہوگی مگر وہ بیچارے اس میں معذور ہیں کیونکہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعال طبع کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا ان کے علماء ومشائخین زمانہ پر گالیوں اور لعنت کی وہ بوچھاڑ کی کہ الامان۔ جس کو آپ دیکھ چکے ان کی دینی کتابوں کو لکھا کہ شرک سے بھری ہوئی ہیں ان کے اعلیٰ درجہ کے مقتدا یعنی صحابہ اور تابعین ومحدثین وغیرہم پر شرک کا الزام لگایا ان کے نبی کی شان میں جو آیت وارد ہوئی اس کے مصداق خود بن بیٹھے ان کی کتاب یعنی قرآن شریف میں تحریف کر کے بگاڑنے کا گویا بیڑا اٹھایا۔ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کر کے ان کے نبی کی ریاست کو جو قیامت تک قائم ہے چھیننا چاہا اس پر بھی اگر وہ لوگ برہم نہ ہوتے تو خدا اور رسول کے پاس ان کا نام کس زمرہ میں لکھا جاتا اور ہم چشموں میں ان کی کس درجہ کی بے حرمتی اور بے غیرتی ثابت

ہوتی کیسا ہی بے غیرت مسلمان ہو ممکن نہیں کہ اتنی باتیں سن کر اس کی رگ حمیت جوش میں نہ آئے۔ مرزا صاحب اگر گورنمنٹ کی حمایت میں نہ ہوتے تو دیکھتے کہ قادیان ہی کے لوگ کیا کرتے اب بھی کسی اسلامی سلطنت میں اپنے تصنیفات لے جائیں اور پھر دیکھیں کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کو گورنمنٹ کا بہت شکریہ کرنا چاہیے مگر بجائے شکریہ کہ گورنمنٹ کو دجال کہتے ہیں جیسا کہ رسالہ عقائد مرزا مطبوعہ امرتسر میں لکھا ہے اور وہ قادیان کی گورنمنٹ کو ظالم قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کو دمشق کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جیسے دمشق کی حکومت سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر ظلم اور بیداد کے احکام جاری ہوئے قادیان کی حکومت سے بھی ایسا ہی ہوا۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر دمشق میں ظلم نہیں ہوا جس سے مرزا صاحب کی مظلومیت قادیان میں بطور تشبیہ ثابت ہو۔ لسان شرع شریف سے تو دمشق کی مدح ثابت ہے مگر مرزا صاحب اس کی مذمت اس بناپر کرتے ہیں کہ اس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پچاس برس بعد ظلم ہوا حالانکہ حضرت نے شہادت کا واقعہ جو بیان فرمایا اس میں اگر دمشق کا نام بھی ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ شہر دار الظلم ہوگا برخلاف اس کے خاص طور پر صراحۃً دمشق کی تعریف کی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اگر صرف اس بناپر کہ کسی زمانہ میں کسی شہر میں ظلم ہوا اور ایسے شہر کا نام لینے سے اس ظلم کی طرف اشارہ ہوتا ہو تو یہ لازم آئیگا کہ جہاں مکہ معظمہ کا نام قرآن وحدیث میں آئے ان تمام اذیتوں کی طرف اشارہ ہو جائے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بارہ سال تک ہوتی رہیں جن کا حال متعدد احادیث میں موجود ہے اہل اسلام پر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ تکلیف کا صدمہ اس قدر ہونا چاہیے کہ اپنی یا اور کسی کی موت سے ہو چہ جائیکہ اتنی مدت مدیدہ تک پیہم صدمات وتکالیف شاقہ جاری رہے جس سے ہجرت کی نوبت پہنچے اگر ذکر مکہ سے اشارہ ان تمام اذیتوں کی طرف ہو تو وہ شہر مبارک بقول مرزا صاحب

(معاذ اللہ) مبغوض ہونا چاہیے حالانکہ نہ کسی حدیث سے مرزا صاحب اس کا مبغوض ہونا ثابت کرسکیں گے۔ نہ کوئی مسلمان اس کو مبغوض کہہ سکتا ہے کیونکہ چند بدمعاشوں کے ظلم وزیادتی سے کوئی متبرک اور ممدوح شہر مبغوض نہیں ہوسکتا۔

مرزا صاحب جو دمشق کو مبغوض قرار دے رہے ہیں صرف کارسازی اور خودغرضی ہے مقصود صرف ان کا یہ ہے عوام الناس کو جو ظاہر بین ہوتے ہیں ایک واقعہ جانکاہ یاد دلا کر اس کی خرابی کی جہت کی طرف متوجہ کردیں اور ساتھ ہی وہی جہت قادیان میں قائم کرکے دمشق سے مراد قادیان لے لیں جس سے اپنی عیسویت جہلاء کے پاس جم جائے اور آنحضرت ﷺ کا مقصود صریح فوت ہوجائے اسلئے کہ مقصود اس حدیث شریف سے اسی قدر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں اتریں گے۔ نہ اسکے سیاق وسباق میں امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام ہے، نہ دمشق کی خرابی، نہ کسی طرف اشارہ ہے اب دیکھئے کہ یہ کیسی کھلی کھلی تحریف ہے۔

مرزا صاحب کو منظور تھا کہ قادیان کو دمشق ثابت کریں اس لئے یہ واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ قادیان کے لوگ یزیدالطبع ہیں اگر اس کو مکہ بنانا منظور ہوتا تو یہ آیۂ شریفہ **ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا وھدی للعلمین** پیش کرکے وہی تقریر فرماتے کہ مکہ کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا چونکہ آنحضرت ﷺ پر نہایت ظلم ہوا اور قادیان میں ابوجہلی الطبع لوگوں نے اپنے پر ویسا ہی ظلم کیا اس لئے مکہ سے قادیان مراد ہے۔ بمناسبت مردم یزیدی الطبع قادیان دمشق ہو تو یہ مناسبت ابوجہلی الطبع قادیان مکہ بننے کو کیا دیر۔

مرزا صاحب کی غمخواری حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نسبت سلام روستائی سے کم نہیں ان حضرات کو ان امور سے کام ہی کیا۔ وہاں تو اعلانیہ بے دھڑک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اعتراضات ہوتے ہیں کہ انہوں نے خواہ مخواہ سلطنت میں مداخلت کرکے مخالفت

کی جیسا کہ صاحب عصائے موسیٰ نے مدلل لکھا ہے اور خط مولوی نورالدین صاحب جو مرزا صاحب کے اعلیٰ درجہ کے حواریین میں سے ہیں نقل کیا ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ **لا یلدغ المومنین من حجر واحد مرتین** وارد ہے۔ حضرت امام اس حجر میں کیوں جا گھسے صحابہ کی مشاورت کے خلاف کیوں کیا۔

لیجئے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی حرکت ومخالفت قابل مواخذہ واعتراض ٹھہرے تو یہ اظہار خوش اعتقادی غرض آمیز نہیں تو کیا ہے اگر مرزا صاحب کی خوش اعتقادی دلی ہوتی تو ان کے مریدین کو کبھی ایسی تقریروں کی جرأت نہ ہوتی۔

تحریر فرماتے ہیں کہ یقینی طور پر سے معلوم ہو گیا کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔ سبحان اللہ کجا دمشق کجا قادیان پھر طرفہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو یقین بھی آ گیا مرزا صاحب کو یقین ایسی باتوں کا ہوا کرتا ہے لیکن احادیث صحیحہ پر یقین نہیں آتا **اللّٰھم انا نعوذبک من شرور انفسنا**۔

یہ چند تحریفیں جو مرزا صاحب کی لکھی گئیں مشتے نمونہ از خرواری ہیں۔ **ان شآء اللہ تعالیٰ** آئندہ بحسب فرصت وقت اور بھی لکھی جائیں گی اس وقت اکثر احباب کی یہ رائے ہوئی کہ بالفعل یہ رسالہ "**انوار الحق**" جس قدر لکھا گیا طبع کرا دیا جائے تا کہ جس کو توفیق ازلی ہو اس سے بہرہ یاب ہو اس لئے اس حصہ کو میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ الٰہی بطفیل اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ جو راہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی اور صحابہ سے آج تک اہل حق کا اُس پر اتفاق واجماع رہا اس کی پیروی میں مصروف اور نئے نئے دین وآئین وخیالات سے محترز اور محفوظ رہیں۔ آمین۔

تَمَّتْ بِالْخَیْرِ

ضیاء الحق والدین

حضرت مولانا حافظ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین سیال شریف

- حالاتِ زندگی
- ردِّ قادیانیت

شیخ طریقت، مجاہد جلیل حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ابن حضرت خواجہ محمد الدین ابن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (قدست اسرارہم) ۱۳۰۴ھ/ ۷-۱۸۸۶ء میں سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے "منظور حق" (۱۳۰۴ھ) مادہ تاریخ ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے علوم دینیہ کا بے حد شوق تھا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ممتاز افاضل سے علم دین کی تعلیم حاصل کی اور والد ماجد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ بائیبل پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ مطالعہ کتب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اکثر و بیشتر شام کا کھانا رات کے دو تین بجے تناول فرماتے تھے۔ ملک اور بیرون ملک سے کتب دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منگوا کر کتب خانہ میں خاصی توسیع کی۔ آستانہ عالیہ پر قائم شدہ دار العلوم کو خاطر خواہ ترقی دی۔ علامہ زمان مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے جلیل القدر شاگرد امان اللہ، مولانا محمد حسین اور دیگر اجلہ فضلاء کو آپ ہی کی کشش سیال شریف کھینچ لائی تھی۔ علم دوستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین مدظلہ العالی کو تحصیل علم کے لئے اجمیر شریف مولانا محی الدین اجمیری کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کا کمال علمی اور علوم دینیہ سے لگاؤ آپ ہی کا مرہون نظر ہے۔

آپ کے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد اور مکار فرنگی سے حد درجہ تنفر تھا۔ آپ نے تمام عمر انگریز کو زمین کا لگان نہ دیا۔ ملت مسلمہ کی اس خیر خواہی اور انگریز دشمنی کے تحت آپ نے تحریک "ترک موالات" کی حمایت کی۔ آپ نے نہ صرف خود انگریز کی مخالفت میں حصہ لیا بلکہ دیگر مشائخ کو بھی اس مخالفت میں حصہ لینے کی طرف رغبت دلائی۔ آپ نے دربار رسالت ﷺ میں منظوم استغاثہ پیش کیا جس کے ایک ایک مصرعے سے درد

اور کرب کا اظہار ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں : بیت

آپ کی امت سا دنیا میں نہیں کوئی ذلیل	ایں سزائے آں کہ او شد بیخبر زام الکتاب
قوم مسلم ذہن کی علت میں ہے اب مبتلا	اسقنا کأساً شفاء من لدنک یا سحاب
عقل مسلم کی ہوئی گم، اس کا سر ایسا پھرا	نیک را بدمی شمار کج را داند صواب
رحم کر ہم پر جو ہے تو رحمۃ للعالمین	چہرۂ پر نور تاباں را نمائی بے نقاب
اے خدا بخش دے ہم کو ضیاء شمس دیں	سرخرو باشیم و شاداں پیش تو یوم الحساب

ایک مرتبہ انگریز کمشنر حاضر ہو کر ۳۵ مربع اراضی کی لنگر کیلئے پیش کش کی لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ:

''اگر انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دیدے تو بھی میرا ایمان نہیں خرید سکتا۔ فقیر شاہی خزانے کا مالک ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے''۔

عنقاء شکار کس نشود دام باز چیں	کانجا ہمیشہ یا و بدست است دام را

تحریک خلاف کے سلسلے میں جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ضلع سرگودھا کے قریب ۱۵۶ افراد گرفتار کیے گئے جن میں سیال شریف کے دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد حسین اور دیگر علماء بھی تھے۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین قدس سرہ کے وارنٹ گرفتاری بھی جاری ہوئے لیکن ٹوانہ قوم کے رؤساء نواب بخش اور خدا بخش وغیرہما نے انگریز کمشنر کو واشگاف الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر حضرت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا گیا تو ان سے پہلے ہم جیل میں جائیں گے اور گورنمنٹ کے مخالف ہو جائیں گے۔ چنانچہ حالات کے خطرناک تیور دیکھ کر آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آپ نے سون سیکسر کے پہاڑی علاقے سے وہ پتھر اکھیڑ کر پھینک دیا جس پر ترکوں کے خلاف داد شجاعت دینے والے فوجیوں کے نام کندہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

"ہم ان بدبختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں"۔

آپ نے ردمرزائیت میں ایک رسالہ معیار مسیح تحریر کیا جو ۱۳۲۹ھ میں چھپا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ بڑے والہانہ تعلقات تھے۔ عید کے موقع پر آپ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: بیت

عید شد ہر کس زیارے عید یے دارد ہوس   عید ما و عیدئی ما دیدن روئے تو بس

عید مردم دیدن مہ، عید ما دیدار تو   این چنیں عیدے نہ بیند در دو عالم ہیچکس

۱۳ محرم الحرام، ۲۴ جون (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء) کو آپ کا وصال ہوا اور آپ سیال شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔

مولائے کریم! قوم کو ان سے بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرما۔

معیار المسیح

(سنِ تصنیف: 1911ء / 1329ھ)

تصنیفِ لطیف

ضیاء الحق والدین

حضرت مولانا حافظ محمد ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین سیال شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی انزل علٰی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا قیما لینذر باسا شدیدا من لدنہ ویبشر المؤمنین الذین یعملون الصّٰلحٰت ان لھم اجرا حسنا ماکثین فیہ ابدا وینذر الذین قالوا اتخذ اللہ ولدا۔ ونصلی علٰی رسولہ الذی ارسل اللہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ اما بعد

فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی بجواب رسالہ سردار خان بلوچ ترقیم کرتا ہے۔ اگرچہ وہ رسالہ اس قابل نہیں کہ اس کے جواب میں تضیع اوقات کی جائے۔ بنا بر قول شخصے

جواب جاہلاں باشد خموشی

اس لئے کہ نہ تو اس رسالہ کی کوئی تردید دقت طلب امر ہے کیونکہ وہ خود بخود اپنے آپ کو رد کر رہا ہے، نہ ان کا کوئی امر بحث طلب، نہ مؤلف کا مذہبی ثبوت اس سے ہوسکتا ہے۔ غرض کسی طرح پر اس کو وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جا سکتا، نہ لفظاً، نہ معناً مگر چونکہ خان موصوف نے اس کے جواب نہ دینے والے کو جاہل اور **جاھدون فی سبیل اللہ** سے اعراض کرنے والا مقرر کیا ہے لہٰذا مؤلف کے چند مقامات کو جو لب لباب اور موضوع[1] رسالہ کا ہیں مشتے نمونہ از خروارے مدنظر رکھ کر کچھ لکھا جاتا ہے۔

بعون تعالیٰ اگر مرزائی اس پر اعتراض اور کج بحثی کریں۔ اور تاویل اور تحریف سے کام لیں تو آپ کے فرمان من حرامی حجتاں ڈھیر کے آپ ہی اس کے مصداق ٹھہریں گے۔ میں تو ایسے الفاظ کو ہرگز استعمال نہ کرتا مگر بہ خورے عطائے تو بہ لقائے تو بہ آپ کا مہذبانہ قول آپ ہی

[1] اس سے یہ مراد ہے کہ لفظی تردید نہیں کی جاتی صرف مضمون اور مذہب کی تردید کی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہی کافی ہوگی۔ اگر خان مذکور نے اس پر اکتفا نہ کیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ لفظ بلفظ اور حرف بحرف رد کیا جائے گا۔

کو واپس کیا جاتا ہے۔ سو پہلے اب یہ جاننا چاہیے کہ حضرت رسول کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اور اس پر قرآن مجید شاہد ہے۔ مثلاً **ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین و کان اللّٰہ بکل شیٔ علیما** ٥ اور اسی طرح احادیث متواترہ جیسے **لا نبی بعدی ولا مرسل و انا خاتم النبیین**۔ اور اس پر اجماع امت کا ہے اور صدق لانا اجماع امت پر حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: **لاتجتمع امتی علی الضلالۃ**۔ اور مرزا صاحب کا بھی یہی قول ہے۔ دیکھو خاتم النبیین صفحہ اوّل **واشهد ان محمدا خاتم النبیین لا نبی بعدہ**۔ اب اس پر پورا ایمان لانا پڑے گا۔ اور جب حضرت کے خاتم النبیین ہونے پر اقرار کیا جائے تو پھر مرزا صاحب کا پیغمبر ہونا لغو ہے۔ گو عیسیٰ بن مریم اتریں گے مگر کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب کی ان کو ضرورت نہ ہوگی۔ اور آخر الزمان پیغمبر کہلانے کے بھی مستحق نہ ہوں گے۔ اور ان کے نزول کا بموجب فرمان حضرت کے وہ وقت ہوگا جب ایک دجّال شخص (جس کی حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے اور اس کا حلیہ اور اس کے حالات مفصل بتلائے ہیں) آویگا۔ اور جس کی تفصیل ان احادیث میں ہے۔ **عن عبد اللّٰہ قال قال رسول اللّٰہ** ﷺ **ان اللّٰہ لا یخفی علیکم ان اللّٰہ لیس باعور وان المسیح الدجال اعور عین الیمنی کان عینہ عنبۃ طافئۃ.** (متفق علیہ) ترجمہ: روایت ہے عبداللہ سے کہ فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ تم پر تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں کانا اور تحقیق مسیح دجّال کانا ہوگا دائیں آنکھ کا گویا کہ آنکھ اس کی دانہ انگور کا ہے پھولا ہوا (متفق علیہ، یعنی روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے) اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کریگا اور اس کی دائیں آنکھ کانی ہوگی اور حضرت کا تشبیہ دینا اس کی آنکھ کو دانہ انگور کے ساتھ وہ ایسی تشبیہ ہے جو بالکل ظاہر ہے اور جس میں تاویل کی حاجت نہیں۔ **ایضا عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللّٰہ الا**

احدثکم حدیثا عن الدجال ما حدث به نبی قومه انه اعور وانه یجیٔ معه مثل الجنة والنار فالتی یقول انها الجنة هی النار وانی انذرتکم به کما انذر به نوح قومه. (متفق علیہ) ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ سے کہا فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ آگاہ ہو خبر دوں میں تم کو خبر دجّال کی سے خبر، کہ نہیں خبر دی ساتھ اس کے کسی نبی نے اپنی قوم کو کہ تحقیق دجال کانا ہے۔ اور تحقیق دجال لاویگا ساتھ اپنے مانند جنت اور دوزخ کے جس کو کہے گا، یہ جنت ہے وہ ہوگی آگ اور تحقیق ڈراتا ہوں تم کو جیسے ڈرایا ساتھ اس کے نوح نے قوم اپنی کو۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ کسی پیغمبر نے اپنی قوم کو ایسی صاف خبر نہیں دی لیکن آپ اس میں پھر شک لاکر تاویلات کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ کم از کم ہر پیغمبر نے یہ تو کہا ہوگا کہ اس کا دین ٹھیک نہ ہوگا مگر حضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی خبر کو بطور تفصیل دوسروں پر اس لئے ترجیح دی ہے کہ پھر کسی تاویل کی حاجت نہ رہے۔

ایضا عن نواس ابن سمعان قال ذکر رسول اللّٰه ﷺ ذکر الدجال فقال یخرج وانا فیکم فانا حجیجه دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حجیج نفسه واللّٰه خلیفتی علٰی کل مسلم انه شاب قَطِطٌ عینه طافئة کانی اشبهه بعبد العزی بن قطن فمن ادرک منکم فلیقرء علیه فواتح سورة الکهف وفی روایة فلیقرء بفواتح سورة الکهف فانها جوارکم من فتنتهٗ انه خارج خلة بین الشام والعراق فعاث یمینًا وعاث شمالا یا عباد اللّٰه فاثبتوا قلنا یا رسول اللّٰه وما لبثه فی الارض قال اربعون یومًا یوم کسنة ویوم کشهر ویوم کجمعة وسائر ایامه کایامکم قلنا یارسول اللّٰه فذالک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیه صلٰوة یوم قال لا اقدروا له قدره قلنا یارسول اللّٰه وما اسراعه فی الارض قال کالغیث استدبرته الریح فیاتی علی القوم فیدعوهم فیؤمنون به ویستجیبون له فیامر السماء فتُمْطِرُ والارضَ فتُنْبِتُ

فتروح علیہم سارحتہم اطولَ ما کانت ذُرىً واسبغہ ضروعًا وامَدُّہ خواصر ثم یأتی القوم فیدعوھم فیردون علیہ قولہ فینصرف عنہم فیُصْبِحون مُمْحِلِین لیس بایدیہم شیء من اموالہم ویمر بالخربۃ فیقول لہا اَخْرِجِیْ کُنُوزَک فتتبعہ کنوزھا کیعاسیب النحل ثم یدعو رجلا ممتلئا شبابا فیضربہ بالسیف فیقطعہ جزلتین رمیۃ الغرض ثم یدعوہ فیقبل ویتہلل وجہہ ویضحک فبینما ھو کذٰلک اذ بعث اللہ المسیح ابن مریم فینزل عند المنارۃ البیضاء شرقی دمشق بین مہروذتین واضعا کفیہ علی اجنحۃ ملکین اذا طأطأ راسہ قطر واذا رفعہ تحدر منہ جمان کاللؤلؤ فلا یحل لکافر یجد ریح نفسہ الا مات ونفسہ ینتہی حیث ینتہی طرفہ فیطلبہ حتی یدرکہ بباب لد فیقتلہ ثم یاتی عیسیٰ قوم قد عصمہم اللّٰہ منہ فیمسح عن وجوھہم ویحدثہم بدرجاتہم فی الجنۃ فبینما ھو کذٰلک اذ اوحی اللّٰہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عبادا لی لایدان لاحد بقتالہم فحرز عبادی الی الطور ویبعث اللّٰہ یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون فیمر اوائلہم علی بحیرۃ طبریۃ فیشربون ما فیہا ویمر اٰخرھم فیقولون لقد کان بہذہ مرۃ ماء ثم یسیرون حتی یتہتوا الی جبل الخمر وھو جبل بیت المقدس فیقولون لقد قتلنا من فی الارض ملہم فلنقتل من فی السماء فیرمون بنشابہم الی السماء فیرو اللّٰہ علیہم نشبہم مخضوبۃ ویحصر نبی اللّٰہ عیسیٰ و اصحابہ حتی یکون راس الثور لاحدھم خیرا من مائۃ دینار لاحدکم الیوم فیرغب نبی اللّٰہ عیسیٰ واصحابہ فیرسل علیہم النَغَفُ فی رقابہم فیصبحون فرسیٰ کموت نفس واحدۃ ثم یہبط نبی اللّٰہ عیسیٰ واصحابہ الی الارض فلا یجدون فی الارض موضع شبر الا ملأہ زھمہم

ونتنهم فیرغب نبی اللّٰہ عیسٰی واصحابہ الی اللّٰہ فیرسل اللّٰہ طیرا کاعناق البُخت فتحملهم فتطرحهم حیث شاء اللّٰہ وفی روایة تطرحهم بالنهبل ویستوقد المسلمون من قیهم ونشابهم وجنابهم سبع سنین ثم یرسل اللّٰہ مطرا لایکن منه بیت مدر ولاوبر فیغسل الارض حتی یترکها کالزلفة ثم یقال للارض انبتی ثمرتک وردی برکتک فیومئذ تاکل العصابة من الرمّانة ویستظلون بقحفها ویبارک فی الرسل حتی ان اللقحة من الابل لتکفی الفئام من الناس واللقحة من البقر لتکفی القبیلة من الناس واللقحة من الغنم لتکفی الفحذ من الناس فبینماهم کذٰلک اذ بعث اللّٰہ ریحا طیبة فتاخذهم تحت اٰباطهم فتقبض روح کل مومن وکل مسلم و یبقٰی شرار الناس یتهارجون فیها تهارج الحمر فعلیهم تقوم الساعة. (رواہ مسلم) الا الروایة الثانیة وهی قوله تطرحهم بالنهبل الٰی قوله سبع سنین. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اور روایت ہے نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے کہا اس نے ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے دجّال کا پس فرمایا اگر نکلے دجّال اور میں ہوں موجود تم میں پس میں جھگڑوں گا اس سے سامنے تمہارے۔ اگر نکلا اور نہ ہوا میں تم میں پس ہر شخص حجت کرنے والا ذات اپنی کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ خلیفہ میرا ہے اوپر ہر مسلمان کے تحقیق دجّال جوان ہوگا بہت مڑے ہوئے بالوں کا آنکھ اس کی پھولی ہوگی گویا کہ میں تشبیہ دیتا ہوں اس کو ساتھ عبدالعزیٰ بیٹے قطن کے پس جو شخص پائے اس کو تم میں سے پس چاہیے کہ پڑھے سامنے اس کے آیتیں سورۃ کہف کی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پس چاہیے کہ پڑھے اول کی آیتیں سورۃ کہف کی پس تحقیق وہ سبب امان تمہاری کی ہیں فتنہ دجّال کے ہے تحقیق دجّال نکلنے والا ہے ایک راہ سے کہ واقع ہے درمیان شام اور عراق کے پس فساد کریگا دائیں اور فساد کریگا بائیں۔ اے اللہ کے بندو! پس ثابت رہنا۔ کہا ہم نے یا رسول اللہ اور کتنا ہوگا ٹھہرنا اس کا زمین

میں؟ فرمایا چالیس دن ایک دن مقدار برس روز کے ہوگا اور ایک دن مقدار مہینے کے ہوگا اور ایک دن مقدار ہفتہ کے اور باقی روز اس کے مانند دنوں تمہارے کے۔ عرض کیا ہم نے یارسول اللہ پس وہ دن کہ ہوگا مقدار برس کے کیا کفایت کریگی ہم کو اس میں نماز ایک دن کی؟ فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کرنا ادائے نماز کے لئے مقدار دن کے۔ کہا ہم نے یارسول اللہ کس قدر ہوگا جلد چلنا اس کا زمین میں؟ فرمایا مانند مہینہ کے جس وقت کہ آتی ہے پیچھے اس کے باؤ پس گذریگا ایک قوم پر اور بلائیگا ان کو پس ایمان لائیں گے وہ اس پر پس حکم کریگا ابر کو پس برسادیگا ابر مینہ کو اور حکم کریگا زمین کو پس اگائیگی پس شام کو آئیں گے ان پر مویشی ان کی درازترین اس کے کہ تھے ازروئے کوہانوں کے اور خوب پوری اس کی کہ تھے ازروئے تھنوں کے خوب کھچے ہوئے ازروئے کوکھوں کے پھر آئے گا دجال ایک اور قوم کے پاس پس بلائے گا ان کو پس رد کریں گے اس پر قول اس کا پس پھریگا ان سے پس ہوں گے قحط زدہ درحالیکہ نہ ہوگا ان کے ساتھ میں کچھ مالوں ان کے سے اور گذریگا دجال ویرانہ پر پس کہے گا ویرانہ کو نکال اپنے خزانوں کو پس پیچھے چلیں گے دجال کے خزانے اس ویرانہ کی مانند امیروں شہد کی مکھیوں کے پھر بلاویگا دجال ایک شخص کو کہ بھرا ہوگا جوانی میں پس ماریگا اس کو تلوار کے پس کاٹے گا اس کو دو ٹکڑے مانند پھینکنے تیر کے نشانی پر پھر بلائے گا دجال اس جوان کو پس زندہ ہوگا منہ اس کا ہنستا ہوا پس دجال ایسے کاموں میں ہوگا کہ ناگہاں بھیجے گا اللہ تعالیٰ مسیح، مریم کے بیٹے علیہما السلام کو پس اتریں گے وہ نزدیک منارہ سفید کے جانب مشرق دمشق کے درحالیکہ ہوں گے عیسیٰ درمیان دو کپڑوں زرد رنگ کے رکھنے والے ہوں گے مسیح دونوں ہتھیلیاں اپنی اوپر بازو دو فرشتوں کے جس وقت جھکادیں گے سر اپنا ٹپکے گا پسینہ انکا اور جب اٹھائیں گے سر اتریں گے ان کے بالوں سے قطرے مانند دانوں چاندی کے کہ مانند موتیوں کے ہوں۔ پس نہ ہوگا کوئی کافر کہ پائے ہوا دم عیسیٰ کی سے مگر کہ مرجائے گا اور

دم ان کا پہنچے گا جہاں تک پہنچے گی نگاہ ان کی پس ڈھونڈیں گے عیسیٰ دجال کو یہاں تک کہ پائیں گے اس کو دروازہ لُد پر پس قتل کریں گے اس کو پھر آئیں گے پاس ایک قوم کے بچایا ہوگا ان کو اللہ نے دجال کے شر سے پس پونچھیں گے ان کے مونہوں سے گرد وغبار اور خبر دیں گے ان کو مراتب ان کے سے پائیں گے بہشت میں۔ در ہنگامہ کے عیسیٰ اسی طرح سے ہوں گے ناگہاں وحی بھیجے گا اللہ تعالیٰ طرف عیسیٰ کے تحقیق میں نے نکالے ہیں کتنے ایک بندے اپنے۔ نہیں طاقت کسی کو ان سے لڑنے کی پس جمع کر میرے بندوں کو طرف کوہ طور کے اور بھیجے گا اللہ تعالیٰ یاجوج اور ماجوج کو اور وہ ہر زمین بلند سے دوڑیں گے۔ پس گذریں گے پہلے ان کے اوپر تالاب طبریہ کے پس پی جائیں گے جو کچھ اس میں ہوگا پانی۔ اور گذرے گی جماعت ان کی کہ پیچھے آئے گی ان سے پس کہیں گے کہ تحقیق تھا اس میں کبھی پانی۔ پھر چلیں گے یہاں تک کہ پہنچیں گے طرف جبل خمر کے اور وہ پہاڑ ہے بیت المقدس میں پس کہیں گے یاجوج ماجوج کہ تحقیق قتل کیا ہم نے ان شخصوں کو کہ زمین میں تھے آؤ پس چاہیے کہ قتل کریں ہم ان شخصوں کو کہ آسمان میں ہیں پس پھینکیں گے تیر اپنے طرف آسمان کے۔ پس پھیرے گا اللہ تعالیٰ ان پر تیر ان کے رنگ خون میں اور روکے جائیں گے نبی اللہ کے اور یار اُن کے یہاں تک کہ ہوگا سر بیل کا واسطے ایک ان کی کے بہتر سو دیناروں سے واسطے ایک تمہارے کی آج کے دن پس دعا کریں گے نبی اللہ کے عیسیٰ اور یار ان کے پس بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان پر کیڑے ان کی گردنوں میں پس ہو جائیں گے مردہ مانند مرنے ایک جان کے پھر اتریں گے پیغمبر خدا عیسیٰ اور اتریں گے یار ان کے طرف زمین کے پس نہیں پائیں گے زمین میں جگہ ایک بالشت مگر بھر دیا جائے گا اس کو چربی اور بدبو ان کی نے پس دعا کریں گے نبی خدا کے عیسیٰ اور یار ان کے طرف اللہ کے پس بھیجے گا اللہ جانور پرند کہ گردنیں ان کی مانند گردنوں اونٹ بختی کے ہوں گے پس اٹھائیں گے وہ جانور ان کو اور

پھینک دیں گے ان کو جہاں چاہا ہے اللہ نے اور ایک روایت میں ہے کہ ڈال دیں گے جانوران کو نہبل میں اور جلاتے رہیں گے۔ مسلمان کمانوں ان کی سے اور تیروں ان کی سے اور ترکشوں ان کی سے سات برس پھر بھیجے گا اللہ تعالیٰ ایک بڑا مینہ کہ نہیں چھپا دیگا کسی چیز کو اس مینہ سے گھر مٹی اور نہ گھر صوف کا، پس دھوڈالے گا وہ مینہ زمین کو یہاں تک کہ کر دیگا اس کو مانند آئینہ کے صاف پھر کہا جائے گا زمین کو نکال تو میوے اپنے اور پھیر لا برکت اپنی پس اس دن کھاویگا ایک گروہ ایک انار سے اور سایہ پکڑیں گے اس کے چھلکے میں اور برکت دی جائے گی دودھ میں یہاں تک کہ ایک اونٹنی دودھ کی البتہ کفایت کریگی جماعت کثیر کو آدمیوں میں سے اور گائے دودھ کی البتہ کفایت کریگی قبیلہ کو آدمیوں میں سے اور بکری دودھ کی البتہ کفایت کرے گی تھوڑی سی جماعت کو آدمیوں میں سے پس ایسے چین ووسعت میں ہوں گے ناگہاں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ایک باؤ خوشبو کی پس پکڑے گی وہ ان کو نیچے بغلوں ان کی کے پس قبض کریگی وہ روح ہر مومن کی اور ہر مسلمان کی اور باقی رہیں گے شریر لوگ مختلف ہوں گے زمین میں مانند اختلاط گدھوں کے آپس میں پس ان پر قائم ہوگی قیامت۔ روایت کی یہ مسلم نے مگر روایت دوسری کہ وہ قول حضرت کا ہے **تطرحهم بالنهل الیٰ قوله سبع سنین**. (روایت کی یہ ترمذی نے)

پس حضرت ﷺ نے بہت سے مسائل جو اس حدیث میں بیان کئے ہیں بالکل صاف ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ دجال حضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں آیا۔ آپ کے مفروضہ دجال تو اس زمانہ میں بھی موجود تھے مگر کہیں حضرت نے دجال کے لفظ سے ان کو خطاب نہیں فرمایا تھا۔ دوسرا یہ کہ جس دجال کی حضرت خبر دے رہے ہیں۔ اس کے شر سے امان میں رہنے کا سبب سورہ کہف کی اول آیتیں قرار دی ہیں اگر ان نصاریٰ کے آگے سب کی سب سورۃ پڑھی جائے تو ان کی سزا جرم سے امان نہیں مل سکتی۔ اور تیسرا دجال کا مخرج

درمیان شام اور عراق کے ہے۔ اور چوتھا یہ کہ رہنا اس کا روئے زمین پر چالیس دن ہے پہلا دن سال کا ہوگا اور دوسرا دن مہینہ کا ہوگا اور تیسرا دن ہفتہ کا ہوگا اور باقی دن ہمارے دنوں کے برابر ہوں گے اور اس کی کوئی تاویل اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اصحابوں نے پوچھا حضرت ﷺ سے کہ جو دن سال کا ہوگا کیا پانچ نمازیں ہماری کافی ہوں گی۔ فرمایا حضرت ﷺ نے کہ ہرگز نہیں بلکہ اندازہ کر کے تمام سال کی نمازیں پڑھتے رہنا یہ بات بالکل مسلمہ ہے کہ سب روز حضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ہوں گے اور یہ نصاریٰ اس صورت میں دجال نہیں بن سکتے کیونکہ یہ حضرت ﷺ سے بھی پہلے کے ہیں اگر آپ فرمائیں کہ اس زمانہ میں ان کا یہ دعویٰ نہ تھا یعنی عیسٰی ابن اللہ کہنا تو میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ عیسٰی کے زمانہ میں بھی انکا یہی دعویٰ تھا اور اب تک ان کا یہی دعویٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ **واذ قال اللّٰہ یعیسٰی ابن مریم ءانت قلت للناس اتخذونی وامی الٰھین من دون اللّٰہ**۔ دوسرا حضرت کے زمانے میں بھی ان کا یہی اعتقاد تھا۔ **وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللّٰہ**۔ پانچواں جو شخص دجال پر ایمان لائے گا اور اس کو خدا جانے گا وہ قحط زدہ ہوگا۔ اس طرح کا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہوگی اور آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جو ان انگریزوں کو اپنا خدا نہیں جانتے وہ بڑے ترفہ الحال کروڑوں کے مالک اور حکمران ہیں۔ مثلاً امیر کابل شاہ ایران شہنشاہ روم وغیرہ وغیرہ باہر نہ جایئے یہی اہل ہنود کہ ان کو کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر کروڑوں کے مالک ہیں مگر سب سے بڑھ کر یہ امر قابل یقین ہے کہ کسی کو یہ اپنے دین پر مجبور نہیں کرتے اور یہ کہیں نہیں آیا کہ دجال عیسٰی پر حکمرانی کرے گا اور جدھر جائے گا ادھر بلا لے گا بلکہ ازالہ حیثیت عرفی میں فرد جرم لگائے گا۔ الغرض قوم کا نام دجال نہیں صرف ایک شخص ہی ہوگا۔ جس طرح حضرت ﷺ فرما چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ریل گاڑی کو دجال کا گدھا قرار دیتے ہیں گویا دجال اور

گدھا لازم وملزوم ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی ریل ہے، وہی دجال ہے ریل تو شاہ روم اور اور کمپنیوں کی بھی ہے۔ پھر تو دجال ایک قوم بھی نہ رہا بلکہ بہت سے گروہ اور قوموں میں منقسم ہوگیا۔ صاحب ذرا ہوش میں آیئے اور خیال فرمایئے کہ یہ نصاریٰ دجال نہیں بن سکتے اور ریل گدھا نہیں بن سکتی اور علاوہ ازیں حدیث سے یہ بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم مشرق دمشق میں اتریں گے یعنی بیت المقدس میں دو فرشتوں کا کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اور ان کے دم سے کافر مر جائیں گے۔ دم ان کا جہاں تک ان کی نظر پڑ یگی پہنچے گا۔ مگر آپ کے مرزا صاحب کی آسمانی منکوحہ یعنی محمدی بیگم کو اس کا خاوند پہلو میں بٹھا کر آج تک عیش اُڑا رہا ہے اور زندہ ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب کی پیشین گوئی بڑے زور سے نکلی تھی کہ یہ تین سال کے اندر مر جائیں گے مگر دعا برعکس پیشین گوئی غلط پڑی اور اسی افسوس میں مرزا صاحب اس سے پہلے ہی مر گئے۔ اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ دجال کو لُدّ کے پہاڑ میں قتل کر دیں گے۔ اور لُدّ ایک پہاڑ کا نام ہے ملک شام میں حالانکہ آپ کا عیسیٰ پہلے مر گیا اور یہ دجال بقول آپ کے ابھی تک موجود ہیں امید ہے کہ آپ کے خلیفۃ المسیح کو بھی مار کر مریں گے۔ اور نیز اسی حدیث میں ہے کہ یاجوج اور ماجوج ایک اور قوم ہوں گے۔ جو بعد قتل ہونے دجال کے عیسیٰ کو خبر ان کی پہنچے گی اور حق تعالیٰ سے امر ہوگا کہ میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر امان دے فرمایئے وہ طور آپ کے مسیح کا کونسا ہے اور آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یاجوج ماجوج آسمان پر تیر پھینکیں گے اور خون آلودہ ہو کر آئیں گے جس کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں اور تاویلاً کہتے ہیں کہ انگریز لوگ پچکاری سے نطفہ لے کر رحم میں ڈالتے ہیں اور یہ مطلب ہے آسمان پر تیر پھینکنے کا۔ صاحب آپ کو خوب معلوم ہوگا کہ ہمارے دیسی تاجران اَپ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہی یہ کیا کرتے تھے اور اب تک کر رہے ہیں بلکہ انگریزوں سے بھی کئی درجہ اچھا جیسا کہ رنگ وغیرہ نطفہ میں ملا کر

اسی رنگ کا بچہ پیدا کر لیتے ہیں۔ بلکہ انگریزوں نے بھی یہ عمل ان لوگوں سے سیکھا ہے۔ دس بارہ سال قبل اس کے اسی عمل سے انگریز لوگ منکر تھے۔ اس کے ثبوت پر ایک رسالہ انگریزی میں چھپا ہوا میرے پاس موجود ہے پس آپ کی تاویل کا الزامی جواب یہ ہے کہ گویا ان دجالوں کے آنے سے پہلے بھی یاجوج ماجوج ہماری اپنی قوم کے ہمارے ملک میں موجود تھے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ نہ یہ دجال ہیں اور نہ یاجوج ماجوج اور نہ غلام احمد قادیانی عیسیٰ بن مریم ہے اگر اس کو عیسیٰ تسلیم کیا جائے تو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر (نعوذ باللہ) سراسر غلط اور لغو اور دھوکا دینے والی تصور کی جائے اور جو عیسیٰ ابن مریم کے نزول میں احادیث آئی ہیں وہ اب تحریر کرتا ہوں۔ **وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمًا عادلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتیٰ لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الواحدۃ خیر من الدّنیا ومافیہا ثم یقول ابوھریرۃ فاقرءوا ان شئتم وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ** (متفق علیہ) ترجمہ: روایت ہے ابوہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے۔ تحقیق اتریں گے عیسیٰ بن مریم آسمان سے درآنحالیکہ حاکم عادل ہوں گے۔ پس توڑیں گے صلیب کو اور قتل کریں گے سؤر کو اور رکھ دیں گے جزیہ[1] اور بہت مال یہاں تک کہ نہیں قبول کرے گا کوئی یہاں تک کہ ہوگا ایک سجدہ بہتر دنیا سے اور ہر چیز سے جو

---

[1] اگر صرف بیان عدم فرضیت جہاد کا فرض منصبی ہے تو عدم فرضیت کے بیان کنندہ کو واضع الجہاد نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ فرضیت کے بیان کنندہ کو مجاہد نہیں کہا جاسکتا الغرض قادیانی صاحب کو **فیضع الجزیۃ** کا مصداق خیال کرنا سراسر غلطی ہے۔ جزیہ کا موقوف کرنا اس سے متصور ہوسکتا ہے جس کی قدرت میں جزیہ لینا ممکن ہو وہ تو خود رعایا میں تھا۔ رعایا بادشاہ سے جزیہ نہیں لے سکتی۔

دنیا میں ہے پھر کہتے تھے ابو ہریرہ پس اگر شک وتر دد رکھتے ہو اس خبر میں تو پڑھو اگر چاہو اس آیت کو کہ نہیں ہے کوئی اہل کتاب سے مگر کہ ایمان لائے گا عیسیٰ پر پہلے مرنے ان کے سے پس پڑھو ساری آیت۔ اس حدیث میں حضرت محمد ﷺ نے عیسیٰ ابن مریم سے کہا ہے، نہ کہ مثیل اس کا اور اترنے کے معنی بلندی سے اترنا ہے، نہ کہ زمین میں سے پیدا ہونا اور جو کہ فرمایا ہے اس کی تعریف میں حاکم عادل ہوگا۔ آپ فرمایئے کہ مرزا جی نے کونسا حکم اور کونسا عدل کیا ہے۔ وہ تو ساری عمر انگریزوں کے محکوم رہے اب ان کے عدل کا حال سنئے۔

ہم وہ خطوط [1] نقل کرتے ہیں جو انہوں نے لکھ کر اپنے رشتہ داروں کے پاس بھیجے تھے۔ ان کے دیکھنے سے مرزا صاحب کا عدل پورا روشن ہو جائے گا۔ چنانچہ مرزا جی کا پہلا خط یہ ہے۔

نقل اصل خطوط جو مرزا صاحب قادیانی نے مرزا احمد بیگ اور دیگر رشتہ داروں کو بھیجے تھے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی — مشفقی مکرمی اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ

اَلسَّلام عَلَیْک وَرحمة اللہ وبرکاتہ: ۔ قادیان میں جب واقعہ ہائلہ محمود فرزند آن مکرم کی خبر سنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بوجہ اس کے کہ یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں

---

[1] اس جگہ پر مرزا صاحب کے خاص دستخطی خطوں کو جو مجھے ایک دوست شیخ نظام الدین صاحب پنشنر راہوں کی معرفت مرزا علی شیر صاحب سمدھی مرزا صاحب سے ملے ہیں درج کرتا ہوں۔ جس سے مرزا صاحب کی مسیح موعودی اور نبوت بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ان خطوں کے ملاحظہ سے ناظرین معلوم کرلیں گے کہ مرزا صاحب کیا ہیں، کوئی ادنیٰ اور جاہل مسلمان بھی ایسا نہیں کرے گا اور نہ کرسکتا ہے۔

لکھ سکتا تھا۔ اس لئے عزا پرسی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفات فرزندان حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ خصوصاً بچوں کی ماؤں کیلئے تو سخت مصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا فرمائے اور عزیزی مرزا محمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی بات اس کے آگے ان ہونی نہیں۔ آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو۔ لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل کلی صاف ہے اور خدائے قادر مطلق سے آپ کے لئے خیر و برکت چاہتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا اخیری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے، جب ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ سو مجھے خدائے تعالیٰ قادر مطلق کی قسم ہے کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اسی عاجز سے ہوگا، اگر دوسری جگہ ہوگا تو خدا تعالیٰ کی تنبیہیں وارد ہونگی اور آخر اسی جگہ ہوگا کیونکہ آپ میرے عزیز اور پیارے تھے اس لئے میں نے عین خیر خواہی سے آپ کو جتلا دیا ہے کہ دوسری جگہ اس رشتہ کا کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم طبع ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ اس رشتہ سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی

یادداشت:۔ مرزا احمد بیگ کی زوجہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تایا چچا زاد ہمشیرہ ہے۔ مرزا علی شیر صاحب کی لڑکی عزت بی بی فضل احمد پسر مرزا غلام احمد کی زوجہ تھی اب مرزا محمد حسین صاحب ساکن راہون کے خط سے معلوم ہوا کہ باوجود بہت دھمکانے کے بھی فضل احمد نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی اس لئے فضل احمد کو بھی مرزا صاحب نے الگ کر دیا۔

کے لئے نہایت درجہ موجب برکت ہوگا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھول دیگا جو آپ کے خیال میں نہیں۔ کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہوگی جیسا کہ یہ اس کا حکم جس کے ہاتھ میں زمین اور آسمان کی کنجی ہے تو پھر کیوں اس میں خرابی ہوگی اور آپ کو شاید معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہان کی اس کی طرف نظر لگی ہوئی ہے اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کریگا اور اپنے دین کی مدد کریگا۔ میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشین گوئی کے ظہور کیلئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ عاجز جیسے (**لاالہ الا اللّٰہ محمدٌ رسول اللّٰہ**) پر ایمان لایا ہے ، ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے ایمان لاتا ہے اور آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے معاون بنیں تاکہ خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ خدا تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کر سکتا اور جو امر آسمان پر ہو چکا ہے زمین پر وہ ہرگز بدل نہیں سکتا، خدا تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطا کرے اور اب آپکے دل میں وہ بات ڈالی جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ آپ کے سب غم دور ہوں اور دین اور دنیا دونوں آپکو خدا تعالیٰ عطا فرمادے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی نا ملائم لفظ ہو تو معاف فرمادیں۔ والسلام

خاکسار **احقر عباد اللّٰہ**۔ غلام احمد عفی عنہ...... ۷ اجولائی ۱۸۹۰ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی

مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ...... اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں لیکن اب جو آپکو ایک خبر سناتا ہوں، آپ کو اس سے بہت رنج گزرے گا مگر میں محض للہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری عداوت ہو رہی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں۔ بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ رسول کے دین کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے، ذلیل کیا جائے، روسیا کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں اب مجھ کو بچا لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور مجھے بچائے گا اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا، کیا میں چوڑھا یا چمار تھا، جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی، بلکہ وہ تو اب تک ہاں سے ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض کہیں جائے مگر یہ تو آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور جن کی

لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو، وہ میری وارث ہو، وہی میرے خون کے پیاسے، وہی میری عزت کے پیاسے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ خوار ہو اور اس کا روسیاہ ہو، خدا بے نیاز ہے، جس کو چاہے روسیاہ کرے مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو، خدا تعالیٰ سے خوف کرو، کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آ کر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے، صرف عزت بی بی نام کے لئے فضل احمد کے گھر میں ہے، بیشک وہ طلاق دے دے۔ ہم راضی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے، ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رجسٹری کرا کر آپ کی بیوی صاحب کے نام خط بھیجا، مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے کیا ہمارا رشتہ باقی رہ گیا ہے۔ جو چاہے کرے، ہم اس کے لئے اپنے خویشوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہو سکتے، مرتا مرتا رہ گیا، کہیں مرا بھی ہوتا یہ باتیں آپ کی بیوی صاحبہ کی مجھ تک پہنچی ہیں۔ بیشک میں ناچیز ہوں، ذلیل ہوں اور خوار ہوں، مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میری عزت ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اب جب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں، پھر جیسا کہ آپ کی خود منشا ہے میرا بیٹا فضل احمد بھی آپکی لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا بلکہ ایک طرف جب (محمدی) کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف فضل احمد آپکی لڑکی کو طلاق دیدیگا اگر نہیں دیگا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کروں گا اور اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے اور یہ ارادہ اس کا بند کرا دو گے تو میں بدل و جان حاضر ہوں اور فضل احمد کو جواب میرے قبضہ میں ہے، ہر طرح سے درست کر کے آپکی لڑکی کی آبادی کے لئے کوشش کروں گا اور میرا مال ان کا مال ہوگا، لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ آپ اس

وقت کو سنبھال لیں۔

اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آ جائیں اور اپنی گھر کے لوگوں کو تاکید کریں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیوے، ورنہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے اور اب ہمیشہ کے لئے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دوں گا اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے تو اسی حالت میں آپکی لڑکی کو گھر میں رکھے گا اور جب آپکی بیوی کی خوشی ثابت ہو۔ ورنہ جہاں میں رخصت ہوا ایسا ہی سب رشتہ ناطے بھی ٹوٹ گئے، یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہوئی ہیں، میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہیں۔ **واللہ اعلم**

راقم خاکسار غلام احمد .... از لودھیانہ اقبال گنج ۴ مئی ۱۸۹۱ء

نقل اصل خط مرزا صاحب جو بنام والدہ عزت بی بی تحریر کیا تھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی

والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز تک (محمدی) مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدا تعالےٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے سارے رشتہ ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہیگا، اس لئے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتے ہو اس کو سمجھا دو، اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو آج میں نے مولوی نور دین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا

جائے اور ایک پیسہ وراثت کا اس کو نہ ملے، سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا آ جائیگا، جس کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کے غیر کے ساتھ نکاح کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جائے، عزت بی بی کو تین طلاق ہیں، سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی دوسرے سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی، سو یہ شرطی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالی کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں۔ اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کر دوں گا اور پھر وہ میرے وراثت سے ایک دانہ نہیں پا سکتا اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھا لو تو آپ کے لئے بہتر ہوگا۔ مجھے افسوس ہے میں نے عزت بی بی کے بہتری کے لئے ہر طرح سے کوشش کرنا چاہا تھا اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی، مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی کچی بات نہیں لکھی، مجھے قسم ہے اللہ تعالی کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالی میرے ساتھ ہے، جس دن نکاح ہوگا، اس دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہیں رہیگا۔

راقم مرزا غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج ۴ مئی ۱۸۹۱ء

از طرف عزت بی بی بطرف والدہ

اس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو، مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے، اگر تم اپنے بھائی میرے ماموں کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتے ہو، اگر نہیں تو پھر طلاق ہوگی اور ہزار طرح رسوائی ہوگی، اگر منظور نہیں تو خیر۔ جلدی مجھے اس جگہ سے لے جاؤ۔ پھر میرا اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔

(جیسا کہ عزت بی بی نے تاکید سے کہا ہے، اگر نکاح رک نہیں سکتا پھر بلا توقف عزت بی بی

کے لئے کوئی قادیان سے آدمی بھیج دو، تا کہ اس کو لے جائے۔ حاشیہ بر صفحہ ۱۲۳، ملاحظہ ہو۔)

پس خان صاحب آپ کو بخوبی عدل مرزا صاحب کا ان خطوط سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ پس میں بھی کچھ جتا دیتا ہوں اگر چہ ہندی کے چندے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر مکتوب علیہ میرا چنداں لئیق نہیں۔ سنئے صاحب اگر کچھ قصور تھا تو مرزا احمد بیگ کا تھا اس کی بہن کا کچھ بھی قصور نہ تھا۔ اچھا بالفرض مانا کہ اس نے بھائی کو نہ سمجھایا اس کی بیٹی کا کیا قصور کہ وہ بیچاری مطلقہ ہو کر اپنے حصہ زوج سے شرعاً محروم کی جائے اور فضل احمد بیچارے پر یہ سزا کہ اس بے گناہ کو اگر طلاق نہ دے تو اس کو عاق کیا جائے اور ایک دانہ اور ایک پیسہ بھی مرزا صاحب کی وراثت سے اس کو نہ ملے[1]۔ ایسا شہوت پرست نہ کہیں دیکھا، نہ سنا۔ خصوصاً نبی آخرالزمان کہلانے والا بایں صفت موصوف نہیں ہوسکتا (نعوذ باللہ من ذلک) اور دیکھئے صاحب رشتہ ناطہ توڑنے والے کو قرآن شریف اور احادیث میں کن لفظوں سے پکارا گیا ہے اور کن گروہ میں شامل کیا گیا ہے اور کیا سزا اس پر ہے۔ **فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکمo اولئک الذین لعنهم الله فاصمهم واعمٰی ابصارهمo افلا یتدبرون القران ام علٰی قلوب اقفالهاo ان الذين ارتدوا علٰی ادبارهم بعد ما تبين لهم الهدى الشيطان سول لهم واملی لهمo**. ترجمہ: پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور توڑو قرابتیں اپنی۔ یہ لوگ ہیں جنہیں لعنت کی ہے ان کو اللہ نے پس بہرا کر دیا ان کو اور اندھا کر دیا آنکھوں ان کی کو کیا پس نہیں فکر کرتے بیچ قرآن کے کیا اوپر دلوں کے

[1] یہی تو دجال کی نشانیوں میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کی نہ مانے گا تو اس کے ہاتھ میں ایک فلوس تک نہ رہے گا۔

قفل ہیں ان کے تحقیق جو لوگ پھر گئے اوپر پیٹھوں اپنی کے پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو واسطے ان کے ہدایت شیطان نے زینت دلائی ہے واسطے ان کے اور ڈھیل دلائی ہے واسطے ان کے۔ اس آیت سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ خدا تعالیٰ نے بڑی لعنت کی ہے۔ ایسے کام کرنے والوں کو اور مفسد قرار دیا ہے۔ یہ آیت جو نقل کی گئی ہے سپارہ ۲۶ سورۃ محمد کے تیسرے رکوع میں ہے۔ اور دوسری ایک اور آیت **ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرونo** تحقیق اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے ساتھ عدل کے اور احسان کے اور دینی قرابت والوں کے اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول سے اور سرکشی سے نصیحت کرتا ہے تم کو تا کہ تم نصیحت پکڑو۔ یہ خدا کا فرمان صاف صاف ہے کہ عدل کرو اور احسان کرو اور صلہ رحمی کرو اور برے کاموں سے بچو جب قطع رحمی کی بناء ایک شہوت پرستی پر مبنی ہو تو کیسی فضیحت ہے اگر آپ فرمادیں کہ مرزا صاحب کی درخواست شہوت رانی کے لئے نہیں تھی وہ خدا کا حکم تھا اور خدا نے ان کا نکاح آسمان پر کیا تھا اس لئے مرزا صاحب تبلیغ احکام الٰہی کرتے تھے تو اس حکم خدا کے پورے نہ ہونے سے سب باتیں درہم برہم ہو گئیں اور اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کو الہام ربانی نہیں ہوا، بلکہ شیطانی ہوا۔ اور الہام شیطانی کے بارہ میں خدا نے خود قرآن شریف میں فرمایا ہے، چنانچہ یہ آیت **ھل انبئکم علٰی من تنزل الشیاطینo تنزل علٰی کل افاک اثیمo یلقون السمع واکثرھم کاذبونo** ترجمہ: کیا بتلاؤں میں تم کو اوپر کس کے اترے ہیں شیطان اترتے ہیں اور ہر جھوٹ باندھنے والے گنہگار کے رکھتے شیطان کان اپنے اور اکثر ان کے جھوٹے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو الہام مرزا صاحب کو ہوا تھا جھوٹا نکلا ایسی اور بہت سی آیات ہیں کہ صلہ رحمی کو محمود اور قطع رحمی کو مردود قرار دیتی ہیں اور کئی حدیثیں بھی لکھتا ہوں۔ **قال رسول اللّٰہ ﷺ ما من ذنب**

اخری ان یجعل اللّٰہ لصاحبہ العقوبة فی الدنیا مع ما یزخرہ فی الأخرة من البغی وقطعت الرحم (رواہ الترمذی وابوداؤد) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں کوئی گناہ لائق تر اس بات کے کہ جلدی کرے اللہ تعالیٰ صاحب گناہ کو عذاب دنیا میں باوجود ذخیرہ کرنے اس کے بیچ آخرت کے نکل جانے سے اطاعت امام سے اور کاٹنے ناطے کے سے۔ (روایت کیا ترمذی اور ابوداؤد نے) وعن عبداللّٰہ بن ابی اوفی قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول لا تنزل الرحمة علی قوم فیھم قاطع رحم (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ☆ ترجمہ: اور روایت ہے عبداللہ بن ابی اوفی سے کہ کہا سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے نہیں اترتی رحمت اس قوم پر کہ اس میں کاٹنے والا ہوتا ہے ناطے کا۔ (روایت کیا ہے بیہقی نے شعب الایمان میں) ایسی اور بہت سی احادیث ہیں جن کے معنی یہی ہیں اور آپ کو اس تحریر سے عدل مرزا کا بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ ایسا عدل جو قرآن اور حدیث کے مخالف ہو اس کو ظلم کہا جاتا ہے نہ کہ عدل پھر اسی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جو نزول عیسیٰ میں لکھی گئی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے یعنی سوائے ایمان کے اور کوئی وجہ سبب امان کا نہ ہوگا۔ پس فرمایئے کہ آپ کے مرزا نے کتنے عیسائی مسلمان کئے اور کتنے غیر مذہب والوں کو اسلام پر لائے دوسری حدیث نزول عیسیٰ میں یہ ہے۔ عن عبداللّٰہ بن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ ینزل عیسٰی ابن مریم الی ارض فیتزوج ویولد ویمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فیدفن ینبغی قبری فاقوم انا عیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر (رواہ ابن جوزی فی کتاب الوفاء) ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بیٹے عمر کے سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اتریں گے عیسیٰ بیٹے مریم کے طرف زمین کی پس نکاح کریں گے اور پیدا کی جائے گی اولاد ان کے لئے اور ٹھہریں گے زمین میں پینتالیس (۴۵) برس پھر

وصال فرمائیں گے عیسیٰ پس دفن کئے جائیں گے نزدیک میرے (ﷺ) پس اٹھوں گا میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک مقبرہ میں درمیان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے۔ (روایت کی یہ ابن جوزی نے کتاب وفا میں) پس اس حدیث کے رو سے بھی سندھی بیگ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نہیں بن سکتا۔ حضرت نے اس حدیث میں عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کہا ہے جو آسمان سے زمین پر اتریں گے اور پینتالیس برس زمین پر رہیں گے اگر ان مرزا صاحب کا جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں زمانہ نزول تصور کیا جائے تو اسی (۸۰) نوے (۹۰) برس کے مابین ہوگا اور اگر ان کے دعوے میعاد مقرر کیا جائے تو پینتالیس (۴۵) سال سے بہت کم یہ دونوں صورتیں مخالف پڑیں۔ اور آنحضرت نے اسی حدیث میں فرمایا ہے کہ جب وہ اتریں گے تو نکاح کریں گے۔ فرمایئے کہ آپ کے عیسیٰ بعد دعویٰ نبوت کتنے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئے مگر کامیاب نہ ہوئے اور اسی حدیث میں ہے کہ وہ مر کر میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے۔ اور اس کے رفع شک کے لئے فرمایا کہ ہم اٹھیں گے بھی ایک مقبرہ سے مزید برآں یہ فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان سے، حالانکہ مرزا صاحب قادیان میں مدفون ہیں۔ اگر ان سب احادیث اور آیات کے تاویلا[1] کچھ اور معنی لئے جائیں جو اصل کے مخالف ہوں تو خلاف جمیع امت مرحومہ کا آتا ہے کیونکہ نہ کسی اصحاب نے یہ معنی تاویلی ملحوظ رکھے ہیں اور نہ اجماع امت کا اس پر ہے۔

---

[1] مرزا صاحب اس آیت کی رو سے جہنمی قرار دیئے جاتے ہیں۔ و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّی ونصله جهنم وساءت مصیرا. ترجمہ: اور جو کوئی برخلاف کرے رسول کے پیچھے اس کے کہ ظاہر ہوئے واسطے اس کے ہدایت اور پیروی کے مخالف راہ مسلمانوں کے متوجہ کریں گے ہم اس کو جدھر متوجہ ہوا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں اور بری ہے جگہ پھر جانے کی۔۱۲

آج حضرت کے بعد تیرہ سو (۱۳۰۰) سال گذر چکے ہیں۔ کسی مجتہد الوقت اور مجدّد اور اولیاء امت نبوی نے یہ نہیں لکھا کہ عیسیٰ ابن مریم نہ آئیں گے بلکہ ان کا مثیل مرزا قادیانی ہوگا اگر آپ کے تاویلی معنی ملحوظ رکھے جائیں تو پھر حضرت کا کلام جو موصوف بفصل الخطاب بنتے تھے ایک امر مبہم پہیلی ٹھہرا اور اپنی امت کو تفرقہ میں ڈالا (نعوذ باللہ من ذٰلک) کیا آپ خواب کی تعبیر دے رہے تھے۔ یا امت کو تفرقہ میں ڈالا یا امت کو ایک بڑے حادثہ سے بچانے کی کوشش کرر ہے تھے۔ حالانکہ حضرت کو حق تعالیٰ سے **بالمؤمنین رؤف رحیم** کا خطاب ملا ہے۔ اور یہ دونوں خداوند تعالیٰ کے اپنے توصیفی نام ہیں۔ ایسے انسان کامل سے ہرگز لعنت کی امید نہیں ہوسکتی خصوصاً **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی** کا بھی مصداق ہو یہ پیشین گوئیوں کا غلط نکلنا آپ کے عیسیٰ جعلی کا حصہ ہے ہم اپنے حضرت سید المرسلین وخاتم النبیین کو ایسے الزاموں سے بالکل بری جانتے ہیں اور تاویلوں کے درپے نہیں ہوتے مگر وہ کہ جن کو خدا اور رسول پر پورا ایمان نہ ہو جیسا کہ **فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ** ترجمہ: پس وہ لوگ جو بیچ دلوں ان کی کے کجی ہے۔ پس پیروی کرتے ہیں اس چیز کی جو شبہ والی ہے اس میں سے واسطے چاہیے گمراہی کے اور واسطے چاہیے تاویل اس کے اور نہیں جانتا تاویل اس کی کو مگر اللہ۔ اور یہ ان لوگوں کی تردید میں ہے جو متشابہات کی تاویلوں میں لگے رہتے ہیں اور جو آیات محکمات ہیں ان کی تاویل تو بطریق اولیٰ ممنوع اور ناجائز ٹھہری پس صاحب اپنی من بھاتی تاویلوں سے توبہ کریں اور قرآن اور حدیث کو پہیلی اور چیستان نہ قرار دیں خصوصاً ان آیات کو جن پر ایمان کی بنا ہے۔ اور خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر.** ترجمہ: اور البتہ تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن واسطے نصیحت کے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ یہ آیت چار

دفعہ حق تعالیٰ نے سورۃ قمر میں فرمائی ہے مناسب ہے کہ آپ اس سے نصیحت پکڑیں اور کاذب مسیح سے پرہیز کریں کہ ان کی طرح اور بھی پہلے نبوت کا دعویٰ کر چکے ہیں اور کئی بعد میں کرتے رہیں گے چنانچہ حضرت سرور دو عالم ﷺ نے پہلے ہی خبر فرمادی ہے۔ مثلاً ابن صیاد اور مسیلمہ کذاب وغیرہ وغیرہ۔

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ لاتقوم الساعة حتٰی یبعث کذّابون دجّالون قریب من ثلاثین کلهم یزعم انه رسول الله.

ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ اٹھائے جائیں گے جھوٹے مکار تقریباً تیس تک۔ ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ رسول، اللہ کا ہے۔ یعنی ہر ایک دعویٰ نبوت کا کرے گا اور بہت سے ہو گذرے ہیں ان میں سے شہروں میں۔ اور ناکامیاب و ہلاک کیا ہے اللہ نے ان کو اور اسی طرح کرے گا۔ باقی مدعیوں کے ساتھ اور دجال خارج ہے اس گنتی سے کہ وہ دعویٰ الوہیت کا کرے گا۔ (ترجمہ لمعات شرح مشکوٰۃ)

وعن ثوبان قال قال رسول الله ﷺ لا تقوم الساعة تلحق القبائل من امتی بالمشرکین و حتی یعبدوا الاوثان وانه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی. (هذا حدیث صحیح)

ترجمہ: روایت ہے ثوبان سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ مل جائیں گے قبیلے میری امت سے مشرکوں کے ساتھ اور یہاں تک کہ پوجیں گے بتوں کو اور تحقیق قریب ہے کہ ہوں گے میری امت سے تیس جھوٹے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میں (خود رسول کریم ﷺ) خاتم النّبیین ہوں، نہیں کوئی نبی میرے بعد۔ (یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، جلد ثانی، صفحہ ۴۵، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

اب میں اپنے دلائل کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے من گھڑت سوال جو ہماری طرف منسوب کیے ہیں اور ان کے جواب جو آپ نے دیئے ہیں، تردید کرتا ہوں۔ شاید ضمناً کچھ دلائل بھی ہوں گے۔

اولاً گذارش ہے کہ جو تفسیر سورۃ والشمس میں آپ نے درفشانی کی ہے اس کے رسم خطی اور عبارت دیکھ کر اطفال مکتب بھی کھلی مچاتے ہیں۔ آپ کی قابلیت کاف جو آپ شق بہ "ق" لکھتے ہو خیر ان باتوں سے کیا کام مطلب یہ ہے کہ جو آپ نے کلام ربانی کے ظاہری معانی چھوڑ کر کل الفاظ کی تاویلات ضعیفہ کر کر اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے یہ اقوال صحابہؓ کرام وتفاسیر مفسرین متقدمین کے برخلاف ہے۔ حالانکہ بہ مصداق حدیث **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم فشم**۔ ترجمہ: یعنی آپ نے فرمایا سب زمانوں سے میرا زمانہ اچھا ہے پھر وہ جوان کو دیکھنے والے ہیں یعنی تابعین پھر وہ جوان کو دیکھنے والے ہیں یعنی تبع تابعین، پھر پس۔ یعنی جو لوگ حضرت ﷺ کے زمانہ کے قریب ہیں وہ بعیدوں سے دین کے مسائل میں اچھے پہنچنے والے ہیں۔ دیکھئے تفسیر عباسی جو تفسیر عبداللہ بن عباس کہ جو ثقہ صحابہ سے ہیں اور تفسیر القرآن بخاری شریف وباقی تفاسیر جو تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کی بنائی ہوئی ہیں کیا کسی صحابہ نے یہ تاویلیں کی ہیں۔ یا آپ ہی کی من بھانی باتیں ہیں۔ **عن ابن عباس** رضی اللہ تعالیٰ عنهما **قال قال رسول الله** ﷺ **من قال فی القران برأیه فلیتبوأ مقعده فی النار وفی روایة من قال فی القران بغیر علم فلیتبوأ مقعده فی النار** (رواہ الترمذی) ترجمہ: جو شخص کہ قرآن میں اپنی رائے سے کہے پس چاہیے کہ تیار کرے جگہ اپنی بیچ آگ کے اور ایک روایت میں ہے جو کہے قرآن میں بغیر علم کے پس چاہیے کہ بنائے اپنی جگہ آگ میں۔ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما سے مروی ہے۔ **اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار**۔ ترجمہ: حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے

تابعداری کرو جماعت بڑی کی اس لئے کہ جو شخص اکیلا ہوا ڈالا جائے گا آگ میں۔ پس جو شخص سواد اعظم کی اتباع چھوڑ کر سوا علم کے اپنی رائے سے قرآن کے الفاظ میں تاویلیں کرے وہ ایسی حدیثوں کا مصداق ہوگا۔ اگر برخلاف اجماع امت مرحومہ کے جو آپ نے قمر سے مراد لی ہے وہ مانی بھی جائے تو بھی کیا وجہ ہے کہ اس سے خاص مرزا صاحب ہی مراد لئے جائیں اور عموماً خلفاء راشدین او اولیاء المکرمین کیوں نہ لئے جائیں اور یہ جو آپ نے بیان کیا ہے کہ قمر شمس کے تابع ہوتا ہے اور شمس سے نور حاصل کر کے اوران کو مستفید کرتا ہے کیا یہ وصف ان خلفاء عظام واولیاء کرام میں جن کے الہامات و کرامات اظہر من الشمس ہیں موجود نہ تھے۔ خیال کیجئے کہ گروہ کے گروہ مشرکین و یہود و نصاریٰ ان کے ہاتھ سے اسلام لائے ہیں اور ظاہری و باطنی فیوض سے فیضیاب ہوئے ہیں آپ بتلائیں کہ مرزا قادیانی کی دعوت سے کتنے مشرک یا نصاریٰ یہود اسلام لائے اور دینی فیض پایا۔ پھر بڑا تعجب ہے کہ ایک چودھویں صدی کا آدمی قمر بنا۔ حضرت قمر تو ہمیشہ شمس کے تابع ہوتا ہے نہ کہ تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کے بعد۔ قمر تو قیامت تک شمس کا تابع رہے گا۔ آپ کا بنایا ہوا قمر تو خاک میں مل گیا ہے۔ ایسی کچی تاویلوں سے کام ہرگز نہیں نکلتا یہ تو صرف خبط اور پگلہ پن ہے۔ آپ کی یہ تفسیر سراپا مخالف اجماع جم غفیر ہے اس عقیدہ سے آپ کو باز آنا لازم ہے۔ **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم. اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم آمین ثم امین۔**

آپ کے سوالات وجوابات جن کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ ’’مخالفان جماعت احمدیہ کا تسلی قلب قلع قمع‘‘ قلع قمع کے معنی تو آپ کو نہ آتے ہوں گے مگر طوطی وار کہہ دیا ہے۔

قولہ سوال ’’یہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ کہاں عیسیٰ مسیح یا امام آخر الزمان آئے ابھی کوئی نہیں آئے ہم کو کوئی ابھی گمان بھی نہیں‘‘۔ **الجواب** تو آپ سوال بھی متفرق طور پر

کرتے ہو۔ اگر خواندہ ہو یا ناخواندہ مگر خواندہ ناخواندہ سے سیکھ کر کہتا ہے۔ یہ سوال ہمارے ملک میں تسلی بخش ہو رہا ہے ہم کو اس کا جواب دینا فرض ہوا۔ لیکن بھائی تم اپنے دل میں سوچ لو کہ یہ سوال کیسا گندہ اور کچا اور بودہ ہے کیونکہ کوئی دلائل قرآن اور حدیث سے نہیں صرف تمہارا زبانی جمع خرچ ہے۔ (الخ تا صفحہ ۲۴)

صاحبا چونکہ سوال کی عبارت آرائی آپ جیسے منشی کریں تو پھر گندہ و بودہ کیوں نہ ہو۔ سبحان اللہ الجواب کے بعد پھر بھی سوال ہی کی تقریر شروع ہو رہی ہے۔ صاحبا سائل کا منشا تو یہ تھا کہ جس شخص کو تم عیسیٰ موعود و مہدی معہود بناتے ہو۔ اس میں تو ہمارے گمان میں عیسائیت و مہدویت کے حسب فرمان مخبر صادق کے ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ مثل مشہور ہے کہ کاٹھ کا بلا تو میاؤں کون کرے۔ پھر آپ نے جواب کا خلاصہ یہ لکھا ہے۔ ”بھائی صاحبان تم نے قادیاں شریف جا کر مرزا صاحب کی باتیں نہیں سنیں۔ اور ان کی کتابوں کی تحقیقات نہیں کی کیونکہ یہ نبی آخر الزمان ہے۔ اس پر گنتی رسولوں کی ختم ہو گئی۔ جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واذا الرسل اقتت** اور جب رسولوں کی گنتی پوری ہو جائے گی۔ پس ابتداء و انتہا خدا تعالیٰ کے کاموں کا ہم مثل ہوتا ہے اور اس کے کام اس طرح سے سرانجام ہوتے ہیں اور دوسرا تم نے سجدہ شکریہ ادا نہیں کیا۔ دونوں کام جو کہ برعکس کئے اور یہ کام شیطان کے تھے۔ جو تم نے کر لئے۔“ دیکھو یہ کلام کیسا لغو و بکواس ہے اور مخالف نص اور حدیث کے ہے۔ صاحبا تم تو ماہر قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اب آیت **ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین**۔ و حدیث **لا نبی بعدی** کو پس پشت ڈال کر **کمثل الحمار یحمل اسفارا** بن گئے۔ اسی کو کہتے ہیں ”من حرامی حجتاں ڈھیر“۔ آپ نے ہمارے ذمہ دو شیطانی کام لگائے ہیں۔ ایک قادیاں نہ جانا، دوسرا سجدہ شکریہ بجا نہ لانا۔ صاحب اس دعوے کی آپ کے پاس کون سی آیت یا حدیث دلیل ہے یا صرف من

گھڑت بات ہے آپ کا عقیدہ جو مخالف آیت وحدیث مرقومہ ہے آپ کو خود شیطان بنا رہا ہے۔ مثل ہے کہ جو جان بوجھ کر اندھا ہو اس کا دارو کیا۔ آپ کو اس گندہ عقیدہ سے باز آنا لازم ہے ورنہ بہت پچھتاؤ گے **من یهدی الله فلا مضل له ومن یضلله فلاهادی له.**

قولہ سوال ''مسیح اور مہدی کا ابھی کوئی نشان نہیں آیا۔ اگر آئے گا تو اور رنگ ہو جائے گا۔ وہ بادشاہی دنیا کی ہمراہ لائے گا ملک فتح کرے گا۔ کفار کو تہ تیغ کر کے اسلام پر لے آئے گا۔ اور دجال آئے گا تو ایک گدھے پر چڑھ کر آئے گا اور کہے گا کہ ہم خدا ہیں۔ ہماری خدائی کو مانو بہت خلقت اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ جو اس کو نہ مانے گا تو بارش بند کر دے گا اور گدھا اس کا ستر باع کا ہوگا اور سو کوس پر لید کرے گا اس کے آگے دخان کا پہاڑ چلے گا وغیرہ وغیرہ۔ اور یاجوج ماجوج آئیں گے تو پانی سب دریاؤں کا پی جائیں گے کچھ نہ چھوڑیں گے بلند مکان پر کھڑے ہو کر تیر آسمان پر چلائیں گے اور وہ خون آلودہ آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ اگر اس طرح نہ آئیں تو ہم نہیں مانیں گے۔'' بھائی صاحب میں تم کو ایک جواب مختصر دوں گا۔ (الخ تا صفحہ ۳۵)

اس سوال میں آپ نے بعض فقرے ایسے درج کیے ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں اور صرف جہلاء کے دھوکہ دینے کو یوں ہی لکھ مارے ہیں وہ یہ کہ سو کوس پر لید کرے گا۔ اس کے آگے دخان کا پہاڑ چلے گا۔ یہ مرزائی جماعت کے گھر کی بنائی ہوئی باتیں ہیں تا کہ ریل کو گدھا بنانے میں کام آئیں۔ دخان تو قریب قیامت کے ایک علیحدہ علامت ہے۔ جیسا کہ دابۃ الارض قال اللہ تعالیٰ **فارتقب یوم تأتی السماء بدخان مبینo یغشی الناس هذا عذابٌ الیمo** وہ ایک ایسا دھواں ہوگا جو مشرق و مغرب تک زمین کو آسمان تک گھیر لے گا اور چالیس دن رہے گا اور خلقت کو بہت تنگ کرے گا جیسا کہ لفظ **عذاب الیم** اس پر

دلالت کررہا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تفسیروں اور حدیثوں میں ہے۔ آپ کا اس کو ریل کا دھواں بتانا کیسا خلاف آیت اور حدیث ہے۔ آیت اس کے **عذاب الیم** ہونے کی گواہی دے رہی ہے اور حدیث سب زمین و آسمان پر کر لینے اور چالیس دن رہنے کی کیا آپ کے مقرر شدہ دھواں میں بھی یہ وصف ہیں۔ ہرگز نہیں آیت وحدیث کے منکر کا حکم آپ بخوبی جانتے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ گدھا اس کا ستر باع کا قد آور ہوگا۔ یہ بھی برخلاف حدیث ہے۔ **عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال یخرج الدجال علی حمار اقمر مابین اذنیه سبعون باعا.** ترجمہ: نکلے گا دجال اوپر گدھے سفید کے جو میان ہر دو کانوں اس کے ستر باع فاصلہ ہوگا (رواہ البیہقی فی مشکوۃ شریف) اس حدیث سے یہ بھی صاف معلوم ہوا کہ دجال کے گدھے کا سفید رنگ ہوگا کیونکہ **اقمر** سخت سفید رنگ کو کہتے ہیں۔ پس یہ حدیث بھی ریل کے گدھا بنانے کی مانع ہوئی۔ کہ وہ سیاہ رنگ ہوتی ہے[1]۔ مگر اندھوں کے آگے سیاہ و سفید برابر ہے۔ پھر اس سوال کا جواب جو لکھا ہے وہ بعینہٖ مصداق سوال گندم جواب چنا کا ہے۔ وہ بھی ریت میں ڈالا ہوا۔ آپ کی درہم برہم عبارت کے سوال کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ مسیح اور مہدی کا ابھی کوئی نشان نہیں آیا۔ جواب یہ نکلا کہ قوم نصاریٰ جو دجالی ہیں یہی مسیح اور مہدی کے آنے کے نشان ہیں۔ اور ان کے دجال ہونے کی یہ دلیل گذاری کہ زمین آسمان وغیرہ سب ان کے تابع ہیں جیسے آپ کی عبارت ''پانی آگ پہاڑ دریا برق آسمان زمین باد اشجار پنچھی حیوان جن انسان نباتات وغیرہ زیر حکم ہیں۔'' سو گذارش ہے کہ پانی وغیرہ سب کا تابع ہونا دجال کے کسی آیت وحدیث سے ثابت نہیں۔ البتہ زمین

[1] شاید آپ کہیں کہ ریل میں فرسٹ کلاس کی گاڑی سفید ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھی دو نقص لازم آتے ہیں۔ ایک تو گدھے ہزار ہا ٹھہرے اور دوسرے مرزا صاحب سواری فرسٹ کلاس کے کرنے سے خود دجال بن گئے۔

وآسمان کی تابعداری بعض باتوں میں ثابت ہے۔ اگر بالفرض مانا بھی جائے تو پھر نصاریٰ میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ پانی یا آگ یا پہاڑ کو نصاریٰ اپنی طرف بلائیں تو چلے آئیں مینہ برسانا یا انگوری جمانا ان کے اختیار میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ ان کے زیر حکم ہوتی تو جا بجا نہریں بڑی تکلیف اٹھا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ کبھی ایسی سخت بارش آتی ہے کہ ان کی سڑکیں ونہریں بالکل خراب کر دیتی ہے۔ آپ کی ایسی بودی باتوں کو تو طفلان مکتب بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خدارا از راہِ انصاف ذرا ان حدیثوں کی طرف تو غور کیجئے جو رسالہ کے اوّل دجال کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں۔ کیا ان سے دجال ایک شخص واحد ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں آتا ہے کہ **هو رَجُلٌ** نہ کہ **هو قومٌ** اگر آپ کو حدیث کی سمجھ نہیں آتی تو یہاں آ کر سمجھ جائیں کہ دین کے لئے شرم اچھی نہیں۔ پھر تعجب یہ ہے کہ آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۲ کی سطر ۶ پر ان کو دجال بنا کر پھر اسی صفحہ کی سطر ۱۱ پر نصاریٰ کو یاجوج ماجوج بناتے ہیں۔ لکھتے ہو ''لیکن یاجوج اور ماجوج کی قوم تو یہی ہے۔ اچھا دجال کہاں گیا دجال تو معلوم ہے پادری صاحبان اور آریہ ہیں اور کل اقوام ان کی قوم کے بہر تھی ہے۔'' سچ ہے کہ جھوٹے گواہ کی زبان سے کبھی کچھ نکلتا ہے کبھی کچھ۔ آپ کا یہ صرف زبانی دعویٰ ہے یا کوئی آیت حدیث بھی ہے۔ ہرگز نہیں (نعوذ باللہ من ذٰلک اللغویات) پھر فقرہ اگر آئے گا تو اور رنگ ہو جائے گا۔'' کا جواب جو آپ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ دیکھو ہے اور آگ اور کئی کارخانہ کی مشینیں قسما قسم چلا رہے ہیں۔ اور یعنی تار برقی دیکھو کہ ملک کی جاسوسی کر رہی ہے اور دوائی کا کام بھی دیتی ہے اور پادری صاحبان کو دیکھو کیسے علم نکالے ہیں انجمنیں بنا کر وعظ شروع کئے اور فاحشہ عورتوں کو جو کنواری ہوں اور شکیلہ ہمراہ لے کر خلق اللہ کو وعظ کرنا اور عمدہ عمدہ راگ سنانا وغیرہ وغیرہ واہ رے آپ کی لیاقت وحماقت مسیح موعود کے زمانہ کی عجب شان دکھائی ہے کیوں نہ ہو چونکہ آپ کے مسیح مرزا قادیانی ٹھہرے تو رنگ بھی

ایسا ہی چاہیے آپ نے اس فقرہ کا مطلب ہرگز نہیں سمجھا سائل کا مقصود تو یہ ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ دینداری کی رونق واسلام کا روپ زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سجدہ سب مال دنیا سے بہتر ہوگا۔ اور طرح طرح کی برکت دیکھو حدیث طویلہ کی بعض عبارت کا ترجمہ جو پہلے گذر چکی ہے۔ پس اس دن کھائے گا ایک گروہ ایک انار سے اور سایہ پکڑیں گے اس کی چھال میں اور برکت دی جائے گی دودھ میں یہاں تک کہ ایک اونٹنی دودھ کی البتہ کفایت کرے گی جماعت کثیر کو آدمیوں میں سے اور گائے دودھ کی کفایت کرے گی قبیلہ کو آدمیوں میں سے اور ایک بکری دودھ کی البتہ کفایت کرے گی تھوڑی سی جماعت کو آدمیوں میں سے نیز احادیث صحیحہ میں **وتکون الملل کلها ملة الاسلام وترقع الاسود مع الابل والنمار مع البقر والذئاب مع الغنم ویلعب الصبیان مع الحیات**. ترجمہ: سب دین ایک دین اسلام کا ہو جائے گا۔ اور چریں گے شیر ساتھ اونٹوں کے اور چیتے ساتھ گائیں کے اور بھیڑیے ساتھ بکریوں کے اور کھیلیں گے لڑکے ساتھ سانپوں کے۔ چونکہ زمانہ حال میں یہ رنگ موجود نہیں۔ آپ کے مرزا صاحب مسیح موعود نہیں بن سکتے۔

فقرہ ۳: وہ بادشاہی دنیا کی ہمراہ لائے گا، ملک فتح کریگا، کفار کو تہ تیغ کرے گا پھر اس کے متعلق آپ آخری ورق پر لکھتے ہیں کہ "بادشاہی دو قسم ہے ایک روحانی جیسے حضرت رسول اللہ ﷺ اور سب اولیاء اللہ ہیں۔ دوسری دنیاوی جسمانی اور مسیح موعود کے جسمانی بادشاہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں صرف روحانی بادشاہ ہوں گے۔ جیسے مرزا صاحب تھے۔" افسوس صد افسوس کہ آپ حضرت ﷺ کو بھی ظاہری بادشاہ قرار نہیں دیتے۔ کیا آپ کو آیات قتال و جہاد سب بھول گئیں جنگ احد و جنگ حنین وغیرہ جن کا شاہد قرآن کریم ہے یہ بھی یاد نہ رہے کیا جنگ کرنا ظاہر بادشاہوں کا کام نہیں۔ یہ بیت بھی یاد نہیں کہ۔

خراج آورش حاکم روم وری   خراجش فرستاد کسریٰ وکی

شاید آپ کے خیال میں ہوگا کہ آنحضرت ﷺ بھی مرزا صاحب کی طرح کسی نصاریٰ کے باجگذار ہوں گے۔ ویسا ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری باطنی بادشاہ ہوں گے دیکھو الفاظ احادیث صحیحہ **یکون حکماً عادلاً ویکسر الصلیب ویقتل الخنازیر و یضع الجزیة.** حاکم عادل ہونا ظاہری بادشاہوں کا لقب ہے یا نہیں؟ صلیب کا توڑنا اور جزیہ کا لینا یا معاف کرنا ظاہری بادشاہی کے متعلق ہے یا نہیں؟ بالفرض اگر ظاہری بادشاہ نہ بھی ہوں تو وہ علامات جو آگے مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کا ظہور تو ان کے زمانہ میں ضرور ہے۔ کیا مرزا صاحب کے زمانہ میں ان سے ایک علامت بھی تھی ہرگز نہیں۔ پھر کیسے مرزا مسیح موعود بنے۔

فقرہ ۴: دجال آئے گا گدھے پر چڑھ کر آئے گا اور کہے گا کہ ہم خدا ہیں ہماری خدائی مانو۔ بہت خلقت اس کے ساتھ ہو جائے گی جو اس کو نہ مانے گا تو بارش بند کر دے گا۔ دجال کا آنا و گدھے پر چڑھنا اور ربوبیت کا مدعی ہونا اور اکثر یہود کا اس کے تابع ہو جانا اور اس کے حکم سے بارش کا برسنا اور انگوریوں کا اگنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسا پہلی حدیثوں میں دیکھ چکے ہو۔ پس جن کو آپ دجال بنا رہے ہو چونکہ ان میں یہ باتیں موجود نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ دجال نہیں یہ آپ کا صرف خیالی پلاؤ ہے۔ پھر حدیث صحیح کے منکر کا حکم آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، بیان کی حاجت نہیں۔

فقرہ ۵: ''یاجوج ماجوج آئیں گے تو پانی سب دریاؤں کا پی جائیں گے کچھ نہ چھوڑیں گے بلند مکان پر کھڑے ہو کر تیر آسمان پر چلائیں گے اور وہ خون آلودہ آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔'' یاجوج ماجوج آپ نے نصاریٰ کو مقرر کیا ہے۔ اور آسمان پر تیر مارنے کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ مرغی کے انڈوں میں چوبیس گھنٹہ تک حیوان پیدا کرنا اور پچکاری کے

ذریعہ سے عورتوں کے رحم میں منی ڈال کر حاملہ کرنا ایسے کام تیر مارنے تقدیر الٰہی میں ہیں۔ یہ آسمان کو تیر مارنے نہیں تو کیا ہے۔ آپ کے اس سوال کے جواب پر یہ مقولہ خوب صادق آتا ہے۔ ''ٹکر تو ڈھٹیا واند کھوتے دا بھج گیا سنگ۔'' یہ خیال آپ کا کیسا مخالف قرآن وحدیث کے ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قالوا یاذاالقرنین ان یاجوج وماجوج مفسدون فی الارض فھل نجعل لک خرجا علی ان تجعل بیننا وبینھم سدا.** ذرا اس آیت کی تفسیر دیکھیں اور ان کا حلیہ اور فساد[1] مفصل مطالعہ فرمائیں۔
یاجوج ماجوج کا بلند مکانوں پر پھرنا اور پانی کا پی جانا اور زمین والوں کو قتل کرنا پھر آسمان کی طرف تیروں کا پھینکنا اور خون آلودہ واپس آنا یہ سب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حدیث طویلہ مروی ہے، **عن نواس بن سمعان** جو پہلے لکھی ہے، ذرا غور سے دیکھیں۔ اور جو آپ نے آسمان پر تیر پھینکنے کی تاویل پچکاری سے لی ہے۔ یہ تو کوئی اجہل بھی نہیں مانتا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اور جو لکھا ہے ''کہ ایسے کام تیر مارنے تقدیر الٰہی ہیں۔'' کیا انسان تقدیر کو بدلا سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ پہاڑ اپنے مکان سے دور ہو سکتا ہے۔ مگر تقدیر ہرگز نہیں بدلتی۔ آپ منکر بالقدر ٹھہرے حالانکہ ایمان بالقدر فرض ہے۔ (نعوذ باللہ من ذٰلک الاعتقاد)

سوال ''بعضے کہتے ہیں کہ نشان مہدی تو اکثر آ گئے ہیں۔ اب مہدی آ جائے گا یہ اہل رائے کے نزدیک کیسا پوچ سوال ہے صرف بلا مغز کیونکہ نشان اور گواہ حاضر ہو گئے۔

[1] مختصراً کچھ حلیہ بیان کیا جاتا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ان میں سے بعض کے قد کی مقدار ایک بالشت کی ہیں اور بعض بہت بلند چنانچہ حدیث میں ہے ایک قسم کا ان میں سے قد مثل درخت دراز کے ہے جو ولایت شام میں ہوتا ہے اور اس کا طول ۱۲۰ گز ہے۔ اور بعض کا طول وعرض برابر ہے اور بعض کے کان ایسے لمبے ہوتے ہیں کہ ایک سے فرش اور دوسرے سے لحاف بناتے ہیں۔ ۱۲

مدعی ابھی کوئی نہیں دعویٰ کیا۔ الخ۔“

افسوس آپ کی حالت پر کہ یہ بھی نہیں سمجھا کہ علامت وشرط چیز سے پہلے ہوتی ہے۔کیا علامات قیامت جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے آئیں گی یا قیام قیامت کے وقت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اقتربت الساعة وانشق القمر** انشاق قمر کو کتنی مدت گذر چکی ہے۔شاید آپ نے بادل بھی کبھی نہیں دیکھے جو بارش کا نشان ہے۔کیا وہ آتے ہی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جو آپ نے طاعون کو دابۃ الارض کہا ہے۔کون سی آیت اور کون سی حدیث آپ کی سند ہے یا صرف من بھاتی گپ ہے؟ قال اللہ تعالیٰ و **اذا وقع القول علیهم اخرجنا لهم دابة من الارض تکلمهم ان الناس کانوا بایاتنا لایوقنون**. ترجمہ: جب واقع ہوگا قول آدمیوں پر ہم نکالیں گے واسطے ان کے ایک جانور زمین سے جو بات کرے گا ساتھ ان کے یہ کہ انسان ہماری آیات قدرت کے ساتھ یقین نہیں لاتے۔ تفسیروں میں آیا ہے کہ وہ ایک جانور ہے طول اس کا ساٹھ (۶۰) گز ہوگا چار پاؤں بال زرد باریک جیسا کہ پنکھی کے بچے ہوتے ہیں۔ دو پر بڑے ہوں گے کوئی اس سے بھاگ نہ سکے گا نہایت روشن ہوگا۔ابن زبیر صاحب فرماتے ہیں کہ سر اس کا گائے کی مانند ہوگا۔ عین المعانی میں ہے کہ آنکھ اس کی خوک کی مانند کان مانند فیل سینگ گائے پہاڑی رنگ مانند پلنگ گردن مانند شتر مرغ سینہ مانند شیر پہلو مانند یوز پاؤں مانند شتر دُم مانند دُنبہ۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ مسجد حرام سے نکلے گا۔ آدمی دیکھتے ہوں گے تین روز کے بعد اس کا ثلث باہر نکلے گا عصائے موسیٰ وخاتم سلیمان اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ جس کو عصا لگائے گا اس کا منہ سفید ہوگا اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان خاتم سلیمان لگائے گا۔ ان کے منہ سیاہ ہو جائیں گے۔ پس تمام دنیا میں کوئی آدمی نہ رہے گا مگر سیاہ یا

سفید منہ والا کسی کو نام سے نہ بلائے گا۔ سفید منہ کو بہشتی کر کے بلائیں گے اور سیاہ منہ کو دوزخی۔ (تفسیر حسینی وغیرہ)۔ فرمایئے آپ کے دابۃ الارض میں یہ وصفیں موجود ہیں؟ ہرگز نہیں۔ صرف دعویٰ بلا دلیل ہے۔ **وعن عبداللہ ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اول الآیات خروجا طلوع الشمس من مغربھا خروج الدابۃ علی الناس ایھما ماکانت قبل صاحبتھا فالاخری علی اثرھا قریبا** (رواہ مسلم)۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ طلوع الشمس وخروج دابۃ قریب قریب ہوگا۔ یعنی جب ایک ہوگا دوسرا اس کے پیچھے جلدی ہوگا کچھ دیر نہ ہوگی۔ پس آپ کا دابۃ تو نکلا مگر طلوع شمس مغرب سے نہ ہوا۔ شاید آپ کے شہر میں ہوا ہوگا اگر آپ یہ دعویٰ کرو کہ طلوع شمس من المغرب ہو چکا ہے پھر پس چونکہ بعد طلوع بموجب یغلق باب التوبہ دروازہ توبہ کا بند ہو گیا تو پھر آپ کا ایمان لانا مرزا کے ساتھ بے سود ہوگا۔ العیاذ باللہ من ہذہ الھفوات والواہیات

سوال ’’مہدی اور مسیح آخر الزمان آیا تو وہ بادشاہی لائے گا اور کفار کو بزور تلوار تہ تیغ کر کے مسلمان کرے گا۔ اور مہدی اور ہے اور عیسیٰ اور۔‘‘

پہلے دو فقرہ کی نسبت آگے لکھا گیا ہے۔ اخیری فقرہ کے جواب میں آپ نے لکھا ہے۔ ’’حدیث **لا مھدی الا عیسیٰ** سب قضیہ جات کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ جب حدیثوں کی تطبیق نہ ہو یہ جاہلی ہے۔‘‘ آفریں آپ کی عقل اور آپ کے انصاف پر۔ چندیں احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر ایک حدیث ضعیف پر جو قابل تاویل بھی ہو عمل کرنا اسی کا نام تطبیق ہے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ سب قرآن واحادیث مشہورہ کی تاویل کر لیتے ہو۔ اس حدیث میں تاویل کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ سچ ہے کہ **صاحب الغرض مجنون**۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں تو آگے حدیثیں لکھ چکے ہیں۔ اب امام مہدی کے بارہ میں بھی چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لاتذہب الدنیا حتی یملک العرب رجلا من اھل بیتی یواطی اسمه اسمی (رواہ الترمذی وابوداؤد) **وفی روایة له لولم یبق من الدنیا الایوم لطول اللّٰه ذٰلک الیوم حتی یبعث فیه رجل من اھل بیتی یواطئ اسمه اسمی واسم ابیه اسم ابی یملأ الارض قسطا وعدلا کما ملئت ظلما وجورا وعن ام سلمة قالت سمعت رسول اللہ ﷺ یقول المھدی من عترتی من اولاد فاطمة** (رواہ ابوداؤد) **وعن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ المھدی منی اجلی الجبھة اقنی الانف یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجورا یملک سبع سنین** (رواہ ابوداؤد)

پس ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ امام مہدی سید ہوگا اور اس کا نام محمد ہوگا اور اس کے والد کا نام عبداللہ۔ پس اس سے بخوبی واضح ہوا کہ امام مہدی نہ عیسیٰ علیہ السلام بن مریم ہیں، نہ غلام احمد قادیانی بلکہ ایک شخص علیحدہ ہے باقی رہی حدیث **لا مھدی الا عیسیٰ** علیہ السلام جس پر آپ کا بڑا زور ہے۔ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ نقادان حدیث مثل محمد ابن جزری وغیرہم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ پس آیات واحادیث صحیحہ کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہو۔ شیخ محمد اکرم صابری نے اس حدیث کو اپنی کتاب اقتباس الانوار میں کلام محذوف پر حمل فرمایا ہے یعنی **لامھدی بعد المھدی المشھور الذی ھو من اولاد محمد وعلی** علیھم السلام **الا عیسیٰ.** بلکہ مرزا صاحب کے ایک شعر سے بھی ان کا دو ہونا ثابت ہے۔ وہ یہ ہے۔ بیت

مہدیٔ وقت وعیسیٰ دوراں ہر دورا شہسوار می بینم

شاید آپ پھر اس عقیدہ سے پھر گئے ہوں۔ جیسا کہ پہلے عیسائیوں کو دجال اور ریل دابۃ الارض بنا کر آخر عیسائیوں کو یاجوج ماجوج طاعون کو دابۃ الارض قرار دیا ہے۔ افسوس ایسے نامعقول اعتقاد پر اور جو لکھا ہے۔ ''جب حدیثوں کی تطبیق نہ ہو یہ جاہلی ہے۔'' صاحب آپ تطبیق کے معنی جانتے ہو۔ لفظ کی کتابت تو اصل رسالہ میں تبیق بہ حرف تا لکھتے ہو، معنی بھی ویسے ہی جانتے ہوں گے۔ سنئے اصولیین کا قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو پہلے ان کی تاریخ معلوم کی جاتی ہے اگر یقیناً معلوم ہو جائے کہ یہ اول فرمائی ہے تو اول کو منسوخ، ثانی کو ناسخ مقرر کیا جاتا ہے اور عمل آخر پر ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ یہ بات متحقق نہیں اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو ان کی قوت وضعف کی طرف خیال کیا جاتا ہے قوی پر عمل ہوتا ہے اور ضعیف کو چھوڑا جاتا ہے جیسا کہ مانحن فیہ۔ اگر قوت ضعف میں دونوں برابر ہوں تو پھر بموجب کلیہ **اذا تعارضا تساقطا** دونوں کو چھوڑ کر قول صحابہ و اجماع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس یہ کلیہ ہمارا مددگار آپ کو جھٹلا رہا ہے بالفرض **لا مھدی الا عیسٰی** کو اگر صحیح بھی مانا جائے تو پھر بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں کیونکہ جب ارادہ مثیل کا ابن مریم سے بشہادت آیات قرآنیہ ممتنع ہوا تو پھر وہی عیسٰی بن مریم جو نبی وقت تھا، مہدی بنا، مرزا صاحب کو کیا فائدہ!! احادیث نزول عیسٰی اور ظہور دجال متواترۃ المعنی ہیں مسلمان کو ایمان ان کے ساتھ ضروری ہے ہرگز ہرگز کسی کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ **فاللّٰہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔**

اور دیکھئے مرزا صاحب کا دھوکہ چونکہ شیخ محمد اکرم صابری صاحب اقتباس الانوار کو مرزا صاحب اپنی تالیف ایام الصلح فارسی کے صفحہ ۱۸۰ پر اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے بایں صفت موصوف کرتے ہیں ''شیخ محمد اکرم صابری کہ از اکابر صوفیاء متاخرین بودہ اند'' صرف اسی قدر نقل کرتے ہیں۔ کہ ''وبعضی بر آنند کہ روح عیسٰی در مہدی بروز کند و نزول عبارت از

ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث **لامهدی الاعیسٰی ابن مریم۔**" بعد اس کے شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہذا" وایں مقدمہ بغایت ضعیف است" حذف کر دیتے ہیں۔ تاکہ ہمارے دعوٰی کی تردید محمد اکرم صاحب کے ہی قول سے نہ ہو جاوے۔

شیخ محمد اکرم صاحب کا قول ہم بعینہ نقل کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ اقتباس الانوار کے صفحہ ۵۲ پر بروزی نزول کی تضعیف فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ و بعضی براند کہ روح عیسٰی در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث **لامهدی الاعیسٰی ابن مریم** وایں مقدمہ بغایت ضعیف است۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲ے پر لکھتے ہیں۔ یک فرقہ برآں رفتہ اند کہ مہدی آخرالزماں عیسٰی بن مریم است وایں روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیح و متواتر از حضرت رسالت پناہ ﷺ ورود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسٰی بن مریم باو اقتدا کردہ نماز خواہد گذارد و جمیع عارفان صاحب تمکین برایں متفق اند چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ در فتوحات مکی مفصل نوشتہ است کہ مہدی آخرالزمان از آل رسول ﷺ من اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ظاہر شود۔ انتہی۔

یہی تو سراسر دھوکہ ہے، اپنے مطلب کی عبارت اس میں سے لے لی اور اپنے دعوٰی کی تردید کی عبارت چھوڑ دی۔ وہ سوال جو اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور جواب کے منتظر ہو۔

سوال یہ ہے کہ "سورت ام الکتاب کہ وہ کل مجموعہ ہی قرآن کریم کے کل مقاصد کا اور عظمت الٰہی وامر ونواہی اور بندہ کے لئے دعاؤں کا اور حاجات کا مکمل فوٹو ہے اور نمازوں میں کم از کم چالیس مرتبہ بقدر تعداد رکعات دن میں دعا مانگتے ہو اس میں جو **اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم۔** اور **انعمت عليهم** سے مراد کل تفاسیر سے مراد نبی اور رسول مراد لیتے آئے ہیں اور تم بھی لیتے ہو اور رسول کریم ﷺ

نے بھی مراد لی ہے اور عقل بھی یہی ادراک کرتا ہے کیا اس میں جو انعام وحی اور الہام کا مستقیم راستہ والوں پر اور **انعمت علیھم** گروہ کے لوگوں پر نازل ہوا اور یہی سرچشم ہدایت اور انعمت مقصود اصل اس گروہ کا ہے۔ کیا تم اس امر کو اپنی حاجات اور مقصود سے خارج کر کے دعا مانگتے ہو **فھو منتظر مکیں**۔"

سوال کی عبارت کیسی کچی اور بے ڈھنگی ہے کہ بچے بھی دیکھ کر ہنستے ہیں یہ سوال مرزا صاحب کی جانب سے اور اس کا جواب پیر صاحب (پیر مہر علی شاہ) کی جانب سے سیف چشتیائی میں موجود ہے وہ بعینہ نقل ہوتا ہے۔

سوال: "اگر بروزی معنوں کے روح سے بھی کوئی شخص نبی اور رسول نہیں ہوسکتا تو پھر اس کے کیا معنی کہ **اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ**"۔

اقول: اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! بتا ہم کو ان لوگوں کا سیدھا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے یعنی ہم بھی ان کی مانند کتاب آسمانی کی ہدایت کے مطابق تیری عبادت والے سیدھے راستے پر چلنے سے تیری حب وانس ورضا ولقا کو پالیویں۔

اس کا یہ معنی نہیں کہ ہم بھی انبیاء ورسل گذشتہ کا مقام نبوت ورسالت حاصل کر لیویں یا بہ سبب کمال اتباع کے ان کے لقب مخصوص کے مستحق بن جائیں کیونکہ نبوت و رسالت مع لوازم اپنے کے القاب ہوں یا احکام خاصہ، ﴿**ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ**(مائدہ:۵۴)﴾ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی موہوبی ہیں نہ کسبی۔ اور بسبب اتباع کے اگر القاب خاصہ اور احکام خاصہ مل سکتے تو خلفاء اربعہ اور حسنین اور اولیاء سلف رضوان اللہ علیہم بڑا استحقاق رکھتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ باوجود شان **انت منی بمنزلة ھارون من موسٰی** کے فرماتے ہیں۔ **الا وانی لست بنبی ولا یوحٰی الیّ**۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاشفات واخبارات حقہ جن پر تاریخ اور کتب سیر شاہد ہیں وحی نہیں کہا

گیا اور نہ ان کے سبب سے ان کو نبی کہلوانے پر جرأت ہوئی بلکہ جب دیکھا کہ ہمارے مکاشفات واخبارات اور بیان حقائق ومعارف قرآنیہ کے باعث سے لوگ ہم کو نبی اور موحی الیہ سمجھیں گے تو جھٹ ان کے غیر واقعی خیال کا ازالہ فرمایا اور تنبیہاً کلمہ **الا** کے ساتھ کہا کہ **الا وانی لست بنبی ولا یوحٰی الیّ**۔خیال فرمائیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ وحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان رضی اللہ عنہ باوجود مکاشفات والہامات واخبارات حقہ نبوت کے مدعی نہ ہوئے تو پھر مرزا صاحب باوجود الہامات باطلہ جن کے بطلان کی خود ان کی پیشین گوئی ہا کاذبہ صدہا شاہد ہیں کیسے مدعی نبوت بن سکتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک دو پیشین گوئی بطور استشہاد لکھی جاتی ہیں۔

پیشین گوئی متعلقہ ڈپٹی آتھم:

یہ پیشین گوئی مرزا جی نے ۵ جون ۱۸۹۳ء کو امرتسر میں عیسائیوں کے مباحثہ پر اپنے حریف مقابل مسٹر آتھم کی نسبت کی تھی، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”آج رات کو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے کو خدا مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سوجاکھے کئے جاویں گے اور بعض لنگڑے چلنے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔“ (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸) پھر فرماتے ہیں۔”میں حیران تھا کہ اس بحث

میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدائے تعالی کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں، مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا، ضرور کریگا، ضرور کریگا، زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی"۔

(حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی کا مضمون بالکل صاف ہے یعنی ڈپٹی آتھم جس نے مسیح کو خدا بنایا ہوا ہے اگر مرزا جی کی طرح موحد و مسلم نہ ہوا تو عرصہ پندرہ ماہ میں مر جائیگا اور ہاویہ میں گرایا جاویگا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اسلام اگرچہ اپنی حقیقت میں ایسے مکاشفات کا محتاج نہیں تاہم مرزا جی نے مخالفین سے اسلام پر دھبہ لگوایا۔ اس پیشین گوئی کے متعلق مرزا جی نے جو حیرت انگیز چالاکیاں کی ہیں ان کی تردید اس پیشین گوئی کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے رسالہ "الہامات مرزا" میں وہ تردید لکھی ہے کہ جس سے بڑھ کر متصور نہیں اور یہ پیشین گوئی مع نظائر اسی رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اس چٹھی کا جو خانصاحب محمد علی خان رئیس مالیر کوٹلہ نے آتھم والی پیشین گوئی کے خاتمہ پر بھیجی تھی اس جگہ پر نقل کرنا ضروری ہے تا کہ مسلمانوں پر صداقت پیشین گوئیوں مرزا جی کی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور مرزا جی کے بیعت اللہ میں حلف اٹھانے کا دھوکا نہ کھائیں۔

چٹھی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

مولینا مکرم۔ سلمکم اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم! آج ۷ ستمبر ہے اور پیشین گوئی کی میعاد مقررہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تھی۔ گو پیشین گوئی کے الفاظ کچھ ہی ہوں لیکن آپ نے جو الہام کی تشریح کی تھی وہ یہ ہے۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ ۱۵ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بہ سزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیاہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان ٹل جاویں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔

اب کیا آپ کی پیشین گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری ہوگئی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ عبداللہ آتھم اب تک صحیح وسالم موجود ہے اور اس کو بسزائے موت ہاویہ میں نہیں گرایا گیا۔ اگر یہ سمجھو کہ پیشین گوئی الہام کے الفاظ کے بموجب پوری ہوگئی جیسا کہ مرزا خدا بخش صاحب نے لکھا ہے اور ظاہری معنی جو سمجھے گئے تھے وہ ٹھیک نہ تھے۔ اول تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کا اثر عبداللہ آتھم صاحب پر پڑا ہو دوسری پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک ماہ لیکر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاویگا اور اس کو ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی

طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آوےگی بعض اندھے سوجا کھے کیے جاویں گے، بعض لنگڑے چلنے لگیں گے، بعض بہرے سننے لگیں گے۔

پس اس پیشین گوئی میں ہاویہ کے معنی اگر آپ کی تشریح کے بموجب نہ لئے جاویں اور صرف ذلت اور رسوائی لیجائے تو بے شک ہماری جماعت ذلت اور رسوائی کے ہاویہ میں گر گئی۔ عیسائی مذہب اسی حالت میں سچا سمجھا جاوے۔ اگر یہ پیشین گوئی سچی سمجھی جائے جو خوشی اس وقت عیسائیوں کو ہے وہ مسلمانوں کو کہاں! (مسلمانوں کو تو نہیں بلکہ مرزائیوں کو۔ مؤلف) شرمندگی اور بڑی شرمندگی ہوئی۔ پس اگر پیشین گوئی کو سچا سمجھا جاوے تو عیسائیت ٹھیک ہے کیونکہ جھوٹے فریق کو رسوائی اور سچے کو عزت ہوگئی۔ اب رسوائی مسلمانوں کو ہوئی۔ میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے اگر کوئی تاویل ہوسکتی ہے تو یہ بڑی مشکل کی بات ہے کہ ہر پیشین گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لڑکے کی پیشین گوئی میں تفاول کے طور سے ایک لڑکے کا نام بشیر رکھا وہ مر گیا تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب اس معرکہ کی پیشین گوئی کے اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے نے تو غضب ڈھا دیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ احد میں فتح کی بشارت دی گئی تھی۔ آخر شکست ہوئی تو اس میں ایسے زور سے اور قسموں سے معرکہ کی پیشین گوئی نہ تھی اور اس میں لوگوں سے غلطی ہوگئی تھی اور آخر جب مجتمع ہوگئے تو فتح ہوئی۔ کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ اہل حق کو بالمقابل کفار کے ایسے صریح وعدے ہوکر اور معیار حق و باطل ٹھہرا کر ایسی شکست ہوئی ہو مجھ کو تو اب اسلام پر شبہ پڑنے شروع ہوگئے، لیکن الحمد للہ! کہ اب تک جہاں تک غور کرتا ہوں اسلام بالمقابل دوسرے ادیان کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ کے دعاوی کے متعلق تو بہت ہی شبہ ہوگیا۔ پس میں نہایت بھرے دل سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اگر فی الواقعہ سچے ہیں تو خدا کرے میں آپ سے

علیحدہ نہ ہوں۔ اور اس زخم کے لئے کوئی مرہم عنایت فرمائیں جس سے تشفی کلی ہو باقی جیسے کہ لوگوں نے پہلے ہی مشہور کیا تھا کہ اگر یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو آپ یہی کہہ دیں گے کہ ہاویہ سے مراد موت نہ تھی۔ الہام کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی برائے مہربانی بدلائل تحریر فرمائیں ورنہ آپ نے مجھ کو ہلاک کر دیا ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ (لوگوں کی پرواہ نہ کرو خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ مؤلف) میں برائے استفادہ نہایت دلی رنج سے یہ تحریر کر رہا ہوں۔ (راقم محمد علی خان)

پس اسلام کا خدا خود حافظ ہے اور خود ہی اس کی حقیت مخالفین کو ہر زمانے میں لاجواب کر رہی ہے اور کرے گی۔ قادیانی صاحب نے، جو بصورت دوست مگر بمعنی اسلام کے دشمن تھے، جہالت کی وجہ سے اسلام کی بیخ کنی کر دی تھی مگر الحمد للہ کہ علمائے اسلام نے اس کا تدارک کر لیا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے۔ بیت

ترا اژدہا گر بود یار غار ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اور مخالفین سے آنحضرت ﷺ کے شان میں وہ وہ کفریات بکوائے کہ خدا نہ سنائے بلکہ جریدۂ عالم پر ان کو بوجہ تحریری ہونے ان کے ثبت کرا دیا۔ الحمد للہ والمنۃ کہ اللہ جل شانہٗ بحسب وعدہ ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (حجر ۹) کے ہمیشہ اس کو پیشین گوئیوں میں ناکامیابی دیتا رہا تاکہ عوام کالانعام اس کو بوجہ صداقت پیشین گوئی کے کتاب وسنت کے بیان میں سچا نہ سمجھ لیں بلکہ یہ جان لیں کہ یہ شخص قرآن وسنت کا محرّف ہے۔ مرزا احمد بیگ اور اس کے داماد مرزا سلطان احمد کے آسمانی منکوحہ کے پیشن گوئی کی نسبت ناکامیاب ہونا خود مشہور ہے۔ مرزا صاحب نے کہا کہ سب خلقت مجھے قبول کرے گی یہ مراد بھی پوری نہ ہوئی اگر عیسیٰ موعود ہوتا تو یہ الہامات کیونکر جھوٹے پڑتے۔ اہل انصاف کو تو یہی دلائل اس کے مسیح کاذب ہونے پر کافی ہیں۔ آگے سردار خان تیرا ایمان مان نہ مان۔

پھر جو آپ نے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔ ”اب صوفیان زمانہ کا یہ حال ہوا کہ خود بھی اور

مریدوں کو نادعلی اور چہل کاف، گنج العرش دلائل الخیرات تسبیح وتہلیل درود بلامعنی پڑھا کرو اور نمازوں کو جلد چٹ کر دیا کرو وظیفہ کا وقت نہ گذرے اگر کوئی غیر قوم دلائل مانگے تو خاموش رہو۔"

سبحان اللہ اب وہ زمانہ بھی آ گیا کہ لوگ تسبیح وتہلیل و درود شریف پڑھنے سے مانع ہو رہے ہیں اور ان کے پڑھنے والوں کو برا مانتے ہیں۔ سچ ہے کہ

خیالات نادان خلوۃ نشین میہم میکند عاقبت کفر دین

شاید یہ لوگ فضائل درود شریف وتسبیح وتہلیل سے لاعلم ہیں قال اللہ تعالیٰ **ان اللہ وملائکتہٗ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماo** ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں حضرت (ﷺ) پر اے ایمان والے لوگو تم بھی درود بھیجو حضرت پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔ وقال **النبی ﷺ من صلی علی مرۃ صلی اللہ علیہ عشر مرۃ.** ترجمہ فرمایا رسول ﷺ نے جو شخص درود بھیجے مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار۔ احادیث میں فضائل درود کے بے شمار ہیں پس درود ایک ایسا عمل ہے جو سب اعمال سے افضل ہے اور ذات حق خود بخود اس عمل کو کر رہی ہے اور اس کے فرشتے بھی کرتے ہیں اور مومنوں کو بصیغہ امر حکم فرمایا ہے جو وجوب کے لئے ہوتا ہے اور دلائل الخیرات شاید آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی وہ اول سے آخر تک قسم قسم کے درود شریف ہیں اور دعا گنج العرش سب کی سب تہلیل ہے کوئی وظیفہ ایسا نہیں جو تہلیل وتسبیح و درود شریف سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے **وسبحوا بحمد ربھم** یعنی وہ لوگ تسبیح پڑھتے ہیں ساتھ حمد رب اپنے کے۔ اور تسبیح کا امر فرمایا ہے **فسبح بحمد ربک.** تہلیل کے معنی شاید آپ نہ جانتے ہوں گے جو افضل الذکر **لا الہ الا اللہ** ہے۔ **قال النبی من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ وقال النبی کلمتان**

خفیفتان علی اللسان ثقیلتان علی المیزان سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر. پس وظیفہ درود تسبیح وتہلیل قرآن وحدیث سے ثابت ہے ان کی اہانت کرنے والا کافر ہے۔ پٹ اونے واقدر کی جانے پٹ اوناجت کاتا۔ قدر گل بلبل بداند قدر زر زرگر بداند قدر رزر زرگری۔ قدر سر گیس جعل داند قدر وبہ دیگری۔

پھر جو لکھا ہے۔ ''اگر کوئی غیر قوم دلائل مانگے تو چپ رہو۔'' افسوس آپ کے انصاف پر اگر صوفی نہ ہوتے تو آپ کے غیر قوم کے دلائل کون رد کرتا اور مرزا صاحب کو کون ہار دیتا کیا صوفی پیر مہر علی شاہ صاحب کا مرزا صاحب کے دعویٰ کی تردید کے لئے تشریف لانا اور مرزا کا سات دن گھر سے نہ نکلنا آپ بھول گئے ہو یا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہو رہے ہو پھر اسی صوفی نے اس قوم کے دعاوی کی بیخ کنی کے لئے کتاب چشتیائی ایسی بنائی کہ سب کے ناک کان کاٹ ڈالے اور ستیاناس کر دیا کہ آج تک اس کے جواب کے بارے میں بہت ہاتھ پاؤں مارے اور سرگردانی کی مگر خاک ہاتھ آئی آخر ایسی حسرت میں مرزا صاحب خاک میں مل گئے کیا یہی چپ رہنے کے معنی ہیں؟ منصف آپ جیسے ہی چاہئیں۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد   میلش اندر طعنہ پاکاں زند

پھر آپ نے صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے۔ کہ ''جب تم ہم کو اپنے دل میں حقیر ذلیل شمار کرتے ہو تو ہمارا وہم والہامات قرآن مجید کی طرف دوڑتا ہے تو اس بحر عظیم میں ہم کو غوطہ لگانا پڑتا ہے آخر وہاں سے لعل موتی ہاتھ آئے۔'' الخ

چونکہ آپ نے قرآن دانی اور اس سے لعل موتی نکالنے کا دعویٰ کیا ہے اور صوفیوں کے بارہ میں صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔ کہ ''قرآن کو پڑھنے کے وقت جنتر منتر تنتر کر کے ترت ٹھپ دیا کرتے ہیں۔'' اب وہی صوفی کئی سوال متعلقہ معانی قرآن پیش کرتے ہیں۔ ایک نہیں بلکہ سب جماعت مرزائیہ جمع ہو کر ان کا جواب دو اور الہام سے لعل موتی نکال کر پیش کرو۔

پہلا سوال: قال اللہ تعالیٰ **والقمر قدرناہ منازل** اس کے متعلق منازل اور علیٰ ہذا القیاس آیت کریمہ **ھو اللہ الخالق الباریٔ المصور لہ الاسماء الحسنیٰ** مع بیان ہر ایک منزل کے ساتھ ہر ایک اس کے اسماء الٰہیہ میں سے تعیین ہر اسم و ہر ایک سورۃ متناسبہ بمنازل بمعہ حروف اوائل جن کی سورتیں بلحاظ تکرار ۷۳ بحسب تعداد **الایمان بضع و سبعون شعبۃ** ہیں اور انتقالات قمر بالمنزلیہ بحسب تثلیث وتربیع وتسدیس مع احکامہا لکھیں اور نیز ۲۸ منازل کی وجہ تخصیص عند المحققین کیا ہے اور عند الجمہور کیا؟ اور نیز ہر برج کے لئے ۲ منازل اور ثلث منزل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اگر ہر برج کیلئے منازل میں سے عدد صحیح ہوتا یا مکسور تو عالم تکوین میں بقانون **ذٰلک تقدیر العزیز العلیم** کیا قباحت اور نقصان تھا؟ پھر منازل صحیحہ اور ملفقہ من الکسور مختلفۃ المزاج بالتفصیل بیان فرمائیں مثلاً ثریا کے لئے مزاج خاص ہے۔ اور (برج) حمل نے اس سے ثلث لیا ہے۔ جب ثور کے لئے دو منزلیں اور ثلث چاہیے تھا تو ایک منزلۃ وبراں صحیحہ اور دو ثلث ثریا کے جن کے ساتھ یقعہ کا ثلث اضافہ کرنے سے دو منزلیں تمام ہوئیں پھر یقعہ سے باقیماندہ ثلث لیا گیا علیٰ ہذا القیاس۔ جب تک یہ مذکور مع منزل احدی المزاج اور مختلفۃ المزاج مع احکامہا المختصیۃ کے نہ جانیں جس کے بغیر بروج کا مثلثۃ الوجوہ ہونا نہیں معلوم ہوسکتا تو آپ **والسماء ذات البروج** اور **والقمر قدرناہ منازل** اور **ذٰلک تقدیر العزیز العلیم** کو کیا سمجھیں گے علیٰ ہذا القیاس۔ **وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون** کو کواکب مذکورہ یعنی سبع سیارہ میں سے چھوٹے روز والا قمر ہی **ومقدارہ یسیر الثوابت ستۃ وثلاثون الف سنۃ مماتعدون**. یوم ذی المعارج باصطلاح قرآن کریم مقدار اس کا پچاس ہزار سال اور یوم اسم رب کا مقدار یک ہزار سال۔ پس ضرب کیا جائے حاصل ضرب ایام کواکب ثابتہ کا بیچ ایام دراری سبع کے بیچ مجموعہ کے جو حاصل ہے بروج اور حاصل ضرب

۳۶۰ فی نفسہ سے مثلاً عدد اس مجموع کا ۲۷۰۰۰ ہے جس میں عدد ایام کو اکب مذکورہ کے ضرب کرنے سے معنی **تقدیر الکواکب** معلوم ہوسکتا ہے بغیر اس کے آپ معنی **ذلک تقدیر العزیز العلیم** ہرگز نہیں سمجھ سکتے صرف ترجمہ دانی اور چیز ہے۔

دوسرا سوال: قولہ تعالیٰ **فاردت ان اعیبھا** اور **فاردنا ان یبدلھما ربھما** افراد اور جمعیت ضمیر کی وجہ مخصص کیا ہے؟ اور نیز قولہ تعالیٰ **فاردنا ان یبدلھما ربھما** سے **فاراد ربک ان یبدلھما** یا **فاراد ربھما ان یبدلھما** بادی نظر میں مناسب معلوم ہوتا ہے اس قول باری تعالیٰ کو **فاراد ربک ان یبلغا اشدھما** و ایضا **قولہ تعالیٰ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہٗ کن فیکون** میں بدر کی تعقیب وجہ بیان کریں مع **ان المحقق انہ لا افتتاح القول کما لا افتتاح لمعلوم لعلمہ تعالیٰ فی حدث الا ظھور المکون لعالم الشھادۃ بعد ان کان غیبا فی علمہ تعالیٰ**۔ جواب دہی میں آپ کی قرآن دانی ظاہر ہو جائے گی۔

تیسرا سوال: **قال تعالیٰ و کل شیٔ احصیناہ فی امام مبین. قال الشیخ بن عربی الطائی** قدس سرہ **فانہ الحق المبین و الصادق الذی لا یمین وبمثل ھذا لخاطر یحکم الزاجر ولھذا یصب ولا یخطی ویمضی مایقول ولا یبطی اذا استبطاء لا زاجر عند السوال فما ھو من اولٰئک الرجال حال السوال مایحکم بہ المسئول ان وقع منہ التوانی الی الزمن الثانی فسد حالہ ولم یصدق مقالہ خذلک امر التفق............ لا یکون لہ مکث مخلولہ انتقالہ و ورودہ زوالہ ومن ذلک نزول الملک علی الملک لیس الملک الا من خدمہ الملک الملک لاینزل معلما وانما ینزل حلما فان الرحمٰن علم القران انظر الی ھذہ التکملۃ المحمدیۃ تنبہ لھذہ المنزلۃ العلیۃ فاسلک فیھا سواء السبیل ولم تجنم الی تاویل فعرس فی**

احسن مقیل فی خفض عیش وظل ظلیل الی ان قال هوابن الاما المبین لابل ابوه کائن بائن راجل قاطن استوطن الخیال وافترش الکتاب واستوطاء اللسان بل هو قران مجید فی لوح محفوظ فهد الامام المبین یموی امهات العلوم یبلع عدد مائة الف نوع من العلوم تسعة وعشرین الف نوع وقسمائته نوع قال لوط لوان لی بکم قوة او اوی الی رکن شدید فکان عنده الرکن الشدید ولم یکن یعرفه فان النبی قال یرحم اللہ اخی لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید ولم یعرفه وعرفته عائشة وحفصة فلو عرفت ایها المخاطب علم ما کانتا علیه المعرفة معنی هذه الأیة.

آیت مذکورہ کے متعلق حضرت شیخ صاحب کی تفسیر کا مطلب ونیز دوسری آیت وحدیث کے تحت میں جولکھا گیا ہے اس کا ماحصل بیان فرمائیں؟ نیز آیت پہلی سے انیس موارد بمعہ نظائران کے جو بمقابلہ ہر ایک کے ایک صفت ممکنات کے ہے اور نظائر من القرآن اور نظائر فی التاثیر اور نظائر من النار اور ایک لاکھ انیس ہزار چھ سو علم کا صرف نام ہی بتائیں مگر خیال رہے کہ آپ جیسوں کا تاویلی ڈھکوسلہ نہیں یہ علم الرحمٰن ہے جو بغیر انبیاء واکمل اولیاء صلوات اللہ والسلام علیہم ومتقدمین ان کے دوسرے کا حصہ نہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء اٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰه رب العٰلمین اللّٰهم اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین اٰمین.

آخر جولکھا ہے۔''اے صاحبان اب نوردین کوبھی نہ جانے دو۔'' حضرت نوردین تو خود مذبذبین بین ذٰلک کا مصداق ہے۔اس کی سوانح عمری پر خیال کرنے سے خوب روشن ہوجاتا ہے ایسے آدمی کا اقتدار بے فائدہ ہے۔ دوسرے چونکہ آپ کا شمس من

مغرب طلوع ہوکر غروب بھی ہوگیا ہے تو پھر آپ کا نوردین پر ایمان لانا مردود اور دوسروں کو ترغیب دینا بے سود۔ **والسلام علی من اتبع الھدیٰ** بررسولاں بلاغ باشد بس۔

خادم العلماء والفقراء فقیر محمد ضیاء الدین اوصلہ الی مراتب الیقین سیالوی

بتاریخ ۱۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/ ۱۹۱۱ء اختتام یافت۔

اعتراف

ہماری طرف سے حقائق معارف پناہ فضائل وکمالات دستگاہ جناب حضرت پیر صاحب مہر علی شاہ مسند آرا گولڑہ کافی وشافی جواب ترقیم فرما چکے ہیں اور ان کا بھی اب تک کوئی جواب نہیں۔ فقیر نے بھی جو کچھ لکھا ہے از راہ ہمدردی لکھا ہے اور جہاں کہیں کوئی فقرہ پیر صاحب کی کتاب سے لکھا ہے وہاں نام درج کردیا ہے۔

خلاصۂ علامات ظہور مسیح موعود ومہدی معہود ثبتہ باحادیث صحیحہ متواترۃ بالمعنی

ضمیمہ

قال اللہ تعالیٰ ما اتاکم الرسول فخذوہ وقال النبی ﷺ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار

خصوصیات زمانہ مسیح:

۱..... ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیونکہ مال کی مسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ مگر یہ چودھویں صدی کے مسیح خود ہی چندہ کے محتاج ہیں کبھی بحیلہ منارہ سازی اور بہ بہانہ تصنیف اور کبھی بہ حجت مسافر نوازی۔

۲..... مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا تو زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ بہت متمول اور تونگر ہوں گے۔ آج دنیا کی تمام اقوام میں سے زیادہ مفلس اور غریب مسلمان ہیں۔ زکوٰۃ

دہندگان نہایت ہی قلیل ہیں۔

۳......باہم بغض اور عداوت جاتی رہے گی۔سب میں اتحاد اور محبت کا رشتہ مستحکم ہو جائے گا۔

۴......زہریلے جانور کی زہر جاتی رہے گی وحوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔آدمی کے بچے سانپ اور بچھو سے کھیلیں گے ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا۔

۵......زمین صلح سے بھر جائے گی۔

۶......زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر اور اپنی برکت لٹا دے اس دن ایک انار کو ایک گروہ کھائے گا اور انار کے چھلکے کو بنگلہ سا بنا کر اس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ دودھار اونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو اور دودھار گائے ایک برادری کے لوگوں کو اور دودھار بکری ایک کنبہ کے شخصوں کو کفایت کرے گی۔

۷......گھوڑے سستے بکیں گے کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔بیل گراں قیمت ہو جائیں گے کیونکہ تمام زمین کاشت کی جائے گی۔

۸......خداوند تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام دینوں کو محو کر دے گا۔صرف دین اسلام باقی رہے گا۔اور اسلام کی ایسی رونق ہوگی کہ تمام دنیا اور دنیا بھر کے مال متاع سے ایک سجدہ کرنا اچھا معلوم ہوگا۔

سیرتِ مسیح:

۱......عیسیٰ علیہ السلام جامع دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عصر پڑھیں گے پھر اہل دمشق کو ساتھ لے کر طلب دجال میں نہایت سکینہ سے چلیں گے،زمین ان کے لئے سمٹ جائے گی۔ان کی نظر قلعوں کے اندر اور گاؤں کے اندر تک اثر کر جائیگی۔

۲......جس کافر کو ان کی سانس کا اثر پہنچے گا وہ فوراً مر جائے گا۔

۳......یہ بیت المقدس کو بند پائیں گے دجّال نے اس کا محاصرہ کرلیا ہوگا اس وقت نماز صبح کا وقت ہوگا۔

۴......ان کے وقت میں یاجوج ماجوج خروج کریں گے تمام خشکی وتری پر پھیل جائیں گے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے۔

۵......وہ دین اسلام کے لئے لوگوں سے جنگ وقتال کریں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے۔

۶......دجّال کو باب لد پر قتل کریں گے اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو دکھلائیں گے۔

۷......اگر وہ پتھریلی زمین کو کہہ دیں کہ تو شہد بن کر روانہ ہو تو اسی وقت شہد بن جائے گی۔

۸......زمین پر چالیس پینتالیس سال تک قیام فرمائیں گے۔

۹......روضہ مقدس حضرت ﷺ میں مدفون ہوں گے۔

حلیہ عیسیٰ علیہ السلام :

۱......قد درمیانہ، رنگ سرخ وسپید، لباس زردی مائل، ان کے سر سے باوجود تر نہ کرنے کے پانی کے قطرے موتیوں کے دانہ کی مثل ٹپکتے ہوں گے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میں شب معراج میں ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔قیامت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔فیصلہ اس کا حضرت ابراہیم کے سپرد ہوا۔انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر حضرت عیسیٰ پر اس کا تصفیہ رکھا گیا۔انہوں نے کہا قیامت کے آنے کی خبر تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہاں خداوند تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجّال نکلے گا میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی۔جب وہ مجھے دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔(یہ حدیث مسند احمد میں ہے) اب مرزائی جماعت سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا شب معراج میں اس معاہدہ کے بیان کرنیوالے مرزا جی ہی تھے اور اگر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے

نزول بروزی بصورت قادیانی سے خبر دی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے نزول بروزی بصورت قادیانی سے خبر نہیں دی چنانچہ آپ کا مزعوم ہی کیوں نہ خبر دے۔ ناظرین ذرا غور وانصاف فرمائیں کہ انصاف خیر الاوصاف ہے، لیکن

کسے بدیدۂ انکار گر نگاہ کند — نشان صورت یوسف دہد بنا خوبی
اگر بچشم ارادت نظر کند در دیو — فرشتہ اش نما ید بچشم محبوبی

علاماتِ ظہورِ مہدی: ا...... دار قطنی میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ مہدی معہود کے ظہور کے لئے دو ایسی علامتیں ہیں جو ابتداء پیدائش آسمان و زمین سے کبھی واقع نہیں ہوئیں وہ یہ ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہوگا اور نصف رمضان میں کسوف آفتاب ہوگا۔ **ان للمھدی ایتان لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینخسف القمر فی اول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی نصف منہ** (الحدیث) اور جو ۱۳۱۱ھ میں رمضان شریف میں چاند گرہن و سورج گرہن ہوا تھا وہ ان تاریخوں کے موافق نہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ ان سن کی جنتریوں میں موجود ہے۔ اس لئے وہ قادیانی صاحب کے مہدی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۲...... قریب ظہور امام مہدی کے دریائے فرات کھل جائے گا اور اس میں سے ایک سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔

۳...... آسمان سے ندا ہوگی **الا ان الحق فی ال محمد**. اے لوگو حق آل محمد میں ہے۔

شناختِ مہدی کی علامات:

ا...... آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کرتا اور تلوار اور علم ہوں گے۔ یہ نشان بعد آنحضرت ﷺ کے کبھی نہ نکلا ہوگا اس پر لکھا ہوا ہوگا **البیعۃ للہ** بیعت اللہ کے واسطے ہے۔

۲...... امام مہدی کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا۔ اور اس میں سے ایک پکارنے والا

پکارے گا **هذا المهدی خلیفة اللّٰہ** یعنی یہ مہدی خلیفہ خدا کا ہے،اس کا اتباع کرو۔

۳......ایک سوکھی شاخ زمین میں لگائیں گے تو ہری ہو جائے گی اور اسی وقت برگ وبار لائے گی۔

۴......کعبہ کے خزانہ کو نکال کر تقسیم کر دیں گے۔

۵......دریا ان کے لئے یوں پھٹ جائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے لئے پھٹ گیا تھا۔

۶......ان کے پاس تابوت سکینہ ہوگا جسے دیکھ کر یہود ایمان لائیں گے۔

۷......امام مہدی اہل بیت نبوی سے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ **المهدی من عترتی من ولد فاطمة**. اور اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ قادیانی صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا ہے کہ مہدی موعود کے فاطمی ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ صاحب ضرورت تو اس لئے ہوئی کہ مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔ آپ فرمائیے مغل بچہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

۸......ان کا مولد مدینہ طیبہ ہے۔ (رواہ ابونعیم عن علی کرم اللہ وجہہ)

۹......مہاجر یعنی ان کے ہجرت کی جگہ بیت المقدس ہوگی۔

۱۰......حلیہ ان کا گندم گوں رنگ، کم گوشت، میانہ قد، کشادہ پیشانی، بلند بینی، کمان ابرو، دونوں ابروئیں فرق، سیاہ چشم سرگیں، دانت سفید روشن اور جدا جدا، داہنے رخسار پر خال سیاہ، چہرہ نورانی ایسا روشن جیسا کوکب دری، ریش پرانبوہ کشادہ، ران عربی وضع، اسرائیلی بدن، زبان میں لکنت جب بات کرنے میں دیر ہوگی تو ران چپ پر ہاتھ ماریں گے، کف دست میں نبی ﷺ کی نشانی ہوگی، یہ سب احادیث صحیحہ سے لئے گئے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ پیشین گوئی اور ایسی ہی مسیح موعود والی اور دجال شخصی کی ان سب میں جو آنحضرت ﷺ نے مفصل طور پر حلیہ بیان فرمایا ہے، جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو، گویا یہ پیشین گوئی در پیشین گوئی ہے یعنی غلام احمد قادیانی یا امثال اس کے مسیح موعود یا مہدی معہود ہونے کا

دعویٰ کریں گے اور بالخصوص غلام احمد قادیانی دجال شخص کا منکر ہوگا۔ گویا آپ نے پہلے ہی مفصل حلیہ بیان فرمانے سے ان کی تکذیب پر علامات بیان فرما دیئے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ایسے ایسے خلل اندازوں کا آنحضرت ﷺ کو علم اور اندیشہ نہ ہوتا تو بیان میں اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ ضرورت کی وجہ تو یہی ہے کہ یہ مدعیان امت مرحومہ کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ **فسبحان اللہ من جعلہ** ﷺ **حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم**۔ اپنی کمال خیر خواہی سے یہ بیان تفصیلی فرمایا ہے۔ **ھذا ھو الحق فما ذا بعد الحق الا الضلال والھادی ھو اللہ المتعال**۔ پس چونکہ علامات مذکورہ بالا جو احادیث صحیحہ متواترہ بالمعنی سے ثابت ہیں اب تک ظہور میں نہیں آئیں تو بنا بریں قادیانی کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی معہود ہونے کا باطل صریح اور افترا محض ہے۔ اہل اسلام کو آیت کریمہ **ما اتاکم الرسول** کو مدنظر رکھ کر اس کے دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولّٰی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا**۔ ترجمہ: جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس سے پیچھے کے ظاہر ہوا اس کے لئے راستہ سیدھا اور پیروی کرے مومنین کے مخالف راستہ کو اعتقاد اور عمل میں چھوڑیں گے ہم اس کو اس امر میں جو وہ اس کو دوست رکھتا ہے یعنی دائرہ کفر وارتداد میں داخل کریں گے اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بری جگہ رہنے کی ہے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص دیدہ و دانستہ احادیث صحیحہ نبویہ واجماع امت مرحومہ کے عمل و اعتقاد میں مخالفت کرے تو اس کے لئے حکم ارتداد و کفر ہے **نعوذ باللہ منہا**۔ اگر کسی شخص کو زیادہ تر تحقیق کی خواہش ہو تو کتاب سیف چشتیائی مصنفہ راس المحققین ورئیس المدققین پیر صاحب گولڑوی مطالعہ کریں تا کہ قادیانی کی دھوکہ بازی اور مکر سازی پر پوری پوری اطلاع پائیں۔

وما علینا الا البلاغ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔